اسداللہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ لاہور

PRICE 2-4-0

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

اسد اللہ

یعنی

سوانحِ عمری حضرت علی کرم اللہ وجہہ

مؤلفہ و مرتبہ
منشی نذیر احمد صاحب سیماب قریشی بی۔ اے منشی فاضل نہالوی مبلغ اسلام
حال مقیم امریکہ

ناشر
شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور
نے آفتاب عالم پریس لاہور میں باہتمام ... پرنٹر چھپوایا
بار سوم
قیمت ۳/۴ عہ

نذرِ عقیدت

ان اہلبیت اطہار کی خدمت
میں جن کی خاکِ پا بننے کا
شرف حاصلِ حیات و
ممات ہے

ناشر

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ؛

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی بڑی بڑی ضخیم عربی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ جن سے عامۃ الناس فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور اگر کسی نے آپ کے حالات زندگی اپنے ملک کی زبان میں قلمبند کرانے کی زحمت بھی اٹھائی ہے تو یا تو واقعات کو بے ربط طور پر گڈمڈ کر دیا ہے۔ اور یا صرف آپ کے اقوال مناقب پر ہی اکتفا کیا ہے لیکن اس کتاب میں خاکسار نے سلسلہ وار آپ کے حالات کو قلم بند کیا ہے اور صرف اس امید پر واقعات کو عام فہم اردو زبان میں یکجا جمع کیا ہے تاکہ وہ قوم جو اپنی غفلت کے جبالات کے صدقے اپنی خصوصیات اور روایات کو کھو چکی ہے اپنے اسلاف کے واقعات کو معلوم کر کے ان کی پیروی کرے چنانچہ یہی مقصد کو مد نظر رکھ کر پیشتر ازیں تمثیلی سلسلہ تعلیم الاسلام حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت خالد بن ولید اوّل سپہ سالار اسلام مجاہد فی سبیل اللہ کے حالات زندگی نذر ناظرین کر چکے ہیں اور اب حسب وعدہ جناب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حالات زندگی ہدیہ ناظرین ہیں ؛

نوٹ:۔ جس قدر آیات یا احادیث کا حوالہ ہم نے دیا ہے۔ ان کا تحت لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ مفہوم دیا گیا ہے۔

والسلام ؛

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت محمدؐ اور حضرت علی کرم ایک ہی نور ہیں

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ خاندانِ قریش کی سب سے معزز شاخ بنی ہاشم میں سے تھے۔ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے چچا زاد بھائی تھے آپ کی پیدائش نور سے ہے اور وہ نور مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ذات المسرور کا ایک جزو ہے اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں چنانچہ چند ایک برسبیل تذکرہ حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔

۱۔ عن سلمان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت انا و علی نورا بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم باربعۃ الاف عام فلما خلق آدم قسم ذلک النور جزئین فجزءانا وجزء علی (اخرجہ احمد فی المناقب وعبد اللہ بن احمد بن حنبل والخوارزمی وابن عساکر والحموینی ومحب الطبری وابن المغازلی عنہ وعن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ میں اور علی آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چار ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے اس نور کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ جس کا ایک حصہ میں ہوں اور ایک حصہ حضرت علی کرم اللہ وجہ ہیں حضرت امام احمد حنبل اُن کے بیٹے عبد اللہ اخطب۔ خوارزم ابن عساکر حموینی اور محب طبری نے سلمان رضی اللہ عنہ سے اور ابن المغازلی نے حضرت سلمانؓ حضرت ابوذر غفاریؓ سے۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

فردوس الاخبار میں دیلمی نے اسی حدیث کو حضرت سلمانؓ سے اس طرح پر روایت کیا ہے "خلقت انا و علی من نور واحد قبل ان یخلق آدم باربعۃ الاف عام فلما خلق اللہ تعالیٰ آدم رکب ذلک النور فی صلبہ فلم نزل فی شیٔ واحد حتی افترقنا فی صلب عبد المطلب ففی النبوۃ و فی علی الخلافت" یعنی رسالتماب

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میں اور علی رضؓ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چار ہزار سال پہلے ایک ہی نور سے پیدا ہوئے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اس نور کو آدم علیہ السلام کی پشت میں ملا دیا۔ اور ہم ایک جگہ ہی ہم اکٹھے رہتے چلے آئے ہیں۔ اور یہاں تک کہ عبد المطلب کی پشت میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پس مجھ میں نبوت اور علی میں خلافت ہے۔

۵ اسی حدیث شریف کو ابو الفتح محمد بن علی ابن ابراہیم نے اپنی کتاب خصائص العلویہ میں اس طرح بیان کیا ہے "سلمان قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول خلقت انا و علی من عن یمین العرش نسبح اللہ و نقدسہ من قبل ان یخلق اللہ عزوجل آدم باربعۃ عشرۃ آلاف سنۃ فلما خلق اللہ آدم نقلنا الی اصلاب الرجال و ارحام النساء الطاہرات ثم نقلنا الی صلب عبد المطلب و قسمنا نصفین فجعل النصف فی صلب عبد اللہ و جعل النصف فی صلب ابی طالب فخلقت من ذلک النصف و خلق علی من النصف الآخر و اشتق لنا من اسمائہ اسماء و اللہ محمود و انا محمد و اللہ الاعلی و اخی علی و اللہ فاطر و ابنتی فاطمۃ و اللہ محسن و ابنای الحسن و الحسین فکان اسمی فی الرسالت و کان اسمہ فی الخلافت و الشجاعت فانا رسول اللہ و علی سیف اللہ" (ترجمہ) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے میں اور علی ایک ہی نور سے پیدا ہوئے۔ اور عرش کی داہنی طرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ہم کو مردوں کی پاک پشتوں سے عورتوں کے پاک ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا حتیٰ کہ ہم عبد المطلب کی پشت میں آ گئے۔ پھر اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ عبد اللہ کی پشت میں اور دوسرا ابو طالب کی صلب میں چلا گیا۔ پس ایک حصے سے مجھ کو اور دوسرے حصے سے علی کو پیدا کیا۔ اور اپنے ناموں سے ہمارے نام مشتق کئے۔ اللہ **محمود** ہے۔ اور میں **محمد** ہوں۔ اللہ تعالیٰ **اعلیٰ** ہے اور میرا بھائی **علی** ہے۔ اللہ تعالیٰ **فاطر** ہے۔ اور میری بیٹی **فاطمہ** ہے اللہ تعالیٰ **محسن** ہے۔ اور میرے بیٹے حسن اور حسین ہیں۔ پس میرا نام پیغمبری میں اور علی کا نام خلافت اور شجاعت میں درج کیا۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور علی اللہ تعالیٰ کی تلوار ہے۔

(۳) ابو القاسم عبد الکریم بن محمد بن عبد الکریم الرافعی و ابراہیم بن الحموینی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی

رحمۃ اللہ علیہ سے جس کے استاد پیر گیلانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچاتے
ہیں یہ حدیث بیان کرتے ہیں "عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ
قال لما خلق اللہ تعالیٰ ابا البشر و نفخ فیہ من روحہ التفت آدم یمینہ العرش فاذا نور خمسۃ اشباح
سجدا و رکعا قال آدم یا رب ھل خلقت احدا من طین قبلی قال لا یا آدم قال فمن ھؤلاء الخمسۃ الذین اراھم
فی ھیئتی و صورتی قال ھؤلاء خمسۃ من ولدک لولا ھم ما خلقتک ھؤلاء خمسۃ شققت لھم خمسۃ اسماء من اسمائی
لولا ھم ما خلقت الجنۃ ولا النار ولا العرش ولا الکرسی ولا الارض ولا الملائکۃ ولا الانس ولا الجن
فانا المحمود و ھذا محمد وانا العالی و ھذا علی وانا الفاطر و ھذا فاطمۃ و انا الاحسان و ھذا الحسن وانا
المحسن و ھذا الحسین آلیت بعزتی انہ لا یاتینی بمثقال حبۃ من خردل من بغض احدھم الا ادخلتہ ناری
ولا ابالی یا آدم ھؤلاء صفوتی بھم انجیھم و بھم اھلکھم فاذا کان لک حاجۃ فبھؤلاء توسل فقال النبی صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم نحن سفینۃ النجاۃ من تعلق بھا نجی و من حاد عنھا ھلک فمن کان لہ الی اللہ حاجۃ
فلیسال بنا اہل البیت" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب بشروں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا
اور اس کے جسم میں اپنے روح کو پھونکا۔ اور آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے عرش کی داہنی طرف نگاہ
اُٹھائی تو دیکھا کہ پنجتن پاک کے اجسام کا نور وا فراسہ پدر رکوع اور سجود کر رہا ہے تب آدم علیہ السلام نے عرض
کی۔ کہ اے میرے پروردگار کیا مجھ سے پہلے بھی تو نے کسی کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
نہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ کون پانچ کس ہیں جن کو میں اپنی شکل و صورت
میں دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد میں سے پانچ شخص ہیں۔ اور جس چیز سے میں نے
تجھے بنایا ہے۔ ان کو اس سے نہیں بنایا۔ (یعنی مٹی سے نہیں بنایا) بلکہ یہ میرے نور سے خلق
ہوئے ہیں اور اپنے ناموں میں سے میں نے ان کے نام نکالے ہیں۔ اگر ان کو پیدا نہ کرتا۔ تو بہشت
و دوزخ۔ عرش و کرسی زمین و آسمان جن و انس اور فرشتوں کو بھی پیدا نہ کرتا (الغرض کچھ
بھی نہ ہوتا۔) میں محمود ہوں اور یہ محمدؐ ہے میں عالی ہوں یہ علیؑ ہے میں فاطر ہوں۔ یہ فاطمہؑ ہے
میں احسان ہوں یہ حسنؑ ہے میں محسن ہوں یہ حسینؑ ہے مجھے اپنی عزت کی قسم اگر کوئی شخص
ایک رائی کے دانے جتنا بھی ان کا بغض دل میں لے کر میرے پاس آئیگا۔ تو بالضرور میں اس شخص
کو دوزخ میں پھینک دونگا۔ اور مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوگی۔ اے آدم علیہ السلام یہ پانچوں
میرے برگزیدہ ہیں ان کی وجہ سے میں بے شمار لوگوں کو بخش دوں گا۔ اور بہتوں کو ان کی وجہ سے

النبوۃ وجعل فی علی الفروسیۃ والفصاحت واشتق لنا اسمین من اسمائہ فرب العرش محمود وانا محمد وہو الاعلیٰ وہذا علی انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور خلقت کی پیدائش سے پہلے خداوند بزرگ و برتر کی تسبیح عرش کی دائیں طرف کیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بہشت میں رہنے کی جگہ عطا فرمائی۔ تو اس وقت ہم آدم علیہ السلام کی صلب میں تھے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے۔ ہم نوحؑ کی صلب میں تھے۔ جب سیدنا ونبینا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ اس وقت بھی ہم اُن کی پشت میں موجود تھے۔ اسی طرح اللہ جل شانہٗ ہمیں ایک پاک صلب سے دوسری پاک پشت میں منتقل کرتا رہا۔ آخر کار اس نور کو عبدالمطلب کی صلب میں تبدیل کر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا مجھے عبداللہ کی صلب میں اور علی کو ابوطالب کی صلب میں تبدیل کیا۔ مجھ کو نبوت و رسالت اور علی کو شہسواری اور فصاحت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہمارے ناموں کو اپنے اسمائے حسنہ میں سے مشتق کیا۔ عرش کا رب محمود ہے۔ اور میں محمد ہوں۔ وہ اعلیٰ ہے۔ اور یہ علیؓ ہیں۔

۵۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلقت انا وعلی من نور واحد من قبل ان یخلق ابنا آدم بالفی عام فلما خلق آدم صرنا فی صلبہ ثم نقلنا من کرام الاصلاب الی مطہرات الارحام حتی صرنا فی صلب عبدالمطلب ثم انقسمنا نصفین فصرت فی صلب عبداللہ وصار علی فی صلب ابی طالب اختار فی بالنبوۃ واختار علیا بالشجاعۃ والعلم والفصاحۃ واشتق لنا اسمین من اسمائہ فاللہ محمود وانا محمد واللہ اعلیٰ وہذا علی۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں اور علی ایک ہی نور سے جدا مجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئے ہیں جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ہمارا نور اُن کی صلب میں چلا گیا۔ اور پھر وہ نور بزرگ اور پاک پشتوں سے ظاہر ارحام میں منتقل ہو گیا میرا نور عبداللہ کی صلب میں اور علی کا نور عبدالمطلب کی صلب میں داخل ہوا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو نبوت اور علی کو شجاعت علم اور فصاحت سے سرفراز فرما کر اپنے ناموں میں سے ہمارے نام مشتق کئے۔ اللہ تعالیٰ محمود ہے۔ میں محمد ہوں۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ہے۔ اور علی ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام کے والدین

پیشتر اس کے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش اور تربیت کا بیان نذر ناظرین کیا جائے۔ آپ کے والدین کا کچھ مختصر سا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبد مناف ہے۔ اور بعض مؤرخ عمران بتاتے ہیں۔ اور ابو طالب ان کی کنیت تھی جو نام پر غالب آگئی۔ ابو طالب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باپ عبداللہ بن عبد المطلب کے برادر عینی تھے۔ اور ان دونوں کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ المخزومیہ تھا۔ آپ شیخ القریش اور رئیس مکہ تھے۔ ان کے ایمان کی نسبت مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ ابو طالب مسلمان ہو گئے تھے۔ اور ظن غالب بھی یہی ہے۔ کیونکہ جناب ابو طالب کو جو سچی ہمدردی اور محبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی۔ وہ ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں اور پھر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابو طالب کی وفات کے بعد نہایت متاسف ہونا اور ان کی وفات کے سال کا نام عام الحزن رکھ دینا۔ جناب ابو طالب کے ایمان کی صداقت پر دال ہے۔ علماء مورخین کے اقوال کے علاوہ خود جناب ابو طالب کی زبان سے ان کا ایمان ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر ابو طالب نے یہ شعر کہے تھے ؎

دعوتنی وعلمت انک صادق ۔۔۔ ولقد صدقت وکنت قبل امینا

ولقد علمت بان دین محمد ۔۔۔ من خیر ادیان البریۃ دینا

ان اشعار کو ابن عساکر اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہوئے ابو طالب کے ایمان کے صاف صاف قائل ہوئے ہیں۔ جن کا ترجمہ یہ ہے "یعنی ہدایت کی تونے مجھ کو اور میں نے جان لیا کہ تو سچا ہے۔ اور بے شک تونے سچ کہا ہے۔ اور تو پہلے سے امین ہے اور میں نے جان لیا ہے۔ کہ دین محمدی تمام دنیا کے مذاہب سے بہتر ہے۔"

علامہ ابن حجر کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھتے ہیں کہ لما مات عبد المطلب اوصی بمحمد الی ابی طالب فکفلہ واحسن تربیتہ وسافر بصحبتہ الی الشام وھو شاب لما بعث قام فی نصرتہ وذب عنہ لمن عاداہ ومدحہ عدۃ مدائح منہا قولہ لما استسقی اہل مکہ فقرء ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ۔۔۔ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

یعنے جب عبد المطلب فوت ہو گئے تو انہوں نے ابو طالب کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت اور تربیت کی وصیت فرمائی۔ ابو طالب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت احسن طریقے پر تربیت کی اور اپنے باپ کی وصیت کو ٹھیک طور پر پورا کیا۔ اور اپنے ہمراہ لے کر شام کا سفر کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت جوان تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسالت سے مبعوث ہوئے تو ابو طالب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد پر کمربستہ ہو گئے اور آنحضرت صلعم کے دشمنوں کے شر کو آپ سے دور رکھتے رہے اور آپ کی بہت سی تعریفیں بیان کیں۔ جن میں سے ابو طالب کا ایک مشہور شعر وہ ہے جو ابو طالب نے اس وقت کہا تھا۔ جب کہ اہل مکہ سخت خشک سالی کا شکار ہو رہے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے اللہ تعالے نے بارش کا نزول فرمایا۔ جو شعر ابو طالب نے اس وقت آپ کی مدح میں کہا تھا۔ اس کا ترجمہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب صورت اور سفید چہرے والے ہیں آپ کی وجہ سے بادلوں سے مینہ برستا ہے۔ اور آپ بیواؤں کے پشت و پناہ اور یتیموں کے فریاد رس ہیں"۔

علامہ علی بن برہان الدین شافعی نے انسان العیون میں مقاتل سے یہ روایت کی ہے"۔ عن مقاتل ان ابا طالب قال عند موتہ یا معشر بنی ہاشم اطیعو محمدًا و صدقوا ترشدوا"۔ یعنے مقاتل سے روایت ہے۔ کہ ابو طالب نے اپنی وفات کے وقت بنی ہاشم کو وصیت کی کہ اے گروہ بنی ہاشم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اختیار کرو۔ ان کو صادق سمجھو۔ مخلصی حاصل کرو گے۔

ابو داؤد نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں "عن علی قال لما مات ابو طالب اخبرت النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بموتہ فبکی قال اذہب فاغسلہ وکفنہ دوارہ غفر لہ و رحمہ" حضرت علی فرماتے ہیں۔ کہ جب ابو طالب وفات پا گئے تو میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جاؤ ان کو غسل دے کر کفن پہنا دو۔ اور دفن کرو اللہ تعالے ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم کرے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور روایت ہے"۔ عن علی انہ اسلم

قال لہٗ ابوطالب الزم ابن عمک" یعنے حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب میں نے اسلام قبول کیا۔ تو جناب ابوطالب نے فرمایا۔ کہ اپنے چچا کے بیٹے کی تابعداری کرو۔ ایک اور روایت میں اس قدر اور الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔ کہ اپنے ابن عم کی اطاعت کرو وہ تم کو خیر کی طرف بلاتا ہے۔

واقدی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ایک اور روایت جناب ابوطالب کے متعلق تحریر کی ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت علی فرماتے ہیں۔ جب ابوطالب فوت ہو گئے تو میں نے ان کے انتقال کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچائی آپ اس خبر کے سنتے ہی نہایت متاسف ہوئے اور آنسو نکل پڑے پھر آپ نے فرمایا۔ کہ اے بھائی جاؤ۔ ان کو غسل اور کفن دو۔ اللہ تعالیٰ ان کو بخشے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ فداہ اُمّی وابی۔ کیا آپ ابوطالب کی بخشش کی اُمید رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ کی قسم مجھے ان کی بخشش کی اُمید ہے۔ اس کے بعد آپ کتنے ہی دن گھر سے باہر نہیں نکلے۔ اور ابوطالب کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہے۔

بعض روایات سے اس قدر اور پتہ ملتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوطالب کے جنازے پر بھی تشریف لے گئے۔ اور بنی اعمام سے تنازع کیا۔ اور فرمایا کہ اے چچا جان میں آپ سے صلۂ رحم بجا لایا۔ اور اللہ تم کو جزائے خیر دے۔

عن عباس قال لما تقارب من ابی طالب الموت نظر العباس الیہ یحرک شفتیہ فاصغی الیہ فقال یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ بہا۔ یعنے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب ابوطالب کی موت کا وقت آیا۔ تو عباس نے اس کی طرف دیکھا۔ کہ اپنے لبوں کو ہلا رہا ہے۔ پس عباس نے ابوطالب کے لبوں پر اپنے کان رکھ دئے۔ اور کہا۔ کہ اے ابن اخی (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تحقیق خدا کی قسم جس کلمے کا آپ نے ابوطالب کو حکم دیا ہے۔ میرے بھائی نے وہی کلمہ یعنے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا ہے۔

اس روایت کو شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے بھی مدارج النبوۃ میں اسطرح لکھا ہے کہ "ابن عباس گفتہ کہ چوں قریب شد موت ابوطالب نظر کرد عباس

ببوئے وے دوید کہ می جنبانید لبہائے خود را پس گوش نہاد ببوئے او پس گفت با آنحضرت یا ابن اخی واللہ تحقیق گفت برادرِ من کلمہ را کہ امر کر دی تو او را بدان کلمہ

ان تمام روایات سے جو اوپر درج کی گئی ہیں۔ جناب ابوطالب کا ایمان لے آنا ثابت ہوتا ہے۔ اور تمام ائمہ کرام اہل بیت علیہم السلام بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ابوطالب ایمان کے ساتھ اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور باقی تمام روائتیں جو آپکے ایمان کے برخلاف ہیں غیر معتبر ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کو ثقتہ الحفاظ ابو الکرام عبدالسلام بن محمد بن حسن اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: اتفق ائمہ اہل البیت ان ابا طالب مات مسلما و خلاف اہل البیت فی الاسلام غیر معتبر یعنی تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جناب ابوطالب مسلمان ہو کر فوت ہوئے تھے۔ اور جس قدر روایات ان کے اسلام کے متعلق اہلبیت کے برخلاف ہیں۔ وہ سب غیر معتبر ہیں۔

ابوطالب نے ایام جاہلیت میں ہی اپنے باپ عبدالمطلب کی طرح شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ اور آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی ہی سچی محبت اور ہمدردی تھی جیسے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب اور دیگر جان نثاران کو آپ سے تھی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمان رب اکبر یٰایُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ کی تکمیل میں عوام الناس کو دعوت اسلام دی۔ اور کفر و طغیان۔ فسق و فجور کے باعث عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ بتوں کی توہین و تضحیک علانیہ شروع کی۔ تو قریش کی آتش غضب کا شعلہ بھڑکا۔ اور انہوں نے آنحضرت صلعم اور آپ کے رفقا کو نشانہ مشق ستم بنانا شروع کیا۔ اور انواع و اقسام کی ایذا دہی پر کمر باندھ لی۔ ایسے نازک وقت میں جب کہ ہر چہار اطراف سے دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے اور (نعوذ باللہ من ذالک خاکم بدہن) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہلاکت کی تجویزیں سوچی جا رہی تھیں اور بد اندیش دشمن ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے اللہ تعالٰے کے بعد صرف ابو طالب ہی آپ کی حمایت پر مستعد تھے۔ اور دشمنوں کی ہر کوشش بعونہ تعالٰے بیکار کر دیا کرتے تھے۔ کئی بار وصیت کو جو کفالت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھی۔ باحسن وجوہ پورا کیا۔ رات کو اٹھ اٹھ کر تلوار برہنہ ہاتھ میں لئے چشم و چراغ رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

وصیت کو جو کفالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھی باحسن وجوہ پورا کیا رات کو اٹھ اٹھ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے چشم وچراغ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محافظت کرتے تھے۔ دشمنوں کی ایذا رسانی کے خوف سے رات کو کئی دفعہ سونے کی جگہ بدلواتے تھے۔ چنانچہ مشہور ومحدث علی بن برہان الدین شافعی انسان العیون میں ابوطالب کی ہمدردی الفت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔ وکان ابو طالب فی کل لیلۃ یامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس اقامتہ وامرا احد بنیہ او غیرہم من اخوانہ وابن عمہ ان یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یغتالہ احد ممن یرید بہ السوء" یعنے ابوطالب ہر رات رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستر پر سونے کے لئے کہتے۔ اور جب لوگ سو جاتے تو آپ کو وہاں سے اٹھا کر اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا چچا کے بیٹے کو آپکے بستر پر اس خوف سے سلاتے کہ مبادا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ غرض ہر حالت اور ہر حال میں ابوطالب نے آپ کی حمایت اور کفالت کی۔ جب تک زندہ رہے۔ سفر میں حضر میں اپنی نظروں کے سامنے رکھا۔ خود تکلیف اٹھائی لیکن دُر یتیم پیارے بھتیجے **محمد** مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچنے دی۔ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ سے کمال الفت تھی۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی وفات کے سال کا نام عام الحزن رکھا اور آپ بہت کچھ متاسف بھی ہوئے۔ ابوطالب کی ہمدردی کا بہت کچھ حال کتاب **خاتم النبیین** میں حوالہ قلم کیا جا چکا ہے۔ اس لئے بخوف طوالت جناب ابوطالب کی ہمدردی الفت کے واقعات کو قلم انداز کر کے صرف آنحضرت صلعم کی ایک حدیث شریف پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے ناظرین پر جناب ابوطالب کی ہمدردی الفت وجان نثاری کا حال خود بخود منکشف ہو جائیگا **حدیث شریف** عن ہشام بن عروہ عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما نالت منی قریش شیئا اکرہ حتی مات ابو طالب اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ہمیں قریش سے اس وقت کوئی تکلیف (مکروہ امر) نہیں پہنچی۔ جب تک کہ ابوطالب زندہ رہے جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ ماجدہ کا اسم مبارک فاطمہ بنت

اسد بن ہاشم بن عبد المناف ہے اور آپ سب سے پہلی ہاشمیہ عورت ہیں جو ہاشمی مرد جناب ابوطالبؓ لدامیر المومنین خلیفہ چہارم کے عقد نکاح میں آئیں۔ اسلئے جناب امیر علیہ السلام ایسے اوّل ہاشمی ہیں کہ جن کے ماں اور باپ دونوں ہاشمی تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد رسول اللہ صلعم کی رسالت پر ایمان لائیں اور سارے مورخ آپکے اسلام پر متفق الرائے ہیں۔ آپ سابقات فی الاسلام میں سے تھیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت میں بھی شریک تھیں آنحضرت صلعم آپ کو اپنی والدہ کے برابر سمجھتے تھے۔ اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب جناب فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہوا۔ تو آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور ان کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر فرمایا۔ کہ اے میری محترم ماں۔ میری ماں کے بعد تو میری مادر مہربان تھی۔ خود بھوکی رہی۔ مجھے اچھا کھانا کھلایا۔ خود پیاسی رہی۔ مجھے ٹھنڈا پانی پلایا۔ خود ننگی رہی لیکن تُو نے مجھے اچھا کپڑا پہنایا۔ اور تو خاص خدا اور آخرت کے لئے مجھ سے یہ سلوک کرتی تھی اسکے بعد آپنے غسل کا حکم دیا اور کافور سے ملے ہوئے پانی کے ساتھ غسل دلوایا۔ پھر اپنا پیراہن مبارک ان کو پہنایا غسل سے فراغت پاکر حضرت عمرؓ بن خطاب ابو ایوب انصاریؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کو قبر کھودنے کا حکم دیا۔ اور لحد خود اپنے دست مبارک سے کھودی اور قبر کے تیار ہو جانے پر اوّل خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں لیٹ گئے۔ پھر باہر نکل کر جناب صدیق اکبرؓ اور عباسؓ کو حکم دیا۔ کہ وہ جناب فاطمہ بنت اسد کو لحد میں اتاریں۔ جب میت کو لحد میں اتار اگیا، تو آپنے یہ دعا پڑھی۔ کہ اے میرے پروردگار میری والدہ فاطمہ بنت اسد کی قبر کو کشادہ کر۔ اس کی مغفرت کر اور منکر و نکیر کے سوالات کے جواب کی تلقین فرما۔ بہ طفیل جملہ انبیاء کرام کے۔

اسی طرح کی اور روایات بھی قدرے اختلاف کے ساتھ دیگر صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس قدر الفاظ اور اضافہ کئے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود قبر میں لیٹ کر باہر نکلے۔ تو صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو معاملہ آپنے فاطمہ بنت اسد کے ساتھ کیا ہے

آجتک اور کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ابو طالب کے بعد میرا ان سے زیادہ اور کوئی شخص مہربان نہیں تھا۔ اور قبر میں اس لئے لیٹا تھا۔ کہ عذاب قبر ان پر آسان ہو جائے پیراہن اس لئے ڈالا ہے کہ اللہ تعالے ان کو جنت کی پوشاک نذیب تن کرائے ؛

پیدائش و تربیت

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۲۳ ؍ رجب اتوار کی رات کو ظہور نبوت سے بارہ سال اور بقول بعض دس سال قبل عین خانہ کعبہ میں ہوئی۔ اور اس سے پیشتر آجتک کوئی شخص خدا کے گھر یعنے بیت الحرام میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور نہ آیندہ کوئی ہو گا۔ یہ شرف صرف آپ کو ہی حاصل ہوا اور جیسے کہ پیشتر لکھا گیا ہے۔ آپ اول ہاشمی ہیں۔ جسکے ماں اور باپ دونوں ہاشمی تھے آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی ہیں کہ حالانکہ میں جناب علی علیہ السلام سے حاملہ تھی لیکن مجھے کبھی بھی کوئی تکلیف یا بوجھ محسوس نہیں ہوا۔ اور نہ ہی وقت لاحق ہوا کرتی ہے۔ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ کہ دفعتہً کچھ خفیف سی درد محسوس ہوئی۔ میں وہیں بیٹھ گئی۔ کہ اتنے میں جناب شیر خدا علی المرتضےٰ پیدا ہوئے کسی عربی شاعر نے آپ کی تعریف میں ایک شعر کہا ہے ؎

ولدتہ فی الحرم المعظم اُمّہ   طابت وطاب ولیدہا والمولد

یعنے جنا ان کو ان کی ماں نے حرم محترم میں۔ پس پاک اور پاکیزہ ہے وہ ماں اور پاک ہے۔ بیٹا۔ اور پاک ہے۔ اس کی جائے ولادت ؛

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ عالم ارواح سے عالم آب و گل میں جلوہ فرما ہوئے۔ اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی۔ پیدائش کا حال سنتے ہی آپ فوراً تشریف لائے۔ اور اپنے چچا ابو طالب کو مبارک دے۔ کر مولود مسعود کو غسل دیا۔ اور علیؓ نام رکھا۔ پھر آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت علیؓ کے منہ میں ڈالا۔ جس کو چوستے آپ سو گئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اٹھا لیا۔ اور

اور فاطمہ بنت اسد اور ابو طالب کے ساتھ گھر تشریف لے آئے۔ خوش اعتقادوں نے جو اپنے آپ کو محب اہل بیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

آپ کی پیدائش کے متعلق عجیب و غریب روایات اور بے شمار مبالغہ آمیز حکایات سے کام لے کر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ ہمارا مقصد اس وقت محض جناب امیر رضی اللہ عنہ کے صاف صاف اور با ترتیب حالات زندگی کا پیش کرنا ہے۔ کسی سے مجادلہ و مناظرہ منظور خاطر نہیں۔ اور نہ ہی ہم اس ناگوار بحث میں اُلجھنا چاہتے ہیں آپ کی پیدائش کو کیا یہ فضیلت کم ہے۔ کہ آپ عین بیت الحرام میں پیدا ہوئے۔ ؎

چو خواست مادرش از بہر زادنش جائے ۔۔۔ درون خانۂ خویشش بداد جا جبّار

آپ کی پرورش اور تربیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہوئی۔ آنحضرتؐ ہر حال میں آپ کے نگران اور خبر گیر تھے۔ ابھی آپ نہایت خورد سال ہی تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ کو اپنے گھر لے آئے۔

عن ابی الحجاج مجاہد بن جبیر قال کان من نعمۃ اللہ علی علی و مما اراد اللہ بہ من الخیر ان قریشا اصابتہم ازمۃ شدیدۃ و کان ابو طالب ذا عیال کثیرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لعمہ العباس و کان من الیسر بنی ہاشم یا عم ان اخاک ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری فانطلق بنا الیہ فلنخفف من عیالہ خذ من بنیہ احدا فنکفلہما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا ابا طالب فقالا انا نرید ان نخفف عنک من عیالک حتے ینکشف عن الناس ما ہم فیہ فقال لہما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما فاخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم حتے بعثہ اللہ عزوجل بنیا فاتبعہ و آمن بہ و صدقہ

اس تمام عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ ابو الحجاج مجاہد بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے حق میں اللہ تعالےٰ کی نعمت تھی۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ کہ مکہ میں سخت قحط پڑا۔ چونکہ جناب ابو طالب کثیر العیال تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے جو ان دنوں تمام بنی ہاشم میں مالدار تھے۔ جا کر کہا کہ اے چچا جان۔ آپ کو معلوم ہے کہ لوگوں پر کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے۔ ابو طالب عیالدار ہیں۔ آپ میرے ہمراہ چلیں تاکہ

ان کا عیال بانٹ لیں۔ ایک لڑکا آپ لے لیں۔ ایک میں لے لوں گا۔ اور ان کا خرچ برداشت کرینگے۔ عباس رضؓ نے کہا کہ بہت بہتر چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے چچا عباسؓ دونوں جناب ابوطالب کی خدمت میں گئے۔ اور کہا کہ ہم آپ کے سر سے عیال کے بوجھ کو کسی قدر ہلکا کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ قحط کی مصیبت دور ہوجائے۔ ابوطالب نے کہا کہ عقیل کو میرے لئے رہنے دو۔ اور باقی عیال جس طرح چاہو۔ بانٹ لو۔ چنانچہ عباسؓ نے جعفر کو لے لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو لے لیا۔ آپ ہمیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہے۔ آخرکار اللہ تعالےٰ نے آپ کو نبی مقرر کیا ہے۔ اور جناب امیر علیہ السلام نے آپ کی اطاعت اور تصدیق کی۔

اس وقت جبکہ آنحضرت صلعم آپ کو اپنے گھر لے آئے آپ کا سن شریف پانچ سال کا تھا۔ اس سے پیشتر بھی جب کہ آپ ابھی حالت مہد ہی میں تھے۔ آں حضرت صلعم آپ کو نہایت پیار کرتے تھے۔ بسا اوقات اپنی زبان کو آپ کے منہ میں ڈال دیتے۔ جس کو جناب امیر علیہ السلام چوستے رہتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خود آپ کو نہلاتے کپڑا پہناتے۔ آپ کی گہوارہ جنبانی کرتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بیان کرتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوگئی اور دودھ خشک ہوگیا۔ میں متردد تھی۔ کہ میرا بچہ کمزور ہو جائیگا۔ کہ اتنے میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے مجھے متردد دیکھکر فرمانے لگے۔ اماں جان تم اس قدر ملول واندوہگین کیوں ہوگئیں۔ میں نے دودھ کے خشک ہوجانے کی وجہ سے علیؓ کے کمزور ہوجانے کا بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اماں جان کچھ غم فکر نہ کرو یہ کہکر حضرت علی کو اٹھا لیا۔ اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں دے دی۔ جس کو آپ چوستے رہے۔ اور ایک مدت تک یہی حال رہا۔ اللہ تعالیٰ کی شان آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ہی آپ کی رضاعت ہوتی رہی۔ اور ماشاءاللہ آپ کی صحت بھی نہایت عمدہ رہی۔ جوں جوں آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی۔ طاقت اور توانائی میں غیر معمولی طور پر حیرت انگیز زیادتی ہوتی جاتی تھی۔

۸۶۲۰

امیر علیہ السلام کے اسمائے

علی

جب جناب امیرؑ تولد ہوئے تو ابو طالب آپ کو دیکھنے کے لئے بڑھا۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا۔ کہ تم نے مولود کا کیا نام رکھا۔ جناب فاطمہ بنت اسد نے عرض کیا۔ کہ میں نے اپنے والد کے نام پر بچے کا نام اسد رکھا ہے تب ابو طالب نے کہا کہ نہیں۔ ان کا نام ہمارے جد امجد قصی بن کلاب کے نام پر زید ہونا چاہئے ابھی والدین کوئی نام نہ رکھنے پائے تھے۔ اور آپس میں تجویزیں ہی کر رہے تھے۔ کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا۔ کہ مولود مسعود کا کیا نام رکھا ہے۔ جناب ابطالب نے عرض کی کہ والدہ اسد نام رکھنا چاہتی ہے اور میں اپنے مورث اعلیٰ قصی بن کلاب کے نام پر زید نام رکھنا پسند کرتا ہوں۔ تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ ان کا نام علیؑ رکھنا چاہئے علیؑ کا نام سنتے ہی آپ کی والدہ نے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی قسم میں نے بھی ایک دن ہاتف سے یہی نام سنا تھا۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ آپکے والدین نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ کہ اے پروردگار اس بچے کے اسم مبارک کے متعلق جو کچھ تیری مرضی ہو۔ اس سے ہمیں مطلع فرما۔ ناگاہ ہاتف غیب نے آواز دی کہ اس کا نام علی ہے اور علی مشتق ہے۔ العلی سے جو اللہ تبارک تعالیٰ کا نام ہے۔ ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے۔ جب آپ عالم وجود میں جلوہ فرما ہوئے تو آپکے والد مکرم جناب ابو طالب نے بیت الحرام کے پردے کو تھام کر کہا کہ اے اندھیری رات اور چمکتی صبح کے مالک اپنی رضا ظاہر فرما۔ کہ اس لڑکے کا کیا نام ہونا چاہیئے ابھی جناب ابو طالب ندا سے فارغ ہی ہوئے تھے۔ کہ پردہ غیب سے ندا آئی کہ آسمان پر اس کا نام علی ہے۔ اور وہ العلی سے جو اللہ تعالےٰ کا بزرگی والا نام ہے تمام دنیا میں سب سے پہلے صرف آپ کا اسم مبارک ہی علی (بلند مرتبہ) رکھا گیا جس طرح کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک محمدؐ رکھا گیا تھا۔ اور ان سے پیشتر اور کسی کا نام احمد یا محمد نہیں تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایام حمل میں جب آپ کی والدہ ماجدہ بت ہبیل کے پوجنے کے لئے جاتیں - اور سجدہ کرنے لگتیں - تو جناب امیرؑ ان کے پہلو کی طرف چڑھ جاتے - اور والدہ کو سجدہ کرنے سے روک رکھتے اسلئے آپ کا نام علیؑ رکھا گیا - بعض لوگ کہتے ہیں - کہ ولادت کے وقت ہی آپ کی والدہ ماجدہ نے ہاتف غیب کے ارشاد کے موجب آپ کا نام علیؑ رکھا تھا۔

اسد - بمعنی شیر - ابن اعرابی اور چند ایک دیگر حضرات کا قول ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام فی الحقیقت اسد ہی رکھا تھا - اور جناب ابوطالب اس وقت پاس موجود نہیں تھے جب آپ کے والد گھر میں تشریف لائے - اور انہوں نے بچے کا نام پوچھا تو آپ کی والدہ نے بتلایا - کہ میں نے اپنے والد کے نام پر اس کا نام اسد رکھا ہے - تاکہ میرے باپ کا نام زندہ رہے ۔

حیدر - اس نام کے معنے بھی شیر ہیں - اس نام کے متعلق بھی مختلف روایات ہیں چنانچہ ایک روایت اس طرح پر ہے کہ ایک دن جناب ابوطالب گھر میں نہیں تھے - اور آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو تنہا چھوڑ کر کہیں باہر چلی گئیں اتنے میں ایک طرف سے ایک سانپ نکلا - آپ نے سانپ کو دیکھتے ہی حالانکہ آپ ابھی شیر خوار تھے - سانپ کو پکڑ لیا - اور اس مضبوطی سے پکڑا کہ سانپ ہاتھ ہی میں مر گیا جب آپ کی والدہ نے آکر اس حال کو دیکھا تو کہا اے میرے حیدر (شیر) خدا تجھے سلامت رکھے اس دن سے آپ کا نام حیدر مشہور ہو گیا ۔

بعض لوگ اس نام کی وجہ آپ کے ایک رجزیہ شعر کو قرار دیتے ہیں - جو آپ نے دشمن کے مقابلہ پر پڑھا تھا - جس کا مطلب یہ ہے - کہ میں وہ ہوں جس کا نام میری والدہ نے حیدر (شیر) رکھا ہے - لیکن حافظ علی بن برہان الدین الشافعی اس شعر کو ایک کشفی امر قرار دیتے ہیں - اور کہتے ہیں - کہ آپ نے خیبر میں مرحب کے مقابلے پر اس کو رات کے خواب کے متعلق مرعوب کرنے کے لئے وہ شعر پڑھا تھا - کیونکہ مرحب نے خواب دیکھا تھا - کہ اس کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا ہے - اور جو حضرت امیرؑ کو خداوند قدوس نے اپنی قدرت کاملہ سے بتلا دیا تھا ۔

کنیت!

ابوالحسن و ابوالحسین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ابوالحسن کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ جناب امیرؑ نے فرمایا ہے۔ کہ امام حسن علیہ السلام آپ کو ابو الحسین اور جناب مظلوم کربلا امام حسینؑ آپ کو ابوالحسن کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کو اپنا باپ جانتے تھے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دار فانی سے رحلت فرمائے دار البقا ہوئے تو حسنین نے بھی مجھے ابوالحسن یا ابوالحسین کی کنیت سے بلانا ترک کر دیا؛

ابوالریحانتین۔ خوارزمی لکھتے ہیں۔ کہ جناب جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام سے معتبر روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم نے آپ کو ایک دن اس طرح مخاطب کیا کہ السلام علیک یا ابا الریحانتین اوصیک بریحانتی لئے الدنیا۔ فعن قریب ینہدم رکنک واللہ خلیفتی علیک۔ یعنے اے باپ دو ریحانہ احسن اور حسین کے تجھ پر میرا سلام ہو۔ میں تجھ کو دونوں (حسن وحسین) کے لئے دنیا میں وصیت کرتا ہوں۔ عنقریب تیرے دونوں رکن جاتے رہینگے۔ اور حق تعالیٰ میرا خلیفہ تجھ پر رہیگا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے انتقال فرمایا۔ تو جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ان دونوں رکنوں میں سے ایک رکن چلا گیا۔ جب جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا لخت جگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ تو جناب امیر نے فرمایا۔ کہ یہ دوسرا رکن تھا۔ جس کے منہدم ہونے کی سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی

ابومحمدؐ۔ یہ بھی آپ کی ایک کنیت ہے۔ اور اس کنیت سے بھی بعض لوگ جناب امیر علیہ السلام کو پکارا کرتے تھے۔ ابن حنفیہ کا نام محمد تھا۔ جس کی بشارت جناب امیر علیہ السلام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی؛

ابوتراب۔ یعنی مٹی کا باپ۔ یہ کنیت آپکو بہت پیاری تھی۔ اگر کوئی شخص آپ

کو "یا ابوتراب" کہہ کر پکارتا۔ تو آپ بہت خوش ہوتے تھے۔ اس کنیت کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ ایک دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ جناب فاطمۃ نہایت غمناک اور اداس بیٹھی ہیں۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا۔ اور پوچھا کہ جناب علیؓ کہاں ہیں۔ جناب سیدہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دونوں میں کچھ شکر رنجی سی پیدا ہوگئی ہے۔ جناب علیؓ آج سارا دن گھر تشریف نہیں لائے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو آپ کی تلاش میں بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد آکر اس آدمی نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ فداہ اُمّی وابی جناب علیؓ مسجد میں استراحت فرما رہے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اس خبر کے سنتے ہی مسجد میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ جناب امیر مزے کی نیند سو رہے ہیں۔ چادر پہلو سے کھسک چکی ہے اور پہلو مبارک خاک آلود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپکے بدن سے مٹی صاف کرتے جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ "قُم یا ابا تراب قُم"۔ یعنے اُٹھ اے مٹی کے باپ اُٹھ۔

دوسری روایت میں اس کنیت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلعم ہجرت فرمائے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تو آپنے مہاجرین انصار کا عقد مواخات قایم کیا اور ایک کو دوسرے کا بھائی بنادیا لیکن جناب امیر کو کسی کا بھائی نہ بنایا۔ تب جناب امیر اداس ہو کر علیحدہ جا کر زمین پر لیٹ گئے اور سو گئے۔ ہوا کے چلنے کے باعث آپ کا بدن مبارک گرد آلود ہوگیا۔ آپ ابھی سو ہی رہے تھے کہ جناب سرورِ کائنات مفخر موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے آکر جگا دیا۔ اور آپکے بدن کو گرد آلود دیکھ کر فرمایا۔ کہ تم نے ابوتراب بننے میں کیا مصلحت دیکھی۔ اور پھر فرمایا۔ کہ میں نے مہاجرین والانصار میں رشتہ اخوت قایم کیا۔ اور تجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا۔ اس لئے کہ تو میرا بھائی ہے۔ کیا تو راضی نہیں ہے کہ تو مجھ سے ایسا ہو۔ جیسے ہارون موسیٰ علیہ السلام سے۔ لیکن افسوس کہ موسےٰ کے بعد تو نبی تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ تجھ سے محبت کرنے والا مامون ومصون اور بغض رکھنے والا مردود و ملعون ہوگا۔ اس دن کے بعد آپ کی کنیت

ابو تراب مشہور ہو گئی +

ابو السبطین ۔ سبط رسول حسنین علیہم السلام کا باپ ہونے کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو السبطین مشہور ہوئی +

القاب

المرتضےٰ ۔ سب سے زیادہ مشہور لقب آپ کا مرتضیٰ ہے جس کے معنے پسندیدہ کے ہیں۔ کفایۃ الطالب میں ابن یوسف اور خوارزمی لکھتے ہیں۔ عن علی قال خرجت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات یوم نمشی فی طرقات المدینۃ اذ مرنا بنخل من نخلہا فصاحت نخلۃ باخری ہذا النبی المصطفےٰ و ہذا علی المرتضےٰ ثم جزناہا فصاحت ثانیۃ لثالثۃ ہذا موسےٰ واخوہ ہارون۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں جا رہا تھا۔ کہ ہم ایک نخلستان میں سے گزرے۔ ایک نخل نے دوسرے نخل سے پکار کر کہا کہ یہ نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور یہ علی المرتضےٰ ہیں۔ ہم آگے نکل گئے۔ تو پھر ایک دوسرا نخل تیسرے سے کہنے لگا۔ کہ یہ موسیٰ ہیں۔ اور یہ ان کے بھائی ہارون ہیں +

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ اور فرمایا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم نے پسند کیا۔ حضرت علی کو واسطے سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے اسی دن سے آپ کا لقب مرتضےٰ مشہور ہوا۔

اسد اللہ ۔ یعنے خدا کا شیر۔ آپ کا یہ لقب بھی ویسا ہی مشہور ہے جیسے کہ لقب المرتضےٰ مشہور خاص وعام ہے۔ چونکہ آپ شجاعت وبہادری میں مثل نہ رکھتے تھے۔ اللہ تبارک تعالےٰ نے آپ کو بے مثل قوت وطاقت عطا فرمائی تھی اس لئے آپ کا یہ لقب مشہور ہوا۔ عن ابن عباس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم صعد المنبر فخطب الناس نحمد اللہ واثنی علیہ فوعظ وخوف وحذر ثم بکی وقال این علی ابن ابی طالب فوثب علی قائماً علے قدمیہ

فقال ہا انا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ادن منی فدنی عنہ فضمہ الی صدرہ وقبل بین عینیہ و بکی حتٰی سالت دموعہ علی خدہ. وقال باعلی صوتہ یامعشر المسلمین ہذا علی ابن ابی طالب ہذا شیخ المہاجرین والانصار ہذا اخی وابن عمی وختنی ہذا لحمی ودمی ہذا ابو السبطین الحسن والحسین سیدی شباب اہل الجنۃ ہذا مفرج الکرب عنی ہذا اسد اللہ فی ارضہ وسیف المسلول علی اعدائہ فلی مبغضیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ واللہ منہ بریٔ وانا منہ بریٔ فمن احب ان یبرأ من اللہ ومنی فلیبرأ منہ فلیبلغ الشاہد منکم الغائب یعنے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے۔ اور خطبہ پڑھ کر خدا کی حمد وثنا کے بعد وعظ فرمایا۔ لوگوں کو خوف آخرت کا دلایا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ پھر رونے لگے اور فرمایا۔ کہ علی ابن ابی طالب کہاں ہیں۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ جھٹ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں حاضر ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بُلایا۔ نزدیک آنے پر آپ نے امیرؓ کو سینے سے لگایا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور رونے لگے۔ یہاں تک کہ اشک جاری ہوگئے۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ اے مسلمانوں یہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ یہ شیخ المہاجرین والانصار ہیں۔ یہ میرے بھائی۔ میرے چچا کے بیٹے میرے داماد۔ میرا گوشت اور میرا خون ہیں۔ یہ ابو السبطین یعنی حسن و حسین کے جو جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ باپ ہیں۔ یہ مجھ سے تکلیف کو دور کرنے والے خدا کی زمین پر اللہ کے شیر ہیں۔ اس کے دشمنوں کے واسطے اس کی ننگی تلوار ہے۔ ان کے دشمنوں پر فرشتوں کی لعنت۔ اللہ ان کے دشمنوں سے بیزار ہے۔ میں اُن سے بیزار ہوں۔ پس اگر کوئی شخص خدا اور رسول کی بیزاری کا خواہشمند ہے۔ وہ ان سے بیزاری اختیار کرے۔ تم سب حاضرین میں سے ہر ایک کا فرض ہے۔ کہ غائبین کو اس امر سے واقف کر دے ؏

جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبے میں مندرجہ بالا ارشاد فرمایا۔ اس دن سے آپ کا لقب اسد اللہ پڑ گیا۔ اسی دن سے اسد اللہ کے ساتھ ساتھ شیخ المہاجرین والانصار بھی آپ کا لقب پڑگیا ؏

✦ ✦ ✦

ایک روایت میں اس طرح پر آیا ہے۔ کہ جب جنگ خیبر میں داد شجاعت دیکر قلعہ کو مسخر کرلیا اور اس دروازے کو جس کو چالیس آدمی بھی ہلانے سے معذور ثابت ہوئے تو آنحضرتؐ نے اسوقت آپ کو اسد اللہ کے لقب سے ممتاز فرمایا۔

امیر المؤمنین یعنے مومنوں کا امیر۔ آپ کے اس لقب کے متعلق بھی بہت سی روایات مروی ہیں۔ جن میں سے چند ایک ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱۔ عن مولے علی قال کنت مع علی فی الارض له وهو یحرثها حتے جاء ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما فقال السلام علیک یا امیر المؤمنین و رحمۃ اللہ و برکاتہ فقیل کنتم تقولون فی حیات النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ذلک فقال عمرؓ ہوامرنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ ان کی زمین کاشت کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں جناب صدیق اکبر و فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہما ان سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور السلام علیک یا امیر المؤمنین و رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر آپ کو سلام کیا۔ کسی نے ان سے دریافت کیا۔ کہ کیا۔ آپ جناب رسول خدا سرور کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں بھی اسی طرح سلام کیا کرتے تھے۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہی ہم کو اس طرح ارشاد فرمایا تھا۔

۲۔ عن انسؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم فی بیت ام حبیبۃ بنت ابی سفیان فقال یا ام حبیبۃ اعتزلینی فانا علی حاجۃ ثم دعا بوضوء فاحسن الوضوء ثم قال ان اول من یدخل ہذا الباب امیر المؤمنین وسید العرب خیر الوصیین و اولی الناس بالناس قال انس فجعلت اقول اللہم اجعلہ رجلاً من الانصار فاذا ہو علی ابن ابی طالبؓ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ام حبیبہ* تھوڑی دیر کے لئے ہمیں ایک ضروری کام ہے آپ علیحدہ ہو جائیں پھر آپ نے اچھی طرح وضو کیا۔ اور فرمایا۔ کہ جو شخص سب سے پہلے اس دروازے میں سے گزریگا۔ وہ مومنین کا امیر عرب کا سردار اور تمام وصیوں سے بہتر اور جملہ عوام سے افضل ہوگا۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے سننے پر میں دعا کر رہا تھا۔ کہ یا اللہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ

* بنت ابو سفیان کے گھر تشریف فرما تھے کہ آپ نے ام حبیبہ سے فرمایا۔ کہ اے ام حبیبہ تھوڑی دیر

علیہ وآلہ وسلم مؤمنین کا امیر، عرب کا سردار، اور سب سے بہتر و افضل فرماتے ہیں وہ انصار میں سے ہو۔ کہ دفعتہً جناب علی کرم اللہ وجہہ تشریف آور ہوئے۔

۳۔ عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی صحن الدار نائماً واذا راسہ فی حجر دحیۃ الکلبی فدخل علی فقال السلام علیک کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال بخیر قال دحیۃ انی لاحبک وان لک مدحۃ ازفہا الیک انت امیر المؤمنین وقائد الغر المحجلین انت سید ولد آدم ما خلا النبیین والمرسلین لواء الحمد بیدک یوم القیامۃ نزف انت وحزبک مع محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وحزبہ الی الجنان فادقد افلح من تولاک وخسر من تخلاک محبو محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوک ومبغضوا محمد مبغضوک لن ینالہم شفاعۃ محمد صلے اللہ وآلہ وسلم ادن منی یا صفوۃ اللہ فاخذ راس النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوضعہ فی حجرہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما ہذا الہمہمۃ فاخبر الحدیث قال لم یکن دحیۃ الکلبی کان جبرئیل سماک باسم سماک اللہ بہ ہو والذی القی محبتک فی صدور المؤمنین ورہبتک فی صدور الکافرین۔

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ اس حدیث مندرجہ بالا کے راوی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر کے صحن میں دحیۃ الکلبی کے آغوش میں سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ تشریف فرما ہوئے۔ اور بعد از سلام سُنت اسلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج کا حال پوچھا۔ دحیۃ الکلبی نے کہا۔ کہ خیریت ہے پھر کہا۔ کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں آپ کے چند فضائل مجھے معلوم ہیں۔ جو میں آپ سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ آپ تمام مومنین کے امیر سفید ہاتھ پاؤں اور موُنھ والوں کے پیشوا اور سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام لوگوں کے سردار ہیں۔ قیامت کے دن لواء الحمد آپ ہی کے دست مبارک میں ہوگا۔ آپ کا گروہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے گروہ کے ساتھ جنت میں سیر کریگا۔ تحقیق وہ شخص مخلصی حاصل کرے گا۔ جس نے آپ سے تولا رکھی۔ اور جس شخص نے آپ سے علیحدگی اختیار کی تحقیق وہ آدمی سخت نقصان میں پڑ گیا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست آپ کے دوست اور آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ آپ کا دشمن ہے۔ جناب رسالت پناہ کی شفاعت ہرگز ہرگز اس کو نصیب نہ ہوگی۔ اے مقبول خدا میرے پاس تشریف لا۔ جب جناب علی کرم وجہہ دحیتہ الکلبی کے قریب گئے۔ تو انہوں نے سردار دین و دنیا محبوب خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کو جناب علی کی آغوش میں رکھ دیا۔ اتنے میں جناب سرور کائنات صلعم بیدار ہوئے اور فرمایا۔ کہ کیا بات ہے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے دحیتہ الکلبی والا سارا ماجرا سنا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اے علی دحیتہ الکلبی نہیں بلکہ جبرائیل تھے۔ اور اس لئے آئے تھے۔ کہ جن ناموں سے خداوند بزرگ و برتر نے آپ کو بزرگی دی ہے۔ وہ تمہیں بتائے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ نے مومنین کے دلوں میں تمہاری محبت اور کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت ڈال دی ہے ؛

قائد الغر المحجلین۔ یعنے نورانی ہاتھ پاؤں اور منہ والوں کے پیشوا حدیث مندرجہ بالا سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو دحیتہ الکلبی کی شکل میں بھیجا۔ اور انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کو قائد الغر المحجلین کے نام سے مطلع کیا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس القاب سے بزرگی دی ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں شب معراج میں اللہ تعالےٰ سے ہمکلام ہوا۔ تو خداوند اکبر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تین خطاب امیر المومنین امام المتقین اور قائد المحجلین القا فرمائے جناب رسالت مآب صلعم کی حدیث شریف یہ ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ان اللہ تبارک وتعالےٰ اوحی فی علی ثلاثتہ اشیاء لیلتہ اسری بی بانہ سید المؤمنین وامام المتقین وقائد الغر المجلین ؛

امام المتقین۔ حدیث مندرجہ بالا کو متعدد راویوں نے انہی الفاظ میں بیان کیا ہے۔ فردوس الاخبار میں جابر بن عبد اللہ رضؓ سے ایک روایت اس طرح پر ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ خداوند عزوجل نے مجھے بذریعہ وحی ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ تمام متقیوں کے امام ہیں اسی طرح انس بن مالک سے بھی ایک روایت ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اے مسلمانوں

کے سردار اور متقیوں کے پیشوا مرحبا۔ خود جناب امیر علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے علی تم متقیوں کے امام مسلمانوں کے سردار اور نورانی ہاتھ پاؤں اور منہ والوں کے پیشوا ہو ؛

نفس الرسول آپ کے خطاب امیر المومنین کے مضمون میں جو روایات پیش کی گئی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی کو اپنا خون اور اپنا گوشت بیان فرمایا۔ ترمذی۔ نسائی اور مسلم میں جناب سعد بن ابی وقاص اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی حسنین اور سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا کو بلا کر فرمایا کہ یا آلہی یہ میرے اہل بیت ہیں اور اس آیت مباہلہ کی تفسیر میں مفسر بیان کرتے ہیں۔ کہ لفظ "انفسنا" سے جناب رسول خدا اور علی "ابنآءنا" سے جناب حسن حسین اور "ونسآءنا" سے جناب سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا مراد ہیں ؛

جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ میں جبکہ خلیفہ کا انتخاب عمل میں آنے والا تھا۔ تمام اراکین مجلس شیدائی سے دریافت فرمایا۔ کہ میں تم سب سے اللہ تعالےٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کہ میرے سوا کوئی اور ایسا شخص تم میں موجود ہے۔ جو آن حضرت صلعم سے قرابت قریبہ رکھتا ہو۔ اور جس کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے اپنی جان قرار دیا ہو۔ یا کسی کے بیٹوں کو اپنا بیٹا بتایا ہو۔ سب نے باتفاق کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی قسم سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے ؛

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں ذات السلاسل سے واپس مدینہ منورہ میں پہنچا۔ تو میرا قیاس تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کی نظروں میں مجھ سے بڑھ کر اور کوئی شخص عزیز نہ ہوگا۔ چنانچہ اسی خیال سے میں نے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ یا رسول اللہ فداہ امی وابی آپ کو سب سے زیادہ کونسا شخص عزیز ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ عائشہ صدیقہ رض میں نے عرض کی میں عورتوں کی بابت نہیں پوچھتا۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ

کہ عائشہ صدیقہ رضہ کا باپ ابوبکر صدیق رضہ پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضہ کے بعد کون عزیز ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ حضرت حفصہ رضہ میں نے عرض کیا۔ کہ عورتوں کی نسبت میں نہیں پوچھتا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا باپ حضرت عمر رضہ میں نے پھر سوال کیا کہ یارسول اللہ (فداہ امی وابی) صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علی کہاں گئے؟ تب آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اس شخص (عمرو بن العاص) کو دیکھو۔ کہ میری جان کی نسبت مجھ سے دریافت کرتا ہے ؎

اس حدیث سے جس کا مفہوم اوپر دیا گیا ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کو اپنی جان سمجھتے تھے ؎

باب العلم جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ انامدینۃ العلم وعلی بابھا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی رضہ شہر علم کا دروازہ ہیں۔ جو کوئی شخص علم حاصل کرنا چاہے وہ دروازے سے گزرے یعنی جو شخص میری محبت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے محبت کرے ؎

کاسر الاصنام جب مکہ معظمہ فتح ہوا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر سے تصاویر کے نقوش کو مٹایا۔ اور بتوں کو توڑا۔ اسی دن سے جناب امیر علیہ السلام کا لقب کاسر الاصنام یعنے بتوں کو توڑنے والا مشہور ہو گیا۔

صاحب اللواء۔ ابو سعید خدری رضہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ یا علی تم مجھ کو غسل دو گے۔ اور تم میرے قرض کو ادا کرو گے اور مجھ کو میری قبر میں دفن کرو گے۔ اور جو کچھ میرے ذمے ہوگا تم پورا کرو گے۔ اور تم دنیا اور آخرت میں میرے صاحب علم ہو۔ (یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کہ لواء الحمد قیامت کے روز جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا ؎

صاحب الرایہ جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابی ہریرہ سے فرما رہے تھے اور میں سن رہا تھا۔ کہ اللہ تعالٰے نے مجھ سے فرمایا ہے کہ علی ہدایت کا علم۔ ایمان کا نشان اور اولیا کا امام ہے اور میرے تمام اطاعت گزار بندوں کا نُور ہے جناب علی کل بروز قیامت میرے امین اور علم بردار ہوں گے جناب علی میرے پرورگار کے خزانوں کی کلید ہیں۔ اور وہ ایک پاک کلمہ ہیں جس کو متقیوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔

ولی اللہ و صفوۃ اللہ - رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ معراج کی رات میں نے بہشت کے دروازوں پر لکھا ہؤا دیکھا ہے کہ محمدؐ خدا کا حبیب علی خدا کا دوست فاطمہ خدا کی خادمہ اور حسین خداوند تعالٰے کے برگزیدہ ہیں۔ اور ان کے دشمنوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

ان کے علاوہ جناب امیر علی کرم اللہ وجہٗ اور بے شمار القاب ہیں۔

ناصر رسول اللہ امام اولیا حجۃ اللہ منار ایمان الہادی۔ الشاہد۔ ولی المؤمنین صالح المؤمنین الشہید۔ الراکع۔ سیف اللہ۔ مثیل عیسٰے۔ مثیل ہارون۔ الصفی قاضی دین رسول اللہ۔ ذوالقرنین۔ بیضۃ البلد۔ المؤمن۔ الطاہر۔ الساقی۔ قاتل الکفار۔ امام البررہ۔ مقیم الحجہ جن کو بخوف طوالت قلم انداز کیا جاتا ہے کیونکہ ان سب کی تشریح ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و توضیح کے واسطے ایک دفتر چاہیے جس کی متحمل یہ مختصر تالیف نہیں ہو سکتی۔

جناب امیر علیہ السلام کا حلیہ مبارک

آپ کا میانہ قد مائل بہ پستی۔ دوہرا بدن سر کے بال کسی قدر اڑھے ہوئے جسم پر لمبے بال۔ گھنی داڑھی اور گندم گون تھے۔ بڑی بڑی سیاہ نورانی آنکھیں۔ خوبصورت بارعب چہرہ۔ شانہ مبارک کی ہڈی چوڑی۔ بازو بھرے ہوئے کلائیاں باریک رانوں پر گوشت اور پنڈلیاں پتلی تھیں۔ آہستہ چلتے نگاہیں ہمیشہ نیچے رہتی تھیں۔ ریش مبارک کو خضاب نہیں کیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں

یہ بھی آیا ہے۔ کہ آپ گاہے بگاہے خضاب کرتے تھے۔ لیکن عام اور صحیح روایات یہی ہیں۔ کہ آپ خضاب نہیں کیا کرتے تھے۔ جو روایات آپ کے خضاب کرنے کے متعلق ہیں ممکن ہے۔ وہ صحیح ہی ہوں لیکن اگر وہ صحیح ہیں۔ تو یہ یقینی ہے کہ آپ نے بعد میں خضاب کرنا چھوڑ دیا ہو۔

جناب امیر علیہ السلام کے فضائل

آپ کی شان نہایت ارفع و اعلیٰ ہے حضرات شیعہ تو جناب امیر علیہ السلام کو بعد از سید الانس و جان۔ باعث کون و مکان جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ مخلوقات سے افضل و اعلیٰ گردانتے ہیں لیکن علمائے اہل سنت والجماعت کا اس امر میں اختلاف ہے۔ کہ بعد سید المرسلین شفیع المذنبین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون افضل ہے اکثر لوگ تو ترتیب خلافت کے لحاظ سے فضیلت بیان کرتے ہیں بعض لوگ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کو افضل سمجھتے ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی کو برابر سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ حضرت علیؑ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ترتیب خلافت کے لحاظ سے فضیلت دینا لازم نہیں ہے کیونکہ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے سے صاف صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اکثر نبی اپنے اپنے بادشاہان وقت کے ماتحت تھے۔ لیکن کوئی شخص ان بادشاہوں کو اللہ تعالےٰ کے نبیوں پر فضیلت نہیں دے سکتا۔ مثال کے طور پر طالوت بادشاہ کو ہی لیجئے جو ایک مومن اور دیندار بادشاہ وقت تھا۔ لیکن حضرت داؤد اور دیگر انبیاء علیہم السلام اس کے زیر فرمان تھے۔ خلفاء راشدین کی شان میں اکثر آیات اور احادیث وارد ہیں۔ اور وہ سب آپس میں متعارض ہیں اور سلف صالحین کا افضلیت کے متعلق اختلاف ہے۔ اس واسطے ہم قطعی حکم نہیں لگا سکتے کہ جناب رسول خدا صلعم کے بعد کون افضل ہے۔ یہ حال صرف اللہ تعالےٰ کو ہی معلوم ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر کوئی شخص علیؓ کو ابوبکرؓ سے افضل جانے تو میں اس کو منع نہیں کرتا

اگر کوئی شخص عمرؓ کو ابوبکرؓ سے افضل سمجھے۔ تو میں اس کو منع نہیں کرتا۔ بشرطیکہ وہ ان سب سے محبت رکھتا ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیائے اکرام کو تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے مصداق ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا حکم دے کر ہمیں ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے۔ اسی فرمانِ ایزدی کے ماتحت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مندرجہ بالا احادیث کے مطابق ہم صحابہ کبار میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ اور فدائے قوم مولٰنا ظفر علی خان صاحب کے قول:

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

پر اکتفا کرتے ہوئے ان آیات اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ جو آپ کی شان میں وارد ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

آیات جو آپ کی شان میں نازل ہوئیں

۱۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ترجمہ نہیں چاہتا ہے اللہ تعالےٰ مگر یہ کہ دور کرے تم سے نجاست کو اے گھر والو اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔

اس آئت شریف کا نام آیہ تطہیر ہے۔ اور یہ اہل بیت کے حق میں نازل ہوئی ہے پیشتر اس کے کہ اس آیت شریف کا شان نزول بیان کرکے جناب امیر علیہ السلام کے فضائل بیان کئے جائیں بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل بیت کی تشریح کردی جائے تاکہ قارئین کرام پر یہ امر بخوبی واضح ہوجائے کہ اہل بیت نبوی میں کون کون ذواتِ مقدسہ شامل ہیں۔ کیونکہ متقدمین اس امر میں مختلف الرائے ہیں۔

بعض کے نزدیک اہل بیت نبوئی سے مراد بنی ہاشم ہیں۔ بعض بنی قصی اور بعض تمام قریش کو اہل بیت میں شمار کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک صرف بنی عبدالمطلب مراد ہیں بعض متقدمین امہات المومنین رضی اللہ عنہا یعنے ازواج مطہرات جناب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد کو اہل بیت سمجھتے ہیں۔ اور بعض صرف آلِ عبا کو

اہل البیت شمار کرتے ہیں۔ بیشتر متقدمین اسی آخری قول کے قائل ہیں۔ کہ اہل بیت سے صرف آل عبا ہی مراد ہیں۔ اور یہی اصح قول ہے۔ جیسے کہ آگے چل کر ان احادیث کے مطالعہ سے جو آیت تطہیر کی شان نزول میں بیان کی جائیں گی۔ ثابت ہو جائیگا۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت صرف جناب علی کرم اللہ وجہہ حسنین علیہم السلام اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ ازواج مطہرات اور دیگر قریش آپکے اہل بیت نہیں ہیں جیسا کہ بعض متقدمین کا خیال ہے۔ جو لوگ بنی قصی یا تمام قریش یا بنی عبدالمطلب یا ازواج مطہرات کو اہل بیت میں شامل کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اہل بیت کی اقسام پر غور نہیں کیا۔ جو تین قسم پر مشتمل ہیں۔ اول اہل بیت نسبی دوم اہل البیت سکنی اور سوئم اہل البیت ولادت ؛

اہل بیت نسبی میں تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب داخل ہیں۔ اہل بیت سکنی ازواج مطہرات ہیں۔ اور اہل بیت ولادت میں صرف اولاد شامل ہے۔ آیہ تطہیر اہل بیت ولادت کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ باقی دونوں قسم کے اہل البیت کی نسبت اہل ولادت زیادہ قریب ہیں۔ اور عام طرز گفتگو میں جب تک دور کے لوگوں کو کسی معاملے میں شامل کرنے کی تخصیص نہ کی جائے ان کو شامل نہیں کیا جاتا۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے اس مسئلے کا حل فرما دیا ہے۔ جس کے بعد کسی کو مجال چون وچرا نہیں۔ جیسے کہ احادیث ذیل سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں

عن سعد قال لما نزل علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہذہ الآیۃ ادخل علیا وفاطمۃ وابنیہا تحت ثوبہ ثم قال اللہم ہؤلاء اہلی واہل بیتی ؛ یعنے جناب سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا) نازل ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ جناب فاطمہؓ اور ان کے دونوں بیٹوں کو اپنی چادر اوڑھا کر فرمایا۔ کہ اے میرے پروردگار یہی میرے اہل بیت اور میرے گھر کے لوگ ہیں ؛

عن زید بن حیان قال انطلقت انا وحصین بن سیرۃ وعمران بن حصین الی زید بن ارقم فلما جلسنا قال حصین لقد لقیت یا زید خیراً کثیراً رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسمعت منہ وغزوت معہ وصلیت خلفہ حدثنا یا زید ما سمعت من رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یا ابن اخی لقد کبرت سنی وقدم عہدی ونسیت بعض الذی کنت اعی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فما احدثکم فاقبلوہ ومالا فلا تکلفونیہ ثم قال قام فینا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم یوما خطیبا بماء یدعی خما بین مکۃ والمدینۃ فحمد اللہ واثنی علیہ ووعظ وذکر ثم قال اما بعد ایہا الناس فانما انا بشر یوشک بکتاب اللہ واستمسکوا بہ فحث ورغب فیہ ثم قال واہل بیتی فقال حصین یا زید الیس النساء باہل بیتہ فقال لاوایم اللہ ان المرأۃ تکون مع الرجل العصر من الدہر ثم یطلقہا فترجع الی ابیہا وقومہا اہل البیت اہلہ وعصبتہ الذین حرموا الصدقۃ بعدہ (اخرجہ مسلم)

ترجمہ - زید بن حبان کہتے ہیں کہ میں اور حصین بن سیرۃ اور عمران بن حصین زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ جب ہم بیٹھ گئے۔ تو حصین بن سیرۃ نے کہا کہ اے زید بے شک آپنے بہت نیکی حاصل کی ہے۔ آپنے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے اور اُن سے احادیث سنی ہیں اور جناب رسالت مآب کے ہمراہ غزوات بھی کئے ہیں۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ جو کچھ آپ نے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہو۔ ہم سے بیان کرو۔ زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اے میرے بھائی کے بیٹے میری عمر بہت سی ہو گئی ہے۔ اور زمانہ پرانا ہو گیا ہے۔ بعض باتیں جو میں نے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھیں۔ اور مجھے یاد تھیں۔ ان سے اکثر بھول گیا ہوں۔ پس جو کچھ میں کہوں۔ اُسے قبول کرو۔ اور جو کچھ میں نہ کہوں۔ اس میں کلام نہ کرو۔ پھر کہنے لگے۔ کہ ایک روز جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چشمے کے کنارے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے۔ اور جسے خم کہتے ہیں خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا اور وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا کہ اے لوگو میں بھی ایک بشر ہوں۔ اب گمان ہے۔ کہ میرے پاس خدا کا قاصد آئیگا۔ پس میں اسے مان لوں گا۔ اور میں تم لوگوں میں دو بھاری چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ ایک تو خدا کی کتاب ہے۔ جس میں ہدایت اور نور ہے۔ تم خدا کی کتاب کو لے لو۔ اور اس کے ساتھ متمسک ہو جاؤ۔ پس جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ اور اس کی رغبت دلائی۔ پھر فرمایا۔ کہ دوسری چیز اہل بیت ہے۔ میں تم کو اپنے اہل بیت میں خدا یاد دلاتا ہوں۔ حصین نے کہا۔

یا زید ہو آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔ زید نے کہا۔ کہ نہیں۔ خدا کی قسم عورت مرد کے ساتھ بہت عرصے تک رہتی ہے۔ پھر وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے پس وہ عورت اپنے باپ اور قوم کی طرف رجوع کرتی ہے آپ کی اہل آپ کی اصل اور خویش ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

احادیث مندرجہ بالا اور واقعات مباہلہ کو جو نجران کے عیسائیوں سے پیش آیا۔ اور کہ جن کا ذکر آگے آئیگا مدنظر رکھتے ہوئے لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ اہل بیت سے صرف حسنین علیہم السلام جناب علیؓ اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہی مراد ہیں۔ بنی ہاشم۔ دیگر قریشی یا ازواج مطہرات کو اہل البیت میں شمار کرنا درست نہیں ہے۔

شاید کوئی ہٹ دھرم معترض اعتراض کرے کہ جب لخت جگر رسول حضرت فاطمہ اہل بیت میں شامل ہیں تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری تینوں بیٹیوں حضرت زینبؓ ورقیہ وام کلثومؓ کو اہل بیت میں کیوں شمار نہیں کیا اور جناب فاطمۃ الزہراؓ کو دوسری لڑکیوں پر اس قدر فضیلت کیوں دی ہے بادی النظر میں یہ اعتراض واقعی معقول نظر آتا ہے۔ لیکن معترض ذرا غور سے کام لے۔ تو اس کو اپنے اعتراض کی نامعقولیت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ حضرات شیعہ تو اس اعتراض سے یہ کہ کر چھوٹ جاتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ اور وہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں لیکن ہم اہل سنت والجماعت اس کے خلاف ہیں۔ جناب فاطمۃ الزہراؓ کے شرف کی وجہ یہ ہے کہ آپ بزمانہ نبوت جو خیر و برکت اور نزول رحمت کا زمانہ تھا۔ پیدا ہوئیں اور باقی تینوں بیٹیاں قبل از ظہور نبوت تولد ہوئی تھیں دوسری وجہ شرف حضرت فاطمۃ الزہرا کی یہ ہے۔ کہ آپکا نکاح جناب علیؓ کے ساتھ ہوا۔ جن کا نور آنحضرت کے نور کے ساتھ پیدا ہوا۔

لگے ہاتھوں اس کے ساتھ ہی ہم عترت اور آل کا مطلب بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں کیونکہ اکثر احادیث میں اہل البیت کی بجائے لفظ عترت یا آل کا استعمال کیا گیا ہے اور ان ہر دو الفاظ سے بھی مراد اہل البیت نبوی جناب علی فاطمۃ الزہرا اور حسنینؓ ہی ہیں۔

آل اور عترت کی تشریح

آل لغت میں آل کے معنے خاص قرابت دار اور گھر کے لوگ مراد ہیں۔ کبھی کبھی تخصیص کے ساتھ دور کے رشتہ داروں سے بھی مراد لی جاتی ہے۔ **آل** ماخوذ ہے اوّل سے جس کے معنے رجوع کرنے کے ہیں۔ جو شخص کسی کی طرف قرابت میں رجوع کرے وہ اس کی آل کہلاتا ہے۔ جس طرح اہل بیت کے متعلق متقدمین مختلف الرائے ہیں۔ اسی طرح آل کے متعلق بھی اختلاف ہے بعض آل رسولؐ میں ازواج مطہرات جناب علی حسنین اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو داخل کرتے ہیں۔ اور بعض صرف بنی عبدالمطلب اور بعض پیروان دین کو بھی شامل کرتے ہیں مگر اصح قول یہی ہے۔ کہ آل سے صرف جناب سیدۃ النساء حسنین اور جناب علیؓ ہی مراد ہیں۔ اور اہل بیت آل کا مترادف ہے۔

امام راغبؒ مفردات میں لکھتے ہیں کہ آل کا استعمال اس حالت میں کیا جاتا ہے جبکہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ خاص خصوصیت یا قرابت قریبہ رکھتا ہو۔ یا دوستی کی وجہ سے نزدیک ہو۔ اللہ تعالٰے نے اپنے کلام پاک میں چند جگہوں پر آل کا لفظ بیان فرمایا ہے جیسے آل ابراہیمؑ یا آل عمران یا آل فرعون ✤

آل نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مراد صرف قریبی رشتہ دار ہی ہو سکتے ہیں بعض لوگ آل میں ان دیندار لوگوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جو بحیثیت علم آپ کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں لیکن ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو علم الیقین اور عمل محکم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور دوسرے وہ جو بہ تقلید علم خصوصیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ محض اُمّت ہی کہلاتے ہیں۔ آل نہیں کہلا سکتے۔ کیونکہ آپ کی کل آل اُمّت ہے لیکن کل اُمت آل نہیں ہے اگر دوسرے دینداروں کو بھی آل شمار کیا جائے۔ جیسے بعض لوگ کرتے ہیں تو کل اُمت آپ کی آل تصوّر ہوگی۔ حالانکہ امر واقع ایسا نہیں ہے۔ پہلا فریق جو صرف جناب سیدہ علی اور حسنین علیہم السلام کو آل میں شمار کرتا ہے۔ اُن کے دلائل تو ہم اہل بیت کی تحقیق میں دے چکے ہیں۔ دوسرا فریق جو بنی عبدالمطلب کو بھی آپ کی آل میں شمار کرتا ہے۔ وہ اپنے قول کی تائید میں۔ اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ صدقات میل ہیں۔ اور وہ آل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر حرام ہیں۔ چونکہ بنی عبدالمطلب بھی زکوٰۃ اور صدقہ لینا حرام ہے۔ اس واسطے بنی عبدالمطلب بھی آل میں شامل ہیں ✤

تیسرا فریق جو دنیداروں یعنے آپ کے تابعین کو بھی آل میں گردانتے ہیں۔ اپنے قول کی تائید میں قرآن مجید کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں۔ جن میں آل فرعون یا آل لوط کا لفظ استعمال کیا گیا ہے چونکہ قرآن مجید میں آل سے مراد تمام تابعین فرعون ملعون یا فرمان برداران حضرت لوط علیہ السلام مراد ہیں۔ اس لئے آل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام مسلمان مراد ہیں؛

تیسرے گروہ کے لئے تو یہ جواب کافی ہے۔ کہ اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تمام مسلمان مراد ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی سورۃ براءت کو لیکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے نہ کرتے اور یہ نہ فرماتے کہ اس کو یا تو میں لے جاسکتا ہوں یا وہ شخص لے جاسکتا ہے جو میرے اہل بیت میں سے ہو چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آپ کے اہل البیت میں سے نہیں ہیں اس لئے ان سے سورہ براءت کو لے لیا گیا۔ اور حضرت علی رضؓ نے اس کو حج الاکبر کے دن مکہ معظمہ میں سُنا دیا۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ؛ رہا دوسرا فریق سو ان کے لئے آنحضرت صلعم کی احادیث موجود ہیں جن میں آپ نے اپنے اہل البیت کی ناموں کے ساتھ تخصیص کر دی ہے۔ جیسے کہ آگے بیان ہوگا؛

عترت۔ اس لفظ کے بھی وہی معنی ہیں۔ جو آل یا اہل البیت کے ہیں۔ اور عترت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی وہی نفوس مقدسہ مراد ہیں۔ جو اہل البیت یا آل سے مراد ہیں۔ یعنے حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ حضرت علی رضؓ اور حسنین رضؓ جو اولاد حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضؓ کے بطن سے پیدا ہوئی۔ وہ آپ کی عترت ہے۔ کیونکہ عرب کے لوگ عترت سے سوائے اولاد کے اور کچھ مراد نہیں لیتے۔ جو اولاد کسی کی صلب سے پیدا ہو۔ اور وہ نسل جو اس کے پیچھے رہے۔ اُس کی عترت کہلاتی ہے۔ امام نوویؒ شرح مہذب میں لکھتے ہیں کہ عترتہ الذین ینسبون الی محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہم اولاد فاطمۃ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت وہ لوگ ہیں جنکی نسبت آنحضرت صلعم کی طرف جاتی ہے۔ اور وہ جناب فاطمہ رضؓ کی اولاد ہے کئی کج فہم جو حقیقت میں دشمنانِ اہلِ بیت ہیں۔ کہتے کہ بیٹی کی اولاد ذریت میں

داخل نہیں ہے حالانکہ قرآن شریف صاف صاف انکے اس دعوے کو جھٹلا رہا ہے ؛

ذوی القربےٰ

اس لفظ سے بھی حضرات اہل بیت مراد ہیں جیسے کہ پیشتر ازیں ان آیات سے بیکسن میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں قل لااسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربےٰ کی تحت میں بیان کیا جاچکا ہے۔ جبکہ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کی محبت کا حکم ہم کو اللہ تعالےٰ دے رہا ہے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ وہ علی۔ فاطمہ اور حسنین علیہم السلام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عترت۔ آل اور ذوالقربےٰ سے مراد وہی نفوس قدسیہ ہیں جو اہل البیت ہیں۔ اور ان تمام احادیث میں جو اہل بیت کی شان میں وارد ہیں۔ کسی جگہ آل کسی جگہ عترت اور کسی جگہ ذوالقربےٰ کا لفظ مستعمل ہے ؛

چونکہ علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت ہیں۔ بلکہ اہل بیت میں ایک درخشاں ستارے ہیں اس لئے آیات کے لکھنے کے بعد جس قدر کہ احادیث اہل بیت کی شان میں وارد ہیں۔ ان سب کو اسی ضمن میں ہدیہ ناظرین کیا جائیگا ؛

عن سلمان قال انزلوا آل محمد بمنزلۃ الرأس من الجسد وعلی بمنزلۃ العین من الرأس فان الجسد لا یہتدی الا بالرأس وان الرأس لایہتدی الا بالعین سلمان رضؓ سے روایت ہے۔ کہ آل محمد بمنزلہ سر کے ہے۔ بدن سے اور جناب علی کرم اللہ وجہہ بمنزلہ آنکھ کے ہیں میری تحقیق بدن نہیں راستہ پاتا ہے۔ مگر ساتھ سر کے اور سر نہیں راستہ دیکھتا ہے مگر آنکھ سے ؛

عن ام المؤمنین ام سلمۃ قالت ان ھذہ الآیۃ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا انزلت فی بیتی وانا جالسۃ عند الباب فی البیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی وفاطمہ وحسن وحسین فجللھم بکساء وقال اللھم ھٰؤلاء اہل بیتی وخاصتی اذھب عنھم الرجس وطہرھم تطہیرا فقالت وانا معھم یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انک علی الخیر ؛ اس حدیث شریف کو جو آیۃ تطہیر کے شان نزول کے متعلق ہے۔ متعدد ثقہ راویوں نے روایت کیا ہے۔ اور جمہور کا اس پر اجماع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جناب ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ مذکورہ بالا آیت تطہیر میرے گھر میں نازل ہوئی تھی۔ میں اس وقت دروازے کے قریب بیٹھی تھی۔ اور جناب رسول خدا

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی میرے گھر میں تشریف فرماتے۔ اور جناب حسنین فاطمۃ الزہرا اور جناب علی رضی بھی تشریف فرما تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ان کو چادر اوڑھا کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور مددگار ہیں۔ ان سے نجاست کو دور کر اور ان کو پاک کرنا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ فرمایا تم بہتری پر ہو۔

عن واثلۃ بن الاسقع قال اتیت فاطمۃ اسالہا عن علی فقالت توجہ الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فجلست انتظرہ واذا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قد اقبل ومعہ علی والحسن والحسین فاخذ بید کلواحد منہم حتی دخل الحجرۃ فاجلس الحسن علی فخذہ الیسری واجلس علیا وفاطمۃ بین یدیہ ثم القی علیہم الکساء ثم قرء انما یرید اللہ لیذہب الخ

اس روایت کو بھی متعدد ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ واثلۃ بن الاسقع رض سے روایت ہے۔ کہ میں جناب علی کرم اللہ وجہہ کی تلاش میں جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رض کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے ارشاد کیا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے ہیں۔ چنانچہ میں آپکے انتظار میں اسی جگہ بیٹھ گیا۔ اتنے میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین علیہم السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف فرما ہوئے۔ اور حجرے میں داخل ہو گئے اور جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سامنے بٹھلا کر ان پر چادر ڈال کر یہ آیت شریف کی تلاوت فرمائی۔ کہ نہیں چاہتا ہے۔ اللہ مگر یہ کہ لے جائے تم سے نجاست اے گھر والو۔ اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔

عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یمر بباب فاطمۃ ستۃ اشہر اذا خرج الی صلوۃ الفجر یقول الصلوۃ یا اہل البیت انما یرید اللہ لیذہب الخ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق چھ ماہ تک جناب رسول خدا صلعم فجر کی نماز کے وقت جناب سیدۃ النساء کے دروازے پر سے گزرتے اور فرماتے کہ اے اہل البیت نماز کا وقت ہے نہیں چاہتا ہے۔ اللہ مگر یہ کہ لے جائے تم سے نجاست کو اے گھر والو۔ اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔

عن ابن عباسؓ قال شہدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تسعۃ اشہر یاتی کل یوم باب علی ابن ابی طالب عند وقت کل صلوٰۃ فیقول السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اہل البیت انما یرید اللہ لیذہب الخ

ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تقریباً نو مہینے تک ہم دیکھتے رہے کہ آپ ہر روز نماز کے وقت جناب علی ابن ابی طالب کے دروازے پر سے گزرتے اور فرماتے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اے اہل البیت نہیں چاہتا ہے اللہ مگر یہ کہ لے جائے تم سے نجاست اے گھر والو۔ اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا ؛

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس حدیث میں "انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم" کے الفاظ بھی زیادہ کرتے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آیت تطہیر پڑھکر فرماتے تھے۔ کہ میں اس سے جنگ کرنے والا ہوں۔ جو تم سے جنگ کرنے۔ اور جو تم سے صلح کرے۔ اس سے صلح کرنے والا ہوں ؛ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صاف صاف فرماتے ہیں۔ کہ آیت تطہیر جناب رسول خدا فاطمۃ الزہرا حسنین اور جناب علی علیہم السلام کے حق میں نازل ہوئی اور ابن جریر نے اس آیت شریف کو جس کے الفاظ یہ ہیں۔ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور یہ حدیث اکثر علماء کے نزدیک حسن ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم ہذہ الآیۃ انزلت فی خمسۃ فی وفی علی والحسن والحسین وفاطمۃ کذا فی الصواعق المحرقہ۔ یعنے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ یہ آیت پانچ شخصوں یعنی میرے علی۔ فاطمہ اور حسنین کے حق میں نازل ہوئی ہے ؛

عن عمر بن ابی سلمۃ قال نزلت ہذہ الآیۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا فی بیت ام سلمۃ وانا فی بیت ام سلمۃ فدعا النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ وعلیا وحسنا وحسینا جللہم بکساء ثم قال اللہم ہؤلاء اہل بیتی فاذہب عنہم الرجس وطہرہم تطہیرا۔ وقالت ام سلمۃ انا معہم یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال انت علی مکانک وانت علی الخیر ؛

عمر بن ابی سلمہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت انما یرید اللہ الخ جناب رسول خدا صلعم پر جناب ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ اور میں اس وقت

انہی کے گھر پر تھا۔ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب حسنین جناب علی اور سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کو بلاکر ان پر چادر ڈال دی۔ اور دعا کی۔ کہ اے میرے پروردگار یہ میرے اہل بیت ہیں اُن سے نجاست کو دُور کر۔ اور ان کو پاک کر خوب پاک کرنا۔ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افداہ امی وابی (میں بھی انہیں کے ساتھ ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو اپنی جگہ پر ہے اور تو بھی نیکی پر ہے ؛

عن عائشہ رض قال خرج رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم غداۃ وعلیہ مرط مرحل بن شعر اسود فجاء الحسن بن علی فادخلہ معہ ثم جاء الحسین فادخل معہ ثم جاءت فاطمۃ فادخلہا ثم جاء علی فادخلہ ثم قال انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا ؁

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت سیاہ بالوں کی ایک منقش گلیم اوڑھے ہوئے باہر نکلے اتنے میں حضرت حسن علیہ السلام تشریف لائے آپ نے جناب حسن کو اس گلیم میں داخل کر لیا پھر امام حسین علیہ السلام تشریف لائے آپ نے ان کو بھی گلیم میں داخل کر دیا۔ پھر آپ کی لخت جگر سیدۃ النساء تشریف لائیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بھی لے لیا۔ پھر جناب علی تشریف لائے آپ نے ان پر بھی گلیم اوڑھا دی۔ اور اس کے بعد آپ نے آیت تطہیر کو پڑھا یعنی نہیں چاہتا ہے اللہ مگر یہ کہ لے جائے تم سے نجاست کو اے گھر والو۔ اور پاک کرے تم کو خوب پاک کرنا۔

۲۔ فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ؁

اس آیت شریف کا نام آیت مباہلہ ہے یہ آیت شریف اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے نصاریٰ نے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوّت کے متعلق جھگڑا کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ اے محمد (صلعم) جھگڑا کرنے والوں سے کہہ دے۔ کہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں کو اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں کو اپنی جان کو اور تمہاری جان کو۔ پھر اللہ تبارک وتعالےٰ سے دعا کریں۔ اور جھوٹوں پر لعنت ڈالیں (جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو آنحضرت صلے

اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علی جناب حسنین اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو ہمراہ لے کر مباہلہ کے لئے نکلے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرات ممدوحہ مذکورہ آپ کے اہل بیت ہیں چنانچہ اس کے ثبوت میں احادیث ذیل ہدیہ ناظرین ہیں:

دار قطنی جناب علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے مجلس شوریٰ میں مشورت کے روز تکرار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تم سب کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں۔ کہ کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص موجود ہے۔ جو جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرابت قریبیہ رکھتا ہو۔ اور کسی دوسرے کی جان کو اپنی جان اور کسی کے بیٹوں کو اپنے بیٹے قرار دئے ہوں۔ (آپ کے القاب نفس الرسول میں اس حدیث کو بیان کیا جا چکا ہے) جواباً سب نے عرض کیا۔ کہ خدا کی قسم اور کوئی شخص سوا آپ کی ذات ستودہ صفات کے ایسا نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ مندرجہ بالا آیت مباہلہ کی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اس آیت شریف میں انفسنا سے خود جناب سرور کائنات اور جناب علی کی ذات ستودہ صفات مراد ہے۔ ابنائنا سے جناب حسن اور حسین اور نسائنا سے جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا مراد ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت مباہلہ کی شان نزول بیان فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں۔ کہ نجران کے چند آدمی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ آپ کی ہمارے صاحب کے حق میں کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ کون ہیں۔ نصاریٰ نے عرض کیا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کی نسبت آپ کا گمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا خیال درست ہے۔ تب انہوں نے کہا۔ کہ آپ عیسےٰ علیہ السلام جیسے کسی اور خدا کے بندے کا پتہ بتائیں۔ یہ کہہ کر نصاریٰ چلے گئے۔ پھر حضرت علیہ السلام تشریف لائے اور کہا۔ کہ یا رسول اللہ جب وہ لوگ آئیں۔ تو آپ اُن سے کہ دیں۔ ان مثل عیسےٰ عند اللہ کمثل ادم۔ یعنے تحقیق حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مثال خدا کے نزدیک ایسی ہے۔ جیسے حضرت آدم کی مثال ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر مثال موجود ہے: کیونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو تو صرف باپ کے بغیر پیدا کیا

لیکن آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے پیدا کیا ہے) آگے چل کر فرماتے ہیں۔ کہ جب نصارٰے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تکرار کر رہے تھے۔ تو مندرجہ بالا الفاظ کے بعد ایک شخص نے کہا۔ کہ مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ ان کا کوئی باپ نہیں ہے۔ دوسرے نے کہا کہ آپ مسیحؑ کو خدا کا بندہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود خدا تھے۔ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے غیب کی خبریں دیتے تھے۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیا کرتے تھے اور مٹی کے جانور بنایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ (عیلٰے علیہ السلام) خدا کے بندے اور اس کا پاک کلمہ تھے۔ جو حضرت مریمؑ کی طرف القا کئے گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے اس جواب پر نصارٰی غصّے میں آ کر کہنے لگے کہ ہم نہیں مانتے۔ جبتک آپ یہ اقرار نہ کریں۔ کہ جناب عیلٰےؑ خدا تھے۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ تو آپ ہمیں کوئی اور مثیل عیلٰےؑ بتادیں۔ جو مردوں کو زندہ اندھوں اور کوڑھوں کو تندرست کرتا ہو مٹی کے جانور بنا بنا کر ان میں روح ڈالتا اور وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتے ہوں۔ یا اُڑ جائیں (نصارٰی کے اس تکرار پر) جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ سلم خاموش ہو گئے۔ اتنے میں جناب جبرائیلؑ بحکم رب العلام تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ سلم تحقیق جو لوگ مسیح ابن مریم کو خدا کہتے ہیں۔ وہ کافر ہو گئے ہیں۔ اور جو لوگ اس کے بعد جن کو اس کا علم ہو چکا ہے۔ تجھ سے جھگڑا کریں۔ ان کو کہہ دے کہ آؤ۔ ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں۔ اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں اور اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو بلائیں۔ اور دُعا کریں۔ اور جھوٹوں پر اللہ تعالےٰ کی لعنت ڈالیں مباہلے کا حکم ہونے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصارٰے کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ اگر تم اسلام کے تابع فرمان نہ ہو گے۔ تو اللہ تبارک وتعالےٰ نے مجھ کو تمہارے ساتھ مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں تم سے مباہلہ کروں گا۔ تب نصارٰے نے دوسرے دن کا وعدہ کیا جب صبح ہوئی۔ تو جناب سرور کائنات مفخر موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین علیہم السلام جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا کو ہمراہ لے کر بغرض مباہلہ تشریف لائے۔ جب صدر وفد نصارٰی یعنی اسقف نے اہل البیت کو رسول مقبول صلے اللہ

علیہ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں دیکھا۔ تو اپنے گروہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ خدا کی قسم میں ایسے چہرے دیکھتا ہوں۔ کہ اگر یہ لوگ خدا سے یہ دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے ؛ تو خداوند کریم ان کی دعا کو فوراً قبول کر لیگا ؛ اور پہاڑ اس کی جگہ سے ٹلا دیگا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تختۂ زمین پر کوئی عیسائی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ سے گریز کی اور اسقف نے خدمت نبوی میں دستہ بستہ عرض کی۔ کہ ہم لوگ آپ سے مباہلہ نہیں کرنا چاہتے۔

سعد بن ابی وقاص رضؓ سے روایت ہے۔ کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ تو آنحضرت صلعم نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت امام حسن اور حسین علیہم السلام اور جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کو اپنے پاس بلایا۔ اور کہا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ؛

۳۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ؛ یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سوا نہیں کہ تو ڈرانے والا ہے۔ اور ہر قوم کے لئے ایک راہ دکھلانے والا ہے۔ ابن عباس رضؓ اس آیت شریف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ڈرانے والا ہوں۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہادی یعنے راہ دکھلانے والے ہیں۔ اور پھر جناب امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ اے علی ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت حاصل کریں گے ؛

حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے۔ کہ جب یہ آیت شریف اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک پر جو عرفان الٰہی کا خزینہ تھا۔ ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ کہ میں ڈرانے والا ہوں۔ پھر جناب علی ابن ابی طالب عؑ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہدایت پانے والے تجھ سے ہدایت پائیں گے ؛ کیونکہ تو ہادی یعنے راہ دکھلانے والا ہے ؛

۴۔ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ مریم) اس آیت شریف کی تفسیر میں جناب ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ صالح المؤمنین سے علی ابن ابی طالب مراد ہیں ؛

اسماء بنت عمیس رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ

وآلہ وسلم سے سُنا ہے۔ کہ اس آیت شریف فان اللہ الخ میں صالح المؤمنین سے جناب علیؓ ابن ابی طالب مراد ہیں ؛

۵ قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (سورہ حٰم) اے محمد صلعم تو کہدے کہ میں تم سے اس ہدایت کے عوض میں (کہ میں نے تم کو خدا کے احکام بتلا دئے۔ اور اللہ تعالٰے نے تم کو راہ راست پر لگا دیا۔ اور گمراہی سے بچاکر شاہراہ ہدایت پر ڈالدیا) کوئی اجرت نہیں مانگتا۔ مگر یہ کہ قرابت والوں کی محبت ؛

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن لوگوں کی محبت کا اللہ تعالٰے نے ہمیں حکم دیا ہے۔ وہ کون ہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ جناب علی بن ابی طالب اور ان کے بیٹے حسن اور حسین علیہم السلام اور ان کی بیوی یعنے جناب سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہراؓ (کیونکہ یہ ہی میرے اہل بیت اور قریبی ہیں)

۶۔ وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا ط (سورۃ الدہر) حضرت ابن عباسؓ اس آیت شریف کا شان نزول اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ جناب امام حسن امام حسین علیہم السلام بیمار ہو گئے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صدیق اکبر حضرت ابو بکرؓ اور فاروق اعظم حضرت عمرؓ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یا ابا الحسن اگر آپ صاحبزادوں کی صحت کے لئے نذر مانیں تو بہتر ہے۔ جناب سیدۃ النساء امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اور آپ کی کنیز فضہ نے تین تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ جب حسنین علیہم السلام تندرست ہو گئے۔ اور سب نے اپنی منت کے روزے رکھنے شروع کئے۔ تو آپ کے گھر میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ لے ایک یہودی سے کچھ جو قرض لئے جناب سیدہ نے اس میں سے ایک حصہ پیس کر روٹیاں پکائیں؛ جب افطار کا وقت آیا۔ تو ایک مسکین نے آکر صدا کی کہ اے آل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک مسلمان مسکین بھوکا ہوں۔ اللہ تعالٰے آپ کو نعمائے فردوس سے سیر کریگا۔ اللہ کے نام پر مجھے کچھ کھلاؤ۔ اس صدا کے سنتے ہی ہر ایک نے اپنے اپنے حصے کا سارا کھانا اٹھا کر سائل کو دے دیا۔ اور خود پانی سے افطار کر کے سو رہے۔ اگلے

اگلے دن بھر روزہ رکھا۔ اور دوسرے حصے کی افطار کے وقت روٹیاں پکائیں۔ ابھی افطارِ روزہ کا وقت پہنچا ہی تھا۔ کہ ایک سائل نے آکر صدا دی کہ اے آلِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ایک یتیم ہوں مجھے اللہ کے نام پر کچھ دو۔ چنانچہ یتیم کی صدا کے سننے کی دیر تھی۔ کہ سارا کھانا خداوند تعالےٰ کے نام پر اس یتیم سائل کو دیدیا۔ اور پچھلے دن کی طرح صرف پانی سے افطار کر کے سو گئے تیسرے دن بھر روزہ رکھا۔ اور تیسرے حصے کی روٹیاں پکائیں اور عین افطار کے وقت ایک قیدی نے آکر سوال کیا جس کو سنتے ہی سارا کھانا سائل کو بخشدیا۔ اور پانی سے افطار کر کے سو گئے۔ اگلے دن جناب علیؑ اپنے دونوں صاحبزادوں کو لے کر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ضعف کی وجہ سے حسنینؑ کے چہرے زرد ہو رہے تھے۔ اور بھوک سے نڈھال تھے۔ جناب رسالت مآب صلعم نے حسنین کو دیکھکر استفسار حال فرمایا۔ لیکن حضرت علی اور دونوں نورالعین اللہ کا شکر کرتے ہوئے خاموش ہو گئے۔ پھر آپ اٹھ کر جناب سیدۃ النساء کے پاس تشریف لائے اور ان کا حال دیکھ کر بہت ملول ہوئے۔ جناب سیدہ اس وقت مصلےٰ پر بیٹھی ہوئی ذکر خدا کر رہی تھیں ابھی کچھ حال نہ کھلنے پایا تھا۔ کہ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا۔ کہ رسول اللہ صلعم بعد تحفہ درود سلام کے اللہ تعالےٰ آپ کو آپ کی آل کے متعلق مبارک دیتا ہے۔ اس کے بعد گذشتہ تین دنوں کا ماجرا سنایا۔ اور یہ آیت شریف وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ کھلاتے ہیں کھانا اپنی محبت پر مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو۔

۷۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ۔ ترجمہ قایم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ الخ جناب سرورِ کائنات خلاصہ موجودات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کی شان میں خصوصاً نازل ہوئی ہے کیونکہ جناب رسول خدا صلعم کے ساتھ سب سے پہلے جناب امیر نے ہی نماز پڑھی ہے۔

۸- اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں بیشک وہی لوگ سب خلقت سے بہتر ہیں۔ ابوسعید خدری رضؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جناب علی رضی اللہ عنہ خیر البریہ ہیں۔

۹- اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (سورۃ المائدہ) آج میں نے کامل کیا تمہارے لئے دین تمہارا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی مجاہدؒ سے روایت ہے۔ کہ آیت شریف ذوالحجہ کی ۱۸ تاریخ کو غدیر خم کے دن نازل ہوئی۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ غدیر خم کے روز جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا۔ کہ کیا میں سب مومنوں کی جان سے اولےٰ نہیں ہوں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم (فداہ امی و ابی) بیشک آپ ہماری جانوں سے اولیٰ ہیں پھر فرمایا۔ کہ جس کا میں مولیٰ ہوں۔ اس کا علی بھی مولا ہے۔ تب حضرت فاروق اعظم عمر رضؓ نے علی ابن ابی طالب کو مبارکباد دی۔ اور کہا۔ کہ یا ابا الحسن مبارک ہو۔ آپ تو کہ آپ میرے اور سب مومنوں کے مولا بن گئے اتنے میں آیت مندرجہ بالا نازل ہوئی)

(۱۰) وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (سورۃ النساء) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ وہ لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہیں۔ جن پر اللہ تبارک تعالےٰ نے اپنا انعام کیا ہے۔ وہ نبی صدیق۔ شہید اور نیک بخت ہیں۔ اور انہی کی رفاقت اچھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ آیت متذکرہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے اس کا شان نزول یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رسول خدا صلعم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم جس طرح دنیا میں ہم آپ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ کیا بہشت میں بھی آپ کی زیارت نصیب ہوا کرے گی۔ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کسی نبی پر اس کی امت میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس نبی کا رفیق ہوتا ہے۔ اتنے میں یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ آیت نازل ہونے پر جناب رسول خدا صلعم نے جناب علی رضؓ کو بلا کر فرمایا کہ اے علی خداوند

کریم نے آپ کے سوال کا جواب نازل کیا ہے۔ اور تجھے میرا رفیق بنایا ہے۔ کیونکہ تو مجھ پر سب سے پہلے ایمان لایا ہے۔ اور تو صدیق اکبر ہے۔ پھر یہ آیت شریف مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ الخ پڑھی :

۱۱۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (سورہ الفاتحہ) یعنی دکھا ہم کو راہ سیدھی۔ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ تابعین اور تبع تابعین کا اس بات پر اجماع ہے۔ کہ صراط المستقیم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل کا طریقہ مراد ہے :

۱۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ یعنے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ستاتے ہیں۔ ان کو اللہ تعالےٰ نے دنیا اور آخرت دونوں میں پھٹکار دیا ہے (سورۃ احزاب) اس آیت شریف کا شانِ نزول اور تفسیر بیان کرتے ہوئے متعدد ثقہ راویوں نے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے اپنی ریش مبارک کا بال پکڑ کر فرمایا۔ کہ یا علی اگر کوئی شخص تجھے بال بھر بھی تکلیف دے گا۔ تو وہ مجھے تکلیف دیگا۔ اور جو مجھے تکلیف دیگا۔ گویا اس نے اللہ تعالےٰ کو ستایا۔ اللہ تعالےٰ دنیا اور آخرت میں اس پر لعنت کریگا۔ اس قدر ارشاد کے بعد آپ نے اس آیت شریف کو پڑھا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الخ

۱۳۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ۔ اور ہماری خلقت میں سے ایک گروہ ہے۔ جو حق کے ساتھ ہدایت پاتے ہیں۔ اور اسی طرف پھرتے ہیں (سورہ الاعراف)

۱۴۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (سورۃ الاحزاب) تحقیق اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ پس اے ایماندار لوگو تم بھی درود پڑھو۔ اور سلام بھیجو۔ سلام بھیجنا۔ صحیح بخاری شریف میں آیا ہے کہ جب یہ آیت شریف نازل ہوئی۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ اُمّی و ابی) ہمیں مہربانی کرکے درود اور سلام بھیجنے کا طریقہ سکھا دیں۔ تاکہ ہم نیازمندان اس طریقے سے جناب پر درود اور سلام بھیجا کریں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے استفسار پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔ کہ کہا کرو۔ اللھم صلّ علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آلِ ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ یعنے اے ہمارے پروردگار درود بھیج محمد (صلعم) پر اور آل محمد صلعم پر جیسے کہ تونے درود بھیجا ہے۔ (حضرت) ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر تحقیق تو تعریف کیا گیا ہے۔ اور بزرگ ہے۔ اے ہمارے پروردگار برکت بھیج (سرور کائنات مفخر موجودات حضرت) محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اس کی آل پر۔ جس طرح کہ تونے برکت کی ہے۔ (حضرت) ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) پر اور آل ابراہیمؑ پر تحقیق تو ستودہ اور بزرگ ہے۔

۱۵۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسلام فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ (سورہ الزمر)

ترجمہ۔ جس کا سینہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے وہ اپنے رب کی طرف سے اُجالے میں ہے۔ اسباب نزول القرآن میں امام واحدی رحمہ نے اور علامہ ابوالفرحؒ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ یہ آیت شریف حضرت علی رضؓ اور حضرت حمزہ رضؓ کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ اس آیت کے برخلاف جن کا سینہ اللہ تعالےٰ نے اسلام کے لئے نہیں کھولا۔ بلکہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ الخ کی تحت میں ان کے دلوں کو اور سخت کر دیا ہے۔ اُن سے ابولہب اور ابوجہل وغیرہ وغیرہ مراد ہیں۔

۱۶۔ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ (سورہ الحجر) ترجمہ:۔ قیامت کے دن بھائی برابر کے تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ زید بن ادنی رضؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا۔ کہ تم جنت میں میری لخت جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا کے ہمراہ میرے گھر میں میرے ساتھ ہوگے کیونکہ تو میرا بھائی اور رفیق ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم نے آیت مذکور کو تلاوت کیا۔

دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے اس طرح روایت ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو ہم دونو میں سے (میں یا فاطمہ) کون زیادہ پیارا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ فاطمہ تم سے زیادہ پیاری ہے۔ اور تم جناب فاطمہ سے زیادہ عزیز ہو۔ قیامت کے دن میں اور تم دونوں

حوض کوثر پر اکٹھے ہوں گے۔ اور اس پر آسمان کے ستاروں کی تعداد کے موافق پیالے ہوں گے۔ اور تم حسن۔ حسین فاطمہ جعفرؓ اور عقیلؓ بھائی برابر کے تختوں پر آمنے سامنے ہونگے۔

۱۷۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی وہ لوگ برائیاں کرتے ہیں۔ کیا وہ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم ان کو ان کے برابر کر دیں گے۔ جو ایمان لائے ہیں۔ اور نیک کام کرتے ہیں۔ (سورۃ الجاثیۃ) حضرت ابن عباسؓ اس آیت شریف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت شریف میں بُرا بیان کرنے والے لوگوں سے ولید۔ عتبہ اور شیبہ مراد ہیں۔ اور ایمان لانے والے اور نیک کام کرنے والوں سے جناب علی رضؓ ابن ابی طالب۔ حمزہؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ مراد ہیں۔ اس آیت شریف کا شان نزول یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت علی۔ حمزہ اور عبیدۃ بن الجراح رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تینوں سے ولید عتبہ کا آمنا سامنا ہوا۔ اور مؤخر الذکر ہم نسب ہونے کی وجہ سے برابری اور دولت کی وجہ سے (جوان کم بختوں کے ایمان لانے میں مانع ہوئی) بڑائی کا دم بھرنے لگے۔ تب اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے حبیب، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی اس بات کی اطلاع دی۔ اور یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۸۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ الانفال) اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ خدا ہے۔ جس نے اپنی مدد اور مومنوں سے تیری تائید کی۔ اس آیت شریف کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے۔ کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا رسول اور بندہ ہے۔ میں نے علی ابن ابی طالب کے ساتھ اس کی تائید کی ہے۔ مفسرین بیان کرتے ہیں۔ کہ اس آیت شریف میں وبالمؤمنین سے مومنوں کے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مراد ہے۔

۱۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (سورۃ المائدہ) اے ایمان والے لوگو! ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو جنکو اللہ تعالیٰ نے

نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اس آیت شریف کے شانِ نزول میں کچھ اختلاف ہے تاہم اس امر پر سب کا اجماع ہے کہ یہ آیت شریف جناب علی ابن ابی طالب اور آپ کے بعض دوستوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ آپ نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے راہبانہ زندگی بسر کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بعض اس آیت شریف کا نزول خاص محبوب خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بیان کرتے ہیں جبکہ آپ نے کسی چیز کا کھانا ترک کر دیا تھا۔

تنبیہ: حضرت ابن عباس رضی فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں اللہ تبارک تعالےٰ نے اپنی کلام پاک میں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو) فرمایا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اس خطاب کے امیر اور شریف ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے بعض بعض مقام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عتاب بھی کیا ہے۔ لیکن جناب علی ابن ابی طالب کا ذکر ہمیشہ خیر کے ساتھ کیا ہے۔ حذیفہ رضی سے اسی مفہوم کی ایک اور روایت ہے کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا لفظ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ہی اس کے لب لباب ہیں

۲۰۔ یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۃ انفال) **ترجمہ** اے نبی تجھ کو کافی ہے اللہ اور جو تیرے ساتھ ہوا مومنوں سے جملہ مفسرین اس آیت شریف کی تفسیر میں متفق الرائے ہیں۔ کہ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ سے جناب علی ابن ابی طالب مراد ہیں۔

۲۱۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَھْزِءُوْنَ (سورۃ البقر) **ترجمہ** اے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب وہ لوگ (منافق) ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے شیطان (دوسرے کافر لوگوں) سے ملتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ان (مسلمانوں) سے تو ہم صرف تمسخر کرتے ہیں۔

یہ آیت شریف جناب علی رضی اور چند اصحاب رسول کے حق میں نازل ہوئی مفسرین نے اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ ایک دن مدینہ منورہ کا مشہور منافق عبداللہ بن ابی اپنے دوستوں کے ساتھ آرہا تھا۔ کہ راستہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ

معہ چند اصحابیوں کے آتے ہوئے دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔ کہ دیکھو ان بیوقوفوں کو کس طرح ٹالتا ہوں یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ اور جناب علی ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی بہت سی تعریفیں کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اے عبداللہ النفاق کو چھوڑ دے اور خداوند تعالےٰ سے ڈر ایک دن ان سب کاموں اور باتوں کا حساب دینا پڑیگا۔ خوب یاد رکھ کہ منافق سب سے بڑھ کر شریر ہوتا ہے جواباً عبداللہ منافق کہنے لگا کہ یا علی ہمارا ایمان تو آپکے ایمان کی طرح ہے واللہ میں ہرگز جھوٹ نہیں بولتا اور میں منافق نہیں ہوں میں تو پکا ایمان دار اور آپ کے ساتھ ہوں جناب امیر علیہ السلام ہاتھ چھوڑا کر آگے چلے گئے۔ پھر عبداللہ منافق اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔ کہ دیکھا میں نے ان لوگوں کو کس طرح اپنے ایمان کا یقین دلایا۔ حالانکہ میں ایمان نہیں لایا ہوں۔ اور تم سب کے ساتھ ہوں اور صرف ان سے دل لگی کرتا ہوں۔ اس کے دوستوں نے اس کی بہت سی تعریف کی اور ہر اللہ تعالےٰ نے بھی بذریعہ وحی اس کی قلعی کھول دی اور سارا ماجرا جتلا دیا۔ اور یہ آیت شریف نازل ہوئی۔

۲۲ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباس روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن مسجد نبویؐ میں آکر کسی سائل نے سوال کیا۔ لیکن کسی نے اس کو کچھ نہ دیا۔ تب سائل مذکور نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا۔ اے میرے اللہ گواہ رہنا۔ کہ میں نے تیرے حبیبؐ کی مسجد میں آکر سوال کیا۔ لیکن مجھے کسی نے کچھ نہ دیا۔ جناب امیرالمؤمنین علیؑ اس وقت ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رکوع کی حالت میں تھے۔ جب سائل کے یہ الفاظ سُنے تو آپ نے حالت رکوع میں ہی اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے جس میں ایک انگوٹھی تھی۔ سائل کو اشارہ کیا۔ سائل نے بڑھ کر انگوٹھی اُتار لی اور آپ بدستور نماز میں شاغل رہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حال کو دیکھا۔ تو جناب الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی۔ کہ یا الٰہی میرے بھائی موسےٰ نے تجھ سے دعا کی تھی۔ کہ میرے سینے کو کھولدے۔ میری مشکلات کو آسان کر۔ اور میرے گھر کے لوگوں میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا۔ اور اس کی وجہ سے میری پشت کو مضبوط کر۔ اور اسی کو میرے کام میں شریک فرما۔ چنانچہ اس کی دُعا کو تو نے قبول کیا۔ اور اس کو کہا۔ کہ ہم تیرے بھائی کی وجہ سے تیرے بازو قوی کریں گے یا الہ العالمین میں محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) تیرا برگزیدہ رسول ہوں۔ پس میرے سینے کو کھول

اور میری مشکلات کو آسان کر۔ اور میرے اہل بیت میں سے جناب علی بن ابی طالب کو جو میرا بھائی ہے۔ میرا وزیر بنا۔ اور اس کی وجہ سے میری پشت کو قوی کر۔

ابھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعا سے فارغ ہونے نہ پائے تھے۔ کہ درگاہ ایزدی میں آپ کی دعا نے شرف اجابت حاصل کیا۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے تشریف لاکر بعد درود وسلام کے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ (سورۃ المائدہ)

یعنے سوا اس کے نہیں کہ تمہارا رفیق اللہ اور اس کا رسول ہے۔ اور وہ لوگ کہ ایمان لائے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ درانحالیکہ وہ رکوع کی حالت میں ہیں

دوسری روایت میں عبداللہ بن سلامؓ سے مروی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ابھی لوگ رکوع وسجدہ میں ہی تھے۔ کہ ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ جناب علیؓ اس وقت بحالت رکوع تھے سائل کی آواز سنتے ہی آپ نے اپنی انگوٹھی جو ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے۔ سائل کو عطا کردی سائل نے آنحضرت صلعم کو اس امر کی اطلاع دی۔ تب آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ۔

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ جناب عبداللہ بن سلامؓ نے خدمت نبوی میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سے ہماری قوم نے ہمیں اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے ہم سے ہر قسم کا قطع تعلق کر لیا ہے۔ چونکہ ہمارے گھر آپ کی محفل مقدس سے دور ہیں۔ اس لئے ہمیں تکلیف ہے۔ تب آپنے اس آیت شریف کو پڑھا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ اور اس کا رسول اور ایماندار لوگ ہمارے رفیق ہیں اسی اثنا میں آپ نے ایک سائل کو دیکھکر پوچھا۔ کہ تمہیں کسی نے کچھ دیا ہے۔ سائل نے انگوٹھی دکھلا کر عرض کیا۔ کہ ہاں پھر آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کس شخص نے دی ہے۔ تب سائل نے جناب علی کی طرف اشارہ کیا۔ جناب علیؓ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کس حالت میں تمہیں انگوٹھی دی گئی ہے۔

سائل نے کہا۔ کہ رکوع کی حالت میں عطا کی ہے ۔آپ نے پھر اس آیت شریف کو پڑھا حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو اس وقت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی کھڑے تھے۔ فی البدیہ یہ شعر پڑھے ؎

اباحسن نفدیک روحی و مھجتی	کل لبطیٔ فی الھدی والمسارع
فانت الذی اعطیت اذکنت راکعا	فدتک نفوس الخلق یاخیر راکع
بخاتمک المیمون یا خیر سید !	یا خیر ساجد ثم یا خیر راکع
فانزل فیک خیر ولا یة	وبینھا فی محکمات الشرائع

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ اے ابوالحسن تجھ پر میری جان اور روح قربان ہو۔ اور ہر وہ شخص جو ہدایت میں تیزی کرنے والا ہے۔ پس تو وہ ہے کہ رکوع کی حالت میں تو نے بخشش کی ہے۔ اے سب رکوع کرنے والوں سے بہتر۔ عام لوگوں کی جان تجھ پر سے فدا ہو جائے اے سب سجدہ اور رکوع کرنے والوں سے بہتر۔ اور سردار قوم تو نے اپنی انگوٹھی کو حالت رکوع میں بخشش کیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے تیری ولایت میں نازل کیا۔ اور اس کو محکمات شریعت سے بیان فرمایا ؛

ان اشعار کے بعد اس نے پھر یہ اشعار پڑھے ؛

من ذا بخاتمہ تصدق راکعا	واسر فی نفسہ اسرارا
من کان بات علی فراش محمدؐ	ومحمدؐ اسری نحو الغارا
ومن کان فی القرآن سمی مومنا	فی تسع ایات تتلین غزارا

یعنے کون اس سے جھگڑ سکتا ہے۔ جس نے بحالت رکوع بخشش کی اور اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے اسرار کو اس کے نفس میں ودیعت کیا ہے۔ اس کے سوا اور کون شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر سویا ہے۔ جب جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم راتوں رات بجانب غار تشریف لے جا رہے تھے۔ اس کے سوا اللہ تعالےٰ نے کس کو قرآن مجید کی نو آیات میں مومن کہا ہے۔ جس کو تو رکوع اور سجود میں ہمیشہ پڑھتا ہے ؛

۱۳۔ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ جو لوگ اپنے مال کو دن اور رات میں پوشیدہ

اورظاہراً اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے اجر ہے۔ ان کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا (بروز قیامت اور نہ وہ غمگین ہوں گے (سورۃ البقر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ آئت شریف جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور اس کا شان نزول یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ جناب امیر علیہ السلام کے پاس چار درہم تھے۔ آپ نے ان درہموں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دن اور رات کو پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر خرچ کر دیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے اس ماجرے کی اطلاع اپنے حبیب پاک کو دیکر اس آیت شریف کو نازل فرمایا۔

۲۴۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (سورہ الشعرا) اور پچھلوں میں میرے لئے ایک سچ کی زبان بنا۔ بعض لوگ اس آیت شریف کا جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہونا بیان کرتے ہیں بعض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب علی ابن ابی طالب دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ہر ایک اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس کی تحویل کرتا ہے۔ یہ دعا جناب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مانگی تھی۔ جبکہ ان کے سامنے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، یا جناب علی کی ولایت کو پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے دعا کی کہ یا الٰہی ان کو میری ذریت سے بنا چنانچہ خدا تعالےٰ نے ایسا ہی کیا۔ امام جعفر صادق رضؓ سے مروی ہے کہ سچ کی زبان سے مراد ہمارے جدامجد جناب علی ابن ابی طالب ہیں۔

۲۵۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (سورۃ الاحزاب) مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ "وکفی اللہ المؤمنین القتال بعلی" یعنی کفایت کی اللہ تعالےٰ نے لڑائی میں مومنوں کی ساتھ جناب علیؓ کے "وکان اللہ قویاً عزیزا" اور اللہ تعالےٰ قوی ہے عزت والا۔

۲۶ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ جناب امام حسینؓ علیہ السلام اس آیت شریف کی اس طرح تفسیر بیان فرماتے ہیں۔ کہ چراغ دان سے مراد جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور شجر مبارک سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

لا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ سے یہ مراد ہے۔ کہ جناب سیدۃ النساء نہ تو یہودی تھیں اور نہ نصرانی اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا یہ مطلب ہے۔ کہ ان سے امام کے بعد امام پیدا ہوتا رہیگا اور جسے چاہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے نور سے ہدایت کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری ولایت سے جس کو چاہے۔ ہدایت دیتا ہے ؛

۲۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّكُمْ اے ایماندار لوگو جس وقت تم رسول سے کوئی راز کہو۔ تو بیان کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔ کیونکہ راز کہنے سے پہلے صدقہ دینا تمہارے حق میں بہتر ہے ؛

اس آیت شریف کا نام نجوائے ہے۔ خود جناب امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ کہ اس آیت کے مطابق تو مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا ہے۔ اور نہ ہی کوئی میرے بعد کریگا۔ میں جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بھید کی بات پوچھتا تھا۔ تو پوچھنے سے پہلے ایک دینار صدقہ دے لیا کرتا تھا۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی سے فرمایا۔ کہ لوگوں کو کہہ دو۔ کہ وہ صدقہ دیا کریں۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ کس قدر صدقہ دیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک دینار۔ جناب علیؑ نے عرض کیا۔ کہ لوگوں میں اس قدر توفیق نہیں ہے۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ نصف دینا۔ پھر جناب امیر نے عرض کیا۔ کہ لوگوں کو اس قدر صدقہ دینے کی بھی توفیق نہیں ہے۔ پھر آں حضرت صلعم نے پوچھا۔ کہ کس قدر دینے کی طاقت ہے۔ جناب امیرؑ نے عرض کیا کہ صرف جو بھر سونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تو بہت ڈرنے والا ہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "ڈر گئے تم راز کہنے سے پیشتر صدقہ دینے سے" جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ میری وجہ سے اس اُمّت پر تخفیف ہوئی ؛

۲۸۔ وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا (الاحزاب) جو لوگ بغیر کسی قصور کے مومن مردوں اور مومن

عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔ وہ کھلا کھلا گناہ اور بہتان اٹھاتے ہیں۔
مقاتل بن سلیمان سے مروی ہے کہ یہ آیت شریف خاص جناب امیرالمومنین علیؓ ابن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ منافقین میں سے چند لوگ آپ کو ایذا دیا کرتے تھے۔ اور جھٹلایا کرتے تھے۔

۲۹۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر سے پوچھو (سورہ النحل) اس آیت شریف کی تفسیر کرتے ہوئے جناب جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جناب امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ کہ اہل الذکر ہم لوگ ہیں۔

۳۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔ جن کو آگے نیکی ٹھیر چکی ہے۔ وہ اس سے الگ رہیں گے۔ (سورہ الانبیاء) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس آیت شریف کو پڑھ کر فرمایا۔ کہ میں انہی میں سے ہوں۔

۳۱۔ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ (سورہ ص) کیا یہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم ان لوگوں کو جو نیکیاں کرتے ہیں۔ اور ایمان لانے والے ہیں۔ ان کے برابر کر دینگے جو زمین میں خرابی ڈالتے ہیں۔
اس آیت شریف کا شان نزول یہ ہے۔ کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں اور کفار کا آمنا سامنا ہوا۔ اور عتبہ۔ ولید شیبہ کفار کی طرف سے مبارز طلب کرنے لگے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار میں سے تین جوانوں کو ان کے مقابلے پر بھیجا۔ جب تینوں جوان حریفوں کے مقابلہ پر پہنچے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے اور تم کون ہو۔ انصار نے کہا کہ ہم انصار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہیں۔ تب حریفوں نے کہا کہ جاؤ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے کیونکہ تم ہماری کفو نہیں ہو۔ ہمیں قریش سے لڑنا ہے۔ چنانچہ تینوں اصحاب انصار واپس چلے آئے اور ماجرا سنا دیا۔ تب آپ نے جناب علی ابن ابی طالبؑ۔ حمزہؓ۔ عابیدہؓ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ تب یہ آیت اتری۔ بعض مفسر اس آیت کو انصار کے حق میں نازل ہونا بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے انصار کو حقیر جانا۔ اور اپنی بڑائی کا دم بھرنے لگے۔ لیکن بعض

مفسر اس آیت شریف کو جناب علی اور ان کے رفقا کے حق میں بیان کرتے ہیں۔ کہ کافروں نے ان کو برابر سمجھا حالانکہ کافر لوگ ان کی برابری نہیں کر سکتے۔

۳۲ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ (سورۃ الاحزاب) اور قرابت والے بعض بعض سے نزدیک ہیں خدا کی کتاب میں مومنین اور مہاجرین میں سے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ اس آیت شریف میں جس کا ذکر ہے وہ جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ جو مومن مہاجر اور صاحب قرابت تھے۔

۳۳۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ حضرت ابن عباس اس آیت شریف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ والسابقون السابقون سے کون مراد ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے بھائی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے کہا تھا کہ اس سے جناب علی ابن ابی طالب مراد ہیں۔

۳۴۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورہ آل عمران) سب ملکر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے کی رسی ہم اہل البیت ہیں۔ جس کو مضبوطی سے پکڑنے کا اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ یعنی وہ ہماری تابعداری کریں۔ اور ہماری اطاعت سے منحرف ہو کر آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔

۳۵۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ حضرت ابن عباسؓ اس آیت شریف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یوشع بن نون نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف الیاسین نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرف اور جناب علی ابن ابی طالب نے حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایمان لانے میں سبقت کی ہے۔

۳۶۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (سورۃ الفرقان) اور وہ اللہ وہ ہے کہ جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔ اور پھر اسکے لئے نسب اور سسرال بنایا

محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الخ محبوب رب العالمین شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ آپ نسب میں سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم اور زوج حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے سسرال ہیں۔

۳۷ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ اور بعض لوگوں میں سے وہ ہے۔ جو اپنی جان کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی کے لئے بیچتا ہے اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔

مفسرین اس آیت کریمہ کا شان نزول اس طرح بیان کرتے ہیں۔ کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم رب ارحم جناب علی ابن ابی طالب کو ہجرت کی رات اپنے بستر مبارک پر سلا کر عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ تو خالق اکبر اللہ تبارک وتعالےٰ نے جناب جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ کہ میں نے تم دونوں کو آپس میں بھائی بنایا ہے۔ تم دونوں میں سے ایک کی عمر کم ہے۔ کیا تم دونوں میں سے کوئی ایسا ہے۔ جو اپنی عمر کے حصے کو دوسرے بھائی کو بخش دے۔ لیکن دونوں مقرب فرشتوں نے کمی عمر کو گوارا نہ کیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ تم دونوں علی ابن ابی طالب کی برابری نہیں کر سکتے۔ دیکھو میں نے علی ابن ابی طالب کو اپنے برگزیدہ رسول سید المرسلین رحمتہ للعالمین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی بنایا ہے۔ اور وہ اس وقت اپنے بھائی کے بستر پر سو رہا ہے۔ باہر دروازہ پر اعدا شمشیر برہنہ لے کر کھڑے ہیں۔ مگر جناب علی ابن ابی طالب میرے رسول پر سے اپنی جان کو قربان کرنے سے نہیں ہچکچایا۔ اس نے تکلیف برداشت کرنا یا جان کو فدا کر دینا منظور کیا۔ مگر یہ گوارا نہیں کیا۔ کہ اس کے بھائی سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف پہنچے چنانچہ اس کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ لہٰذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم دونوں جاؤ۔ اور میرے برگزیدہ رسول کے بھائی علی ابن ابی طالب کی حفاظت کرو۔ چنانچہ حکم ایزدی پاتے ہی

دونوں مقرب فرشتے زمین پر اُترے۔ جناب جبرائیل علیہ السلام حضرت امیرؑ کے سرہانے کی طرف اور جناب میکائیل علیہ السلام پائینتی کی طرف کھڑے ہو کر ساری رات ان کی حفاظت کرتے رہے۔ اور کہتے رہے۔ آفرین صد آفرین اے ابن ابی طالب اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے تیری ذات پاک پر فخر کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اس واقع کی اطلاع اپنے حبیب کو دی اور آیت مَنْ یَّشْرِیْ الخ نازل فرمائی۔

۳۸۔ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ اے رسول پہنچا دے لوگوں تک اس چیز کو جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوئی ہے۔

تمام مفسر اس بات پر متفق ہیں۔ کہ یہ آیت شریف ۱۸ ماہ ذوالحج کو غدیر خم کے روز نازل ہوئی جس کے نازل ہونے پر آں حضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ جس کا میں مولا ہوں۔ علی بھی اس کا مولا ہے۔ چنانچہ آپ کے اس فرمان پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جناب علی رضؓ کو مبارک دی جس کا ذکر اسی باب میں آیت الیوم اکملت لکم الخ کی تحت میں آچکا ہے۔

۳۹۔ سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ
ترجمہ ایک مانگنے والے نے مانگا عذاب کو جو کافروں کو ہونے والا ہے۔ اور اس عذاب کو دفع کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے۔ جو سیڑھیوں والا ہے (سورۃ المعارج)

اس آیت شریف کا شان نزول اسی طرح پر ہے کہ جب غدیر خم کے روز حبیب رب اکبر ساقی حوض کوثر آں سرور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ" فرمایا اور یہ حدیث شریف تمام عوام الناس تک پہنچ گئی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس کا میں مولا ہوں۔ علی بھی اس کا مولا ہے تو حارث بن نعمان الفہری اس حدیث شریف کو سنکر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ نے ہم کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کا حکم دیا۔ ہم نے اس کو مان لیا نماز پڑھنے روزے رکھنے زکوٰۃ دینے اور حج کرنے کے احکام دئے ہم نے ان کو بھی مانا۔ اور بسر وچشم تعمیل کی۔ اب آپ نے اپنے ابن عم کو ہم پر فضیلت دی ہے اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ" فرمایا ہے۔ کیا یہ حکم منجانب اللہ ہے یا صرف آپ کا

ارشاد ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔ کہ قسم ہے۔ اس ذات پاک کی کہ جس کے قبضے میں میری اور ساری کائنات کی جان ہے اور کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ حکم مجھے اس پروردگار نے دیا ہے میں نے اپنی طرف سے حکم نہیں دیا ہے۔ حارث بن النعمان الفہری یہ سن کر غصے سے بھرا ہوا اٹھا۔ اور کہنے لگا کہ یا الٰہی جو کچھ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو ہم پر (معاذاللہ) آسمان سے پتھر برسا یا ہم کو سخت عذاب پہنچا۔ چنانچہ حارث مذکور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر چند قدم ہی گیا ہوگا۔ کہ اس کی دعا ہدفِ اجابت تک پہنچی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک پتھر اس کے سر پہ مارا اور وہیں واصل جہنم ہوگیا۔ اس کے بعد۔ یہ آیت نازل ہوئی ؀

۴۰۔ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَ یَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ (سورۃ ہود) یہ آیت شریف جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ **روایت** ہے۔ کہ ایک دن جناب امیرؑ نے منبر پر فرمایا کہ قریش میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے۔ کہ جس کے حق میں کوئی آیت نازل نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ ایک شخص نے اٹھ کر جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ امیرالمؤمنین آپ کی شان میں کونسی آیت نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو اگر مجھ سے علیحدگی میں پوچھتا۔ تو میں ہرگز نہ بتاتا۔ لیکن چونکہ تم نے عامۃ الناس کے درمیان پوچھا ہے۔ اس لئے میں تجھ سے بیان کرتا ہوں۔ کیا تو نے کبھی سورہ ہود کو نہیں پڑھا۔ اس کے بعد آپ نے آیت متذکرہ بالا کو پڑھا۔ اور فرمایا۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ کی طرف سے دلیل روشن پر ہیں۔ اور میں شاہد ہوں یعنی اس کی طرف سے گواہ ہوں ؀

۴۱۔ ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ یُصْھَرُ بِہٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ وَالْجُلُوْدُ وَلَھُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْھَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ

(سورۃ الحج) یہ آیت کریمہ اصحاب بدر اور ان کا مقابلہ کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے - دونوں فریقوں میں سے ایک فریق رسول خدا صلعم کا مراد ہے - اور دوسرا فریق قریش مکہ کا جو برسر مقابلہ تھا جن کے حق میں سخت عذاب کی وعید آئی ہے اور مسلمانوں کے حق میں جو جنگ بدر میں شریک تھے۔ نعمائے الٰہی کی بشارت ہے۔ چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ بدر میں شریک تھے - اس لئے آیت کریمہ جناب علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں بھی نازل ہوئی ہے۔

۴۲ - اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لَا یَسْتَوٗنَ (سورہ السجدہ) آیا وہ شخص جو مومن ہے اس کی مثل ہو سکتا ہے۔ جو کہ منافق ہے۔

یہ آیت خاص جناب امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس کا شان نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن ولید پلید جناب علی کرم اللہ وجہہ سے کہنے لگا۔ کہ تم سے تیز نیزے والا تیز زبان اور بھاری تلوار والا ہوں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ بس چپ رہ کیونکہ تو فاسق ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مومن اور فاسق دنیا و آخرت میں ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے مومن ہمیشہ بڑھ کر رہے گا۔

۴۳ - وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ط اور وہ شخص جو آیا ساتھ سچ کے اور وہ جس نے اس کی تصدیق کی - وہی لوگ مخلصی پانے والے متقی ہیں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضہ سے آیت شریف کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں والذی جاء بالصدق سے مراد جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں - اور جس نے اس کی تصدیق کی - یعنے صدق بہ" سے مراد جناب علی ابن ابی طالب ہیں - جن کی نسبت اللہ تعالےٰ " اولئک ہم المتقون" فرماتا ہے۔

۴۴ - اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ (سورۃ التوبہ) کیا تم حاجیوں

کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کی تعمیر کے کام کو اس شخص کے کام کی مانند سمجھتے ہو۔ جو اللہ تعالےٰ اور قیامت پر ایمان لایا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرتا ہے۔ (یاد رہے) وہ لوگ اللہ تعالےٰ کے نزدیک آپس میں برابر نہیں ہیں۔

یہ آیت بھی خاص جناب علی ابن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب امیر علیہ السلام اور عباس طلحہ وغیرہما رضی اللہ عنہم آپس میں بیٹھے بیٹھے اپنی اپنی بڑائی بیان کرنے لگے۔ جناب طلحہ ابن ابی شیبتہ رضؓ نے کہا کہ میں متولی خانہ کعبہ ہوں۔ اگر میرا دل چاہے۔ تو میں ہر وقت اسی جگہ رہا کروں حضرت عباس رضؓ نے کہا کہ میں چاہِ زمزم کا متولی ہوں۔ اخیر میں جناب علی المرتضےٰ نے فرمایا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ کہ تم خانہ کعبہ کے متولی ہو۔ یا چاہِ زمزم کے کچھ ہو۔ لیکن میں نے تمام لوگوں سے چھ ماہ پہلے نماز پڑھی ہے۔ اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا ہوں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر جناب امیر علیہ السلام کی فضیلت کو بیان فرمایا۔

۴۵۔ اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (سورۃ النساء) یہ آیت کریمہ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ لوگ حسد کرتے ہیں۔ اس شخص پر جس کو اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے"۔ اہل البیت کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی یہ شان اور فضیلت ان کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے دی ہے۔ بعض لوگ خواہ مخواہ حسد کرتے ہیں۔

۴۶۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ تابعداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر ہو۔

امام جعفر صادق رضؓ سے کسی شخص نے اولوالامر کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ جد امجد جناب علی ابن ابی طالب صاحبانِ امر میں سے تھے۔

۴۷۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ۔ ترجمہ جب پیش کی گئی۔ مریم کے بیٹے کی مثال تب ہی تیری قوم چلانے لگی۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ یا علی رضؓ تیری مثال بعینہٖ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثال ہے۔ کہ جن

طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہاں تک محبت کی اور اتنی فضیلت دی کہ اس کو ابن اللہ اور پھر خدا ہی بنا دیا۔ پس قوم کافر ہوگئی اور یہودیوں نے جناب عیسےٰ علیہ السلام کے مرتبہ کو یہاں تک گھٹایا کہ دخاکم بدہن نعوذ باللہ من ذلک) ان کو حرامزادہ بنا دیا۔ پس وہ بھی کافر ہو گئے۔ اے علیؑ یہی حال تمہارا ہے۔ ایک گروہ تم سے اس قدر محبت کرے گا۔ کہ وہ تمہاری محبت کی وجہ سے دوزخ میں جائیگا پھر آپ نے فرمایا۔ کہ کیا منافق لوگ راضی نہیں ہیں۔ کہ ان کے لئے حضرت عیسےٰؑ کی مثال موجود ہے ؛

۴۹ - كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (سورہ عیسےٰ) کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے درمیان اور جس کو خبر ہے کتاب کی"

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آیت کریمہ میں ومن عندہٗ علم الکتٰب سے مراد جناب امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی ہے ؛

۵۰ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ پھر وارث ہیں ہم نے ان لوگوں کو کتاب دی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا (سورۃ الفاطر) جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ جن لوگوں کو برگزیدہ کر کے اللہ نے کتاب دی ہے۔ وہ ہم لوگ ہیں۔ جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں ؛

۵۱ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورۃ النور) ان گھروں میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بلند کئے جانے اور ان میں اپنے نام کا ذکر کئے جانے کا حکم کیا ہے صبح اور شام اس کے لئے تسبیح کرتے ہیں ؛

جناب انس بن مالک اور بریدہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پڑھی فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ الخ تو ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون سے گھر ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے گھروں سے مراد ہے یہ سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کیا۔ یہ گھر (جناب علیؓ اور فاطمۃ الزہراؓ کا گھر) بھی انہی گھروں میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں بلکہ ان کے بہترین میں سے ہے ؛

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کو بخوف طوالت نظر انداز کر کے صرف انہی مندرجہ بالا آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اب ہم وہ احادیث اور اقوال بزرگان درج کرتے ہیں۔ جو آپ کی یا اہل البیت کی شان میں وارد ہیں ؛

احادیث و اقوال بزرگان

امام احمد حنبلؒ فرماتے ہیں۔ کہ جس قدر فضیلت جناب علی رضی اللہ عنہ کی احادیث سے ثابت ہوتی ہے۔ اور کسی صحابی کی نہیں ہوتی ؛

اگرچہ بہت سی احادیث ہم آیات کی تحت میں ہی لکھ آئے ہیں لیکن تاہم بقدر گنجائش اس جگہ بھی ہدیہ ناظرین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے ؛

حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرقل قیصر روم کے عرب پر حملہ آور ہونے کی افواہ سنکر تبوک کی طرف گئے۔ تو جناب علی کرم اللہ وجہہٗ کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ چھوڑ گئے۔ تو بعض منافق کہنے لگے۔ کہ چونکہ ایک زبردست سلطنت سے مقابلہ تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم علیؓ کو چھوڑ گئے ہیں۔ کہ ان کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے۔ اور دوسروں کے خویش و اقارب کو جنگ کے لئے ساتھ لے گئے ہیں۔ بعض منافق اس سے بڑھ کر اور طعنہ زنیاں کرنے لگے۔ کہ بس اس کی شجاعت ختم ہوگئی۔ بھلا آپ کی غیور طبیعت ان طعنوں کی کب متحمل ہو سکتی تھی۔ چنانچہ آپ بھی تیار ہو کر عازم تبوک ہوئے جلدی جلدی شب و روز سفر طے کر کے اثنائے راہ میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض حال بیان کیا اور عرض کیا۔ کہ میں کسی حال میں بھی پیچھے نہیں رہوں گا۔ اور حضور کے ہمراہ ہی رہونگا تب آپ نے فرمایا۔ کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہوتے ہو کہ میں تم کو ٹھیک اسی طرح اپنے پیچھے خلیفہ بنا کر چھوڑتا ہوں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا کر چھوڑا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو نبی آئے۔ مگر میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد اور کوئی نبی نہیں آئیگا۔
چنانچہ آپ واپس مدینہ منورہ میں چلے آئے۔

ترمذی اور بریدہ نے حاکم سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے چار آدمیوں سے خصوصاً محبت رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ان کے نام تبلائیے تب آپ نے فرمایا کہ ایک ان میں سے حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ منافق کو حضرت علیؓ کی عداوت سے پہچانا جاتا ہے۔

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جب مجھ کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یمن میں قاضی بنا کر بھیجا۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ناتجربہ کار ہوں۔ معاملات کا تصفیہ کرنا مجھے نہیں آتا۔ تب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ یا الٰہی اس کے قلب کو روشن کر دے اور اس کی زبان میں استقلال دے۔ قسم ہے خداوند کریم کی کہ اس دن سے کسی معاملے کا تصفیہ کرنے میں مجھے کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔

حمید بن عبداللہ بن یزید مدنی سے منقول ہے۔ کہ ایک دفعہ جناب رسول خدا صلعم کی خدمت میں حضرت علیؓ کے ایک فیصلے کا تذکرہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تعجب فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے۔ جس نے اہل بیت کو حکمت عطا کی ہے۔

ام المؤمنین ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں مجھ سے جدا ہونے کے بعد قیامت کے دن حوض کوثر پر مجھے آملیں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ چند آدمی خدمت نبوی میں جناب علی ابن ابی طالب کی شکایت لے کر آئے۔ آپ شکایت سننے کے بعد کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کہ علیؓ کی شکایت نہ کر۔ کیونکہ وہ معاملات خدا میں نہایت سخت ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا تھا۔ اور میں سنتا تھا۔ کہ دو شخص دنیا میں شقی ترین ہیں۔ ایک تو احمر ہے۔ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ اور دوسرا وہ بدبخت ہے۔ جو تیرے سر پر تلوار مار کر تیری داڑھی کو جسم سے جدا کرے گا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والیہ وسلم کے آخری کلمات یہ ہیں کہ میرے بعد تم میرے اہل البیت کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص بین رکن اور مقام کے اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ اور روزہ رکھے۔ پھر اللہ تعالےٰ اسے جا ملے (مر جائے۔) تو اگر وہ آل محمد صلعم سے بغض رکھتا ہوگا۔ تو باوجود اس قدر عبادت کے بھی دوزخ میں ڈالا جائیگا

جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص محمد صلعم) اور اس کی آل پر سو دفعہ درود پڑھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالےٰ اس کی سو حاجتوں کو بر لاتا ہے۔

جناب سرور کائنات مفخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اے ایماندار لوگو تم مجھ پر ناقص درود نہ پڑھا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ امی وابی) ناقص درود کیا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم درود پڑھتے وقت میری آل کو ساتھ شامل نہیں کرتے۔ اور صرف اللھم صل علیٰ محمد کہکر خاموش ہو جاتے ہو۔ بلکہ اس طرح پڑھا کرو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میں علم کا ترازو ہوں۔ اور علیؓ اس کا پلہ ہیں۔ حسنین اس کی رسیاں ہیں اور فاطمۃ الزہراؓ اس کا علاقہ ہیں۔ اور میری اُمت کے امام اس کے عمود ہیں جس میں ہم سے محبت کرنے والوں اور بغض رکھنے والوں کے اعمال وزن کئے

جاتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ جناب سرور کائنات محبوب قاضی الحاجات صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ فاطمہ۔ علیؓ اور حسنین علیہم السلام درگاہِ ایزدی میں قیامت کے دن سفید گنبد میں ہوں گے۔ جس کی چھت اللہ تعالےٰ کا عرش ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ ایک عربی کمان پر سہارا لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور آپکے اہل البیت جناب علی ابن ابی طالب حضرت فاطمۃ الزہرا اور جناب حسنین علیہم السلام بھی تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! میں ان کے ساتھ صلح کرنے والوں سے صلح کرنے والا ہوں۔ اور ان کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے جنگ کرنے والا ہوں۔ اور اس کو دوست رکھتا ہوں۔ جو ان کو دوست رکھے گا۔ ان کو وہی دوست رکھیگا جو نیک بخت پاک ولادت والا ہے۔ اور ان کو وہی دشمن رکھے گا جو بدبخت ناپاک ولادت والا ہوگا۔

ابن عباسؓ اور ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا ہے کہ میرے اہل البیت تم لوگوں سے ایسے ہیں جس طرح کہ بنی اسرائیل میں توبہ کا دروازہ۔ جو شخص اس میں داخل ہوا۔ وہ بخشا گیا۔ یعنی جس شخص نے میرے اہل بیت کی تابعداری کی اور ان سے محبت رکھی وہ مغفور ہوگیا۔

عمر بن جموح سے مروی ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب سے فرمایا۔ کہ تمہیں جنت کا چارپایہ دکھائیں۔ جو کھانا کھاتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ پھر جناب علیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ یہ ہے جنت کا چارپایہ۔

جناب ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جناب سرور کائنات خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ میری مسجد ہر حائضہ عورت اور ہر جنب والے مرد پر حرام ہے۔ مگر محمد صلعم پر اور اہل البیت علیؑ۔ فاطمہ اور حسنین علیہم السلام پر حالت حیض یا جنب میں داخل ہونا حرام نہیں ہے یہی حکم ہر ایک مسجد کی نسبت ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ نے پنجتن پاک کو بہر حال پاک وطیب پیدا کیا۔ ہر حال میں پاک و ہے آیہ تطہیر ان کی شان میں نازل ہوئی۔ اس لئے جناب رسول مقبول صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے سوا اور کوئی شخص مسجد میں ناپاک حالت میں نہیں جا سکتا۔

شروع شروع میں جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تیار ہوئی۔ تو بہت مہاجرین کے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے اور اگر ان کو باہر جانا ہوتا تھا۔ تو مسجد میں سے گزر کر جانا پڑتا تھا چونکہ عورت و مرد کے لئے حیض وجنب کا ہونا ضروری ہے اور ان دونو حالتوں میں عورت یا مرد ناپاک ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے پیارے نبی اور اس کے اہل البیت کے سوا باقی تمام اصحاب کے دروازے مسجد کی طرف سے بند کرا دیئے۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں۔ احادیث ذیل۔

۱۔ عن سعد ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امر بالابواب فسدت وترک باب علی فاتاہ العباس فقال یا رسول اللہ سددت ابوابنا وترکت باب علی فقال ما انا سددتہا ولکن اللہ سدہا۔ ترجمہ سعد بن وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے دروازوں کو جو مسجد نبوی کی طرف تھے بند کر دینے کا ارشاد فرمایا۔ لیکن جناب علیؓ کے گھر کے دروازے کو بند نہ کرایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم آپ نے جناب علیؓ کے دروازے کو بند نہیں کرایا۔ لیکن ہمارے دروازوں کو بند کرا دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے ان کے دروازوں کو بند نہیں کرایا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دروازوں کو بند کرایا ہے۔

۲۔ عن عربی قال لما امر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم بسد الابواب التی فی المسجد شق علیہم قال حبہ کانی انی لانظر حمزۃ بن عبد المطلب ہو تحت قطیفۃ حمراء وعیناہ تذرفان ویقول اخرجت عمک وابابکر وعمر والعباس واسکنت ابن عمک فعلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قد شق علیہم فنودی الصلوٰۃ جامعۃ حتی در المنبر فلم یسمع من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبۃ کان ابلغ منہا تحمیداً وتوحیداً فلما فرغ قال ایہا الناس ما انا اسددتہا ولا انا فتحتہا ولا انا اخرجتکم واسکنتہ ولکن واللہ ہو امر بہ ثم قرء والنجم اذا ہوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی علمہ شدید القوی۔

جناب حبہ عربی رض سے روایت ہے۔ کہ جب اللہ تعالےٰ نے جناب رسول اللہ علیہ کو صحابہ کرام کے ان دروازوں کو جو مسجد نبوی میں تھے۔ بند کرانے کا حکم دیا۔ تو لوگوں کو ان دروازوں کا بند کر دیا جانا نہایت ناگوار گزرا۔ حبہ جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ میری نظروں میں وہ سماں اب تک نظر آرہا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ سرخ لنگی اوڑھے ہوئے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض معروض کر رہے ہیں۔ کہ آپ نے اپنے چچا حمزہ اور عباس اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کو تو مسجد سے نکال دیا ہے لیکن اپنے چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب کو مسجد ہی میں رہنے دیا ہے جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ دروازوں کا بند کرایا جانا لوگوں پر شاق گزرا ہے۔ تو آپ نے نماز کی منادی کا حکم دیا۔ اور منبر پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید و تمجید و بلیغ خطبے کے بعد فرمایا۔ کہ اے لوگو! ان دروازوں کو میں نے نہ تو بند کیا ہے۔ اور نہ کھولا ہے۔ نہ تو علی کو مسجد میں میں نے رکھا ہے۔ اور نہ ہی تم کو مسجد سے نکالا ہے۔ پھر آپ نے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کی تلاوت فرمائی جن کا ترجمہ یہ ہے۔ قسم ہے ستارے کی جبکہ وہ گرا نہیں گمراہ ہوا۔ تمہارا صاحب اور نہیں بھٹکا۔ اور نہ ہی اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ لیکن جب اس کیطرف وحی بھیجی جاتی ہے۔ بڑی سخت قوتوں والا اس کو سکھاتا ہے ٭ عن عدی بن ثابت قال خرج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم الی المسجد فقال ان اللہ اوحی الی نبیہ موسیٰ ان ابن لی مسجدا طاہرا لا یسکنہ الا موسیٰ وہارون و ابنا ہارون وان اللہ اوحی الی ان ابن لی مسجدا طاہرا لا یسکنہ الا انا و علی ابنا علی یعنے حضرت عدی بن ثابت رض سے مروی ہے۔ کہ ایک دن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکل کر ارشاد فرمانے لگے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی کہ میرے لئے ایک پاک مسجد تعمیر کر جس میں موسےٰ ہارون اور ہارون کے بیٹوں کے سوا اور کوئی نہ رہے یعینہٖ اسی طرح اللہ تبارک وتعالےٰ نے وحی بھیجکر مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میرے لئے ایک پاک مسجد تعمیر کر جس میں میرے علیؑ اور علیؑ کے بیٹوں کے سوا اور کوئی نہ رہے۔

۴۔ عن علی قال اخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدی فقال ان موسیٰ

سال ربہ ان یطہر مسجدہ بہارون دانا سالت ربی ان یطہر مسجدی بک ثم ارسل الے ابی بکران یسد بابک قال سمعنا واطعنا فسد بابہ ثم ارسل الی عمر بمثل ذلک ثم ارسل الی العباس بمثل ذلک ثم قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ما انا سددت ابوابکم وفتحت باب علی ولکن اللہ سد ابوابکم ؎

اس حدیث شریف کا جو جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے یہ مطلب ہے۔ کہ ایک دن جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہ جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی سے دعا مانگی تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ ان کی مسجد کو ہارون علیہ السلام کے ساتھ پاک کرے پھر میں نے بھی اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی کہ میری مسجد کو تجھ سے پاک کرے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف حکم بھیجا تاکہ وہ اپنا دروازہ مسجد کی طرف سے بند کر دیں چنانچہ انہوں نے سمعنا واطعنا کہہ کر ارشاد نبویؐ کی تعمیل کی پھر ایسا ہی حکم جناب فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا انہوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی طرح سُنا اور اطاعت کی کہ مسجد کی طرف کا دروازہ بند کر لیا۔ پھر حضرت عباسؓ کو کہلا بھیجا۔ اور فرمایا۔ کہ میں نے تمہارے دروازوں کو بند نہیں کیا۔ اور نہ ہی علیؑ کے دروازے کو کھولا ہے بلکہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے دروازوں کو بند کیا ؎

۵۔ عن زید بن ارقم قال لنفر من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابواب شارعۃ فی المسجد فقال یوما سدو ہذا الابواب الاباب علی قال فتکلم فی ذلک اناس فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فحمد اللہ واثنی علیہ قال اما بعد فانی امرت لسد ہذا الابواب غیر باب علی فقال فیہ انی و اللہ ما سددت شیئا ولا فتحتہ ولکنی امرت لشئی فاتبعتہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے چند اصحابیوں کے دروازے آمد و رفت کے لئے مسجد نبوی میں سے تھے ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ سب لوگ سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے اپنے دروازے مسجد میں سے بند کر دیں پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور خطبہ میں اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے نہ تو کسی کے دروازے کو بند کرایا ہے اور نہ

ہی کھولا ہے۔ میں نے وہی کیا ہے جس کا حکم مجھے اللہ تبارک وتعالےٰ نے دیا ہے۔

(۶) حرب بن مالک حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ میں جاکر سعد بن ابی وقاص سے پوچھا۔ کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی منقبت بیان فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سب مسجد نبوی میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سوا جناب علی علیہ السلام اور آپ کی آل کے باقی سب لوگ مسجد سے نکل جائیں۔ چنانچہ ہم سب نے اس فرمان کی تعمیل کی۔ صبح کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے چچا اور دیگر صحابہ کو تو مسجد سے نکال دیا ہے۔ لیکن اس لڑکے (علی) کو رکھ لیا ہے۔ تب آپ نے فرمایا۔ ما انا امرت باخراجکم ولا بامکان ہذا الغلام ان اللہ ہوامر بہ یعنی میں نے اپنی طرف سے تمہارے نکل جانے اور اس لڑکے (علیؑ) کو رہنے دینے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ خدا نے حکم فرمایا ہے۔ اسی قسم کی اور بہت سی احادیث مختلف صحابہ سے مروی ہیں۔ جن سے جناب علیؑ کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ تمام احادیث اپنی شارح آپ ہیں ان پر کسی قسم کی مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ آپ کا دولت خانہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر کے عین درمیان تھا۔

عورتوں میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور مردوں میں جناب امیر علیہ السلام نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس لئے ایمان لانے میں سب سے سابق ہونے کے لحاظ سے بھی آپ کو فضیلت حاصل ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔ میرے بعد اس امت کا سب سے بہتر اور سب سے پہلے اسلام لانے والا علی ابن ابی طالب ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لایا اور تو نے میری تصدیق کی ہے۔

حضرت ابوسعید الخدری اور معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یا علیؑ تجھ میں سات خصلتیں ایسی ہیں۔ کہ قیامت کے دن کوئی شخص ان میں سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تو اللہ پر ایمان لانے میں سب

مومنوں سے اوّل ہے اور خدا کے عہد کو پورا کرنے میں ان سب سے برتر رعیت پر مہربانی کرنے میں سب سے زیادہ مہربان برابر بانٹنے میں سب سے برتر رعیت پر مہربانی کرنے میں سب سے زیادہ مہربان برابر بانٹنے میں سب سے زیادہ پورا تقسیم کرنے والا جھگڑوں کے فیصلے کرنے میں سب سے زیادہ علم والا۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس ان سب سے زیادہ مرتبے والا ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جناب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے دن حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور جناب علی ابن ابی طالب نے منگل کے دن نماز میرے ساتھ ادا کی پیشتر اس کے کہ کوئی اور شخص نماز میں ہمارے ساتھ شریک ہوتا۔

مختصر یہ کہ جناب امیر علیہ السلام کے سابق الاسلام ہونے پر تمام اُمت کا اجماع ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کہ سب سے پہلے جناب امیرؓ مشرف اسلام ہوئے۔ مندرجہ بالا احادیث اور اقوال بزرگاں کو بغور مطالعہ کرنے سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلے جناب امیر علیہ السلام ہی ایمان لائے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ جناب علیؓ نے اپنے باپ کے خوف سے اسلام کا اخفا کیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس دن اسلام قبول کیا۔ اُسی دن اسلام کا اظہار بھی کر دیا۔ اور کہ حضرت ابوبکرؓ کے اظہار کے بعد جناب امیرؓ نے اپنا اسلام ظاہر کیا۔ اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اقرار و اظہار اسلام ایک ہی وقت میں ہوا۔ لیکن جناب امیر رضی اللہ عنہ کا اپنے ایمان کا اخفا کرنا اور وہ بھی اپنے باپ ابو طالب کے ڈر سے اس حالت میں جبکہ جناب ابو طالب آپ کو یہ حکم دیتے ہوں۔ کہ اے میرے بیٹے اپنے ابن عم کی تابعداری کرو۔ وہ ہر حال میں تمہیں خیر کی ہی دعوت دے گا۔ کیا نامعقول بات معلوم ہوتی ہے اور جو لوگ جناب امیر علیہ السلام پر اخفائے اسلام کا مذموم الزام لگاتے ہیں۔ ان کے تمام دلائل لغو اور ناقابل سماعت ہیں۔ اور ان بیہودہ دلائل کے مطیعوں کے لئے حضرت عفیف کندیؓ کی روایت جو اقوال بزرگان میں بیان کی جائیگی۔ اور احادیث مندرجہ بالا کافی ہیں۔ کیا جناب امیر علیہ السلام پر اخفائے اسلام کا

شرمناک الزام دینے والے احادیث نبوی سے مُنہ موڑکر آخرت کی روسیاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں آپ کی ذات بابرکات پر اخفا کا مذموم الزام درحقیقت رخاکم بدہن نعوذ باللہ من ذٰلک) آپ کی تذلیل کرنے کے مترادف ہے جس کی سزا دوزخ کا عذاب الیم ہے۔ جس سے مخلصی ناممکن ہے ؛

بعض لوگ جناب امیرؑ کا سابق الاسلام ہونا تو تسلیم کرتے ہیں لیکن ساتھ اس کے یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ چونکہ امیر علیہ السلام نے بلوغت سے پہلے اسلام قبول کیا ہے اس لئے ان کا اسلام بمقابلہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ وغیرہم صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سابقین اسلام کے جنہوں نے بحالت پختہ سالی یا جوانی کے اسلام قبول کیا ہے افضل نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن یہ اعتراض بھی کوئی معقول اعتراض نہیں ہے کیونکہ کوئی ایسی شرعی حجت موجود نہیں ہے کہ کسی ہوشیار پختہ مغز اور ذکی مگر نابالغ لڑکے کا اسلام قبول نہ کیا جائے بلکہ یہی وجہ ہے کہ جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک عاقل ہوشیار مگر نابالغ لڑکے کا اسلام قابل قبول ہے اگر نابالغ کا اسلام قبول نہ ہوتا تو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی جناب امیر علیہ السلام کو اسلام کی دعوت نہ دیتے۔ اور ان کی سبقت اسلام کے متعلق کوئی حدیث نہ فرماتے۔ اگر نابالغ بچے کا اسلام ناقابلِ قبول ہوتا تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حسنین رضؓ عبداللہ بن جعفر۔ عبداللہ ابن زبیر۔ اور جعفر بن زبیر سے ہرگز بیعت نہ لیتے۔ حالانکہ ان ممدوحین کی عمر بیعت کے وقت صرف سات سات سال کی تھی۔ اور پوری پوری تمیز بھی نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ اعتراض بھی جناب امیر علیہ السلام کی فضیلت پر ہی دال ہے کہ وہ ایسی عمر میں اسلام لائے جب کہ وہ عمر قدرتی طور پر کھیل وکود کی طرف طبیعتوں کو راغب کرتی ہے ایسی عمر میں مسائل توحید کو سمجھنا آپ کی پختگی عقل خداداد کی دلیل ہے۔ اور یہی دلیل آپ کی فضیلت کو ظاہر کرتی ہے کہ جس مسئلے کو سن رسیدہ اور نوجوان آدمیوں کی عقلیں نہ سمجھ سکیں۔ اس کو آپ نے لڑکپن میں ہی سمجھ لیا ؛

اسلام لانے کے وقت آپ کی عمر قریباً تیرہ سال کی تھی اور یہ عمر کوئی بالکل ناسمجھی اور طفولیت کی عمر نہیں ہے۔ اس عمر میں ہوشیار اور ذکی بچے اکثر اوقات

ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جن کے سننے سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور اس قسم کی بکثرت مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس عمر میں کئی بچوں نے زمام حکومت کو ہاتھ میں لیا ہے اور اس قدر دانشمندی اور عقل سے انہوں نے کاروبارِ حکومت کو سنبھالا ہے۔ کہ بڑے بڑے ماہران سیاست دنگ ہیں۔ چہ جائیکہ جناب علیؓ کی پختگی عقل میں شک لاکر نابالغی کی اوٹ میں ان کا اسلام نہ قبول کیا جائے۔ درآنحالیکہ جناب کی پرورش و تربیت بھی کنار نبوی میں ہوئی ہو۔ اور جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ان کو دعوت اسلام دیں۔ اور پھر ان کے اسلام قبول کرلینے پر فخریہ اس کی فضیلت بیان کریں ؛

جناب امیر علیہ السلام کے فضائل دیگر انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مانند تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو حکم میں حضرت نوح علیہ السلام کو حلم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور جمال میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنا چاہتا ہو۔ تو وہ جناب علی ابن ابی طالب کو دیکھ لے ؛

یہی حدیث شریف دوسرے صحابہ کرام سے بھی مروی ہے۔ البتہ بعض راویوں نے بہت سے پیغمبروں کے ساتھ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب علیؓ کو تشبیہ دینا بیان کیا ہے۔ اور بعض نے تھوڑے انبیاء کرام کے اسماء مبارک کو اپنی روایت میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث شریف کے صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔ کیونکہ جب "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" کے مطابق جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے عالم لوگ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی مثل ہیں۔ تو جناب امیر علیہ السلام کیوں نہ دیگر انبیاء کرام سے افضل ہوں گے ؛

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لوگوں کے درمیان ایسے ہیں۔ جیسے سورۂ اخلاص یعنے قل ہو اللہ قرآن مجید میں ہے ؛

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ

وسلم نے کہ جناب علی مثل کعبہ کے ہیں۔ اس کی طرف نگاہ کرنا عبادت ہے۔ اور اسکا حج فرض ہے۔ جابر بن عبداللہ ابو ایوب انصاری اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق اس امت پر ایسا ہے جیسے کہ باپ کا اپنے بیٹے پر ہوتا ہے ⁂

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب سرور کونین نے جناب امیر علیہ السلام کو ایک لشکر میں روانہ کیا۔ جب آپ مظفر و منصور واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ اور اسکا رسول اور جبرائیل تجھ سے راضی ہیں ⁂

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب سرور کونین محبوب رب المشرقین والمغربین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے جبکہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کی رات میں اللہ تعالےٰ نے آپ سے کس کی آواز میں کلام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ علی ابن ابی طالب کی آواز میں اللہ تعالےٰ مجھ سے ہمکلام ہؤا میں نے عرض کیا۔ کہ اے میرے رب مجھ سے تو باتیں کر رہا ہے۔ یا علی۔ فرمایا کہ اے محمدؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ ہوں۔ کہ کسی چیز کے ساتھ میرا قیاس نہیں کیا جا سکتا ⁂ نہیں لوگوں جیسا ہوں۔ اور نہ ہی کوئی اور شئے میری مانند ہے میں نے تجھ کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے اور علی ابن ابی طالب کو تیرے نور سے پیدا کیا ہے۔ چونکہ میں تیرے دل کے بھید سے واقف ہوں۔ کہ تیرے دل میں علی کی محبتؓ سے زیادہ اور کسی کی محبت نہیں ہے۔ اس لیے میں تجھ سے علی کی آواز میں ہم کلام ہؤا۔ تاکہ تیرا دل مطمئن رہے ⁂

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ علیؓ کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے ⁂

حضرت۔ ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ جس نے علی کی ؓ نافرمانی کی۔ اُس نے مجھ سے مُنہ موڑا یعنے میری نافرمانی کی ⁂

حضرت ابو ذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہے۔ کہ جس نے علی کو چھوڑا۔ اس نے مجھ کو چھوڑا۔ اور جس نے مجھ کو چھوڑا۔ اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ معراج کی رات جب میرا گزر آسمانوں پر ہوا۔ تو میں نے ایک فرشتہ کو دیکھا۔ جو اپنے سامنے ایک لوح رکھے ہوئے تھا۔ اور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ یہ ملک الموت ہیں۔ تب آگے بڑھ کر میں نے اس کو سلام کیا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر علی کا حال استفسار کیا۔ میں نے کہا۔ کہ کیا تم علی ابن ابی طالب کو جانتے ہو۔ عزرائیل نے جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلائق کی جانیں قبض کرنے پر موکل کیا ہے۔ لیکن آپ کے اور آپ کے ابن عم جناب علی ابن ابی طالب کے ارواح کو اس وقت تک قبض کرنے کا حکم نہیں ہے جب تک آپ دونوں کی رضا نہ ہو۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روائت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جو شخص علی ابن ابی طالب کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اسی شخص سے دشمنی کرتا ہے۔

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ جناب رسول مقبول صلعم کا ارشاد ہے۔ کہ جس شخص نے علی ابن ابی طالب کی شان کو کم کیا۔ اس نے میری شان کو کم کیا۔

حضرت۔ انس رضی فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حسد کیا گویا ایسا ہے۔ کہ گویا اس نے مجھ سے حسد کیا اور مجھ سے حسد کرنے والا کافر ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا عنان یہ مطلب ہے۔ کہ جناب علی علیہ السلام سے حسد رکھنے والا کافر ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب وحی جناب خبل رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے

کہ اے اللہ اس کی مدد کر جو حضرت علی کی مدد کرے اس کو بزرگی دے اور اس کو چھوڑ دیجیئو۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چھوڑ دے۔

بریدہ۔ اسلمیؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فرقہ اناث میں سے مجھے اپنی بیٹی فاطمہؓ پیاری ہے اور مردوں میں سے حضرت علیؓ پیارے ہیں۔

حضرت۔ ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ علی ابن ابی طالب میرے علم کا دروازہ ہے۔ اور اس بات کو میری امت پر ظاہر کرنے والا ہے۔ جس کے لئے میں مبعوث ہوا ہوں۔ اس کا بغض نفاق اس کی محبت ایمان اور اس کی دوستی عبادت میں داخل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جس نے علی کو ایذا دی۔ گویا اس نے مجھے ایذا دی۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے علی کو برا کہا۔ اس نے مجھے برا کہا۔

حضرت۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے علی کو برا کہا۔ اس نے خدا کو برا کہا۔ اور خدا اس کو دوزخ میں ڈالے گا۔ جہاں اس کو دردناک عذاب اس اہانت کے عوض میں ہوگا۔ جس سے تخلصی ناممکن ہے۔

معاذ۔ بن جبلؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ علی ابن ابی طالب کی محبت ایسی نیکی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی برائی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ اور علی کے ساتھ بغض یا دشمنی یا حسد ایسی برائی ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی اس شخص کو نفع نہیں پہنچا سکتی۔ جو علی کے ساتھ بغض یا دشمنی رکھتا ہو۔

حضرت۔ عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ بشارت ہے۔ اس شخص کے لئے جنت کی جو علی کو دوست رکھے اور بشارت ہے۔ دوزخ کی اس کے لئے جو علی کے ساتھ دشمنی رکھے۔

جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو مخاطب ہو کر فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی اس قدر عبادت کرے۔ جس قدر کہ نوح علیہ السلام نے کی ہے۔ اور اس قدر خیرات کرے کہ اُحد پہاڑ کے برابر سونا اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک ہزار پا پیادہ حج کرے۔ اور صفا و مروہ کے درمیان مظلوم مارا جائے۔ تو بھی وہ شخص جنت کی بُو نہیں پا سکتا۔ بشرطیکہ تیرے ساتھ دشمنی رکھتا ہو۔ اس حدیث کو اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ کہ علی کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے۔ جس طرح آگ لکڑیوں کو یا گناہوں کو اسی طرح دھو دیتی ہے۔ جس طرح پانی غلاظت کو صاف کر دیتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مومن کے اعمالنامے کا عنوان علی ابن ابی طالب کی محبت ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد کیا ہے۔ کہ اگر لوگ حضرت علی رض کی محبت پر جمع ہو جاتے یعنی ہر ایک ان سے محبت کرتا۔ تو اللہ تعالےٰ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا۔

ایک اور حدیث میں جو حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے۔ رسول مقبول صلعم نے فرمایا ہے کہ اے علی اگر تم نہ ہوتے۔ تو میرے بعد مومنوں کی پہچان نہ ہوتی۔ دوسرے الفاظ میں اس حدیث شریف کا صاف یہ مطلب ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام کی محبت علامت ایمان ہے۔

عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ کہ اہل آسمان میں سے جس نے اوّل اوّل جناب علی ابن ابی طالب کو بھائی بنایا۔ وہ اسرافیل ہیں۔ پھر میکائیل ع پھر جبرائیل ع نے اہل جنت میں سے جس نے اوّل اُن سے محبت کی وہ حاملانِ عرش ہیں۔ پھر رضوان خازن جنت۔ پھر ملک الموت۔ اور ملک الموت علی ابن ابی طالب کے محبوں پر اس طرح رحم کرے جس طرح کہ انبیاء کرام پر کرتا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے جناب علی ابن ابی طالب کے منہ سے ستر ہزار فرشتے پیدا کئے ہیں۔ جو حشر تک علی اور اس کے محبوں پر استغفار کرتے رہیں گے ؛

حضرت۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جناب سرور کونین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے علی سے محبت کی۔ اللہ تعالےٰ اس کی عبادت کو قبول کرتا ہے اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو جنت میں اعلےٰ درجے عطا کرے گا جو شخص محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو دوست رکھتا ہے۔ وہ حساب میزان اور صراط کے خطرے سے مامون ہے۔ جو شخص میری آل کی محبت میں مر گیا۔ میں اس کا ضامن ہوں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اس کو جنت میں داخل کراؤں گا۔ اور جو شخص کہ میری آل سے بغض رکھتا ہو گا۔ وہ حشر کے دن اس طرح حاضر کیا جائے گا۔ کہ اس کی پیشانی پر خدا کی رحمت سے ناامیدی کا لفظ لکھا ہو گا ؛

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ معراج کی رات جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا۔ تو دیکھا کہ ایک مکرم فرشتہ بیٹھا ہے۔ اور بے شمار اور فرشتے اس کے گرد حلقہ زن ہیں۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہے۔ جبرائیلؑ نے کہا کہ آپ نزدیک جا کر دیکھیں۔ میں نے جونہی نزدیک جا کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ کہا اور بغور دیکھا۔ تو وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔ میں نے حیران ہو کر جبرائیل سے پوچھا۔ کہ کیا تم علی رضؓ کو پہلے یہاں لے آئے ہو۔ تب جبرائیل نے کہا۔ کہ یا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل یہ ہے۔ کہ فرشتوں نے علی کی محبت سے شکایت کی تب اللہ تعالےٰ نے نور سے حضرت علی کی شکل کا فرشتہ پیدا کیا ہے ہر شب جمعہ اور روز جمعہ کو فرشتے ستر دفعہ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ جس کا ثواب علی رضؓ کے محبوں کو پہنچاتے ہیں ؛

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے

فتح مکہ کے بعد طائف کا محاصرہ کیا۔ تو طائف میں ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن خطبہ پڑھا۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ کہ میں تم لوگوں کو اپنی عترت کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کرتا ہوں بے شک حوض کوثر تمہارے وعدے کی جگہ ہے مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے۔ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کہ تم نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ ورنہ میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا۔ جو میرے جیسا ہے۔ وہ تمہاری گردن مارے گا۔ پھر جناب علی ابن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہ وہ یہ ہے ‏؂

عن محمد بن عبد الرحمن بن عوف وکان من رھط جابر بن عبد اللہ حیث اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بید علی والفضل بن عباس فی مرض وفاتہ قال فخرج یعتمد علیھما حتی جلس علی المنبر وعلیہ عصابۃ محمد اللہ واثنی علیہ ثم قال اما بعد ایھا الناس فماذا تستنکرون من موت نبیکم الم تنع الیکم نفسہ وتبع اللہ انفسکم ام ھل فلا احد من بعث قبلی بعثوا علیہ فاخلد وبکم فانی لاحق بربی وقد ترکت فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا ابدی کتاب اللہ بین ایدیکم تقرؤنہ صباحا ومساء فیہ ما تلقون وما تدعون لا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا خوانا کما امرکم اللہ الا ثم اوصیکم بعترتی اھل بیتی ‏؂

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے جو جابر بن عبد اللہ کے قبیلے میں سے تھا روایت ہے۔ کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس کا ہاتھ پکڑ کر مرض وفات میں حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ ان دونوں پر تکیہ کئے ہوئے یہاں تک کہ منبر پر تشریف لائے۔ اس وقت آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ کہ اے لوگو تم اپنے نبی کی وفات کو کیوں برا مانتے ہو۔ کیا اس کی جان تمہاری جانوں جیسی نہیں ہے۔ اور تمہاری جانیں اس کی جان جیسی نہیں ہیں۔ جو لوگ کہ ہم سے پہلے آئے ہیں۔ اور جو نبی کہ مجھ سے پہلے مبعوث ہوئے ہیں۔ کیا ان میں سے کوئی ہمیشہ رہا ہے۔ کہ میں بھی تمہارے درمیان ہمیشہ

رہوں۔ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں تم میں وہ چیز چھوڑتا ہوں۔ کہ اگر تم نے میرے بعد اس کے ساتھ تمسک کیا تو تم میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ خدا کی کتاب ہے جس کو تم صبح و شام پڑھتے ہو۔ اس میں وہ امور ہیں۔ جو تمہیں پیش آئیں گے اور جن کا تم کو ۔ علم دیا گیا ہے۔ پس آپس میں مت جھگڑو۔ نہ دشمنی کرو۔ اور نہ حسد کرو۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ اس کے بعد میں تم کو اپنے خویش اہل البیت کی نسبت وصیت کرتا ہوں۔ کہ ان کے ساتھ محبت کرو۔ اور سلوک سے پیش آؤ۔

عن زید بن ثابت رضؓ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی وانھما لن یتفرقا حتیٰ یردا علی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی عترت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ میرے پاس نہ آئیں۔

یہی حدیث شریف اور متعدد راویوں سے مختلف الفاظ میں مروی ہے جن کا بیان بخوف طوالت ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مفہوم مطلب بھی یہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے میری اور میرے اہل بیت کی اطاعت لوگوں پر فرض کی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضؓ سے روایت ہے۔ کہ میرے اہل البیت کے ساتھ پیار کرو۔ جس نے اہل البیت میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی دشمنی رکھی۔ میری شفاعت اس پر حرام ہو گئی۔ اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے۔ اہل بیت کے دشمنوں پر یا اہل بیت میں سے کسی ایک کے ساتھ دشمنی۔ بغض حسد رکھنے والوں پر۔ یا ان سے لڑنے اور بُرا کہنے والوں پر جنت کی بو تک حرام ہے۔ چہ جائیکہ وہ جنت کی شکل دیکھ سکیں۔ یا اس میں داخل ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے دن میری اُمت کے پانچ شفیع ہوں گے۔ اوّل قرآن مجید دوئم حجم سوئم امانت چہارم تمہارا نبی یعنی میں۔ اور پنجم تمہارے نبی کے اہل بیت یعنی جناب علی فاطمۃ الزہرا اور حسنین علیہم السلام ؁

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت کو میری عترت کی محبت سات جگہ پر فائدہ پہنچائے گی اور وہ ساتوں گھاٹیاں مشکل ہیں اوّل مرنے کے وقت۔ دوم عذاب قبر کے وقت سوم حشر سے پہلے جب لوگ قبروں سے اُٹھیں گے۔ چہارم حساب کتاب کے وقت پانچویں منبر کے پاس چھٹے پلصراط پر۔ ساتویں سورج کی اس گرمی سے جب کہ آفتاب سوا نیزے پر طلوع ہوگا۔ اور خلقت پسینے میں شرابور ہوکر العطش العطش اور الامان الامان پکارے گی۔ اس وقت میرے اہل بیت کی محبت حوض کوثر کی طرف رہنمائی کریگی۔ اور ان کی تشنگی کو حوض کوثر کے پانی سے بجھائے گی ؁

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میرے اہل بیت کشتی نوح علیہ السلام کی مثل ہیں۔ جو اس کشتی پر سوار ہُوا۔ یعنی اہل بیت کی تابعداری کی۔ وہ نجات پا گیا۔ اور جو اس کشتی پر سوار نہ ہُوا۔ یعنی اہل بیت نبوی کی اطاعت و فرمانبرداری اور پیروی نہ کی تو ہلاک ہو گیا۔ جس طرح کہ مخالف لوگ طوفان نوح میں غرق ہو گئے تھے۔

حضرت۔ ابن عباس اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ علی مجھ سے مثل میرے سر کے ہے۔ بدن سے یعنی علی مجھ سے ایسا ہے۔ جیسا کہ میرا سر میرے جسم سے ہے ؁

یہ تمام احادیث جو آپ کی شان میں لکھی گئی ہیں۔ آپ کی شان کے بحر ذخار میں سے ایک قطرہ کے مشابہ ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک کے نور سے آپ کو خلق کیا ہے۔ اندریں حالات ہماری مجال نہیں کہ ہم جناب امیر کے فضائل گنوا سکیں یا بیان کر سکیں۔ کیونکہ احادیث مندرجہ بالا کے مطالعہ سے آپ کی شان کا انکشار باب بصیرت کی نظروں میں

خود بخود کھچ جائے گا۔ اسلئے ہم اس بیان کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر ختم کرتے ہیں جس میں آپنے فرمایا ہے۔ کہ حضرت علی کی مانند کسی شخص نے اکتساب فضل نہیں کیا۔ وہ دوستوں کو ہدایت کی راہ دکھاتا ہے۔ اور برائیوں سے پھیرتا ہے۔ چنانچہ وہ حدیث شریف یہ ہے:

عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم ما اکتسب مکتسب مثل فضل علی یھدی صاحبہ الی الھدی ویرو لاعن الاذی:

اقوال بزرگان

عن ابن عباس سد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابواب المسجد غیر باب علی کان یدخل المسجد وہو جنب وہو طریقہ ولیس لہ طریق غیرہ:

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم نے مسجد میں سے جملہ صحابہ کرام کے دروازے بند کرا دیئے تھے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ کے دروازے کو بند نہیں کرایا۔ اور وہ مسجد میں بحالت جنب داخل ہوا کرتے تھے۔ اور وہ ان کا رستہ تھا۔ اور سوائے مسجد میں سے گزر کر گھر میں داخل ہونے کے لئے اور کوئی راستہ انکے گھر میں داخل ہونے کا نہیں تھا۔

عن مطلب بن عبد اللہ بن حنطب ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یاذن لاحدان یمار فی المسجد وہو جنب الا لعلی لان بیتہ کان فی المسجد۔ حضرت عبد اللہ بن حنطب فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحالت جنب کسی شخص کو مسجد میں سے گزرنے کا حکم نہیں دیا۔ مگر حضرت علی رض کو کہ ان کا گھر مسجد ہی میں تھا:

عن ابی ہریرۃ قال قال عمر بن الخطاب لقد اعطی علی ثلاث خصال لان یکون لی واحدۃ منہن احب الی من اعطی حمر النعم قیل ماہی قال تزوجہ ابنتہ فاطمہ و اسکناہ المسجد مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یحل لہ ما لا یحل لغیرہ والرایۃ یوم الخیبر حضرت ابو ہریرۃ رض فرماتے ہیں۔ کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا ہے۔ کہ جناب علی رض

کو تین باتیں ایسی حاصل ہیں کہ اگر ان میں ایک بھی مجھے حاصل ہوتی۔ تو میرے نزدیک سُرخ پشم والے اُونٹ سے بھی زیادہ عزیز ہوتی۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یا امیر المومنین وہ کونسی تین ہیں۔ جو حضرت علی میں تو ہیں۔ لیکن آپ میں نہیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی بیٹی جناب فاطمۃ الزہرا کا جناب علی سے نکاح کرنا۔ مسجد میں ان کو اپنے ساتھ رکھنا۔ اور جو بات کہ مسجد میں ان کے لئے جائز تھی۔ دوسرے کے لئے اس بات کا جائز نہ ہونا تیسرے خیبر کے دن جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ کو علَم عطا کرنا۔ اسی قسم کی اور متعدد روایات دیگر بزرگاں سے بھی مروی ہیں۔ جنہوں نے جناب علی کی فضیلت پر رشک کیا ہے۔ اور جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

عن ابن عباس ان علیہ کان یقول فی حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ عزوجل یقول رفان مات اور قتل انقلبتم علے اعقابکم واللہ لا ننقلب علے اعقابنا بعد اذ ہدانا اللہ ولئن مات او قتل لا قتلن علے ما قاتل علیہ حتی اموت انی لاخوہ و ولیہ وابن عمہ و وارثہ ومن احق بہ منی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم کی حین حیات ہی میں جناب علی عموماً فرمایا کرتے تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر میرا رسول مرجائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔ اللہ تعالےٰ کی قسم جب خدا نے ہم کو ہدایت کی ہے۔ ہم ہرگز اپنی ایڑیوں پر نہ پھریں گے۔ اگر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو جائیں۔ یا انتقال فرما جائیں۔ تو جس امر پر آنحضرت صلعم نے جہاد کیا ہے۔ میں بھی اس امر پر جہاد کروں گا۔ یہاں تک کہ میں بھی مرجاؤں۔ اللہ تعالےٰ کی قسم میں آنحضرت صلعم کا بھائی۔ ولی۔ ابن عم۔ اور وارث ہوں۔ مجھ سے زیادہ ان کا حق دار کون ہے۔

عن ام سلمہ قالت رضی اللہ عنہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا غضب لم یجترئ احد ان یکلمہ الا علی۔ جناب ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے کی حالت میں ہوتے۔ تو سوائے جناب علیؓ کے اور کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ آپ سے کوئی بات کر سکتا۔

عن ابن عمر و انس بن مالک و جابر رضی اللہ عنہم قالوا بعث صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

یوم الاثنین واسلم علی یوم الثلثۃ حضرات ابن عمر انس بن مالک وجابر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ سوموار کے دن جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور منگل کے دن جناب علی کرم اللہ وجہہٗ ایمان لے آئے۔

عن زید بن ارقم قال اول من اسلم علی ابن ابی طالب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے جو شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا۔ وہ حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔

عن ابن عباس قال کان علی اوّل من اسلم بعد خدیجۃ وقال ابو عمر ہذا حدیث صحیح الاسناد لا مطعن فی روایۃ لاحد۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سب سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ ابو عمر فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث شریف کے استاد صحیح ہیں۔ اور کسی شخص کو اس کی روایتوں میں طعن کی گنجایش نہیں۔

حضرت ابو سعید الخدری فرماتے ہیں۔ کہ ہم منافق کو حضرت کرم اللہ وجہہ کی عداوت سے پہچانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جناب علیؓ ہم سب سے زیادہ معاملہ فہم ہے۔ حضرت ابن مسعود حضرت عمرؓ کے قول پر یہ الفاظ اور ایزاد کرتے ہیں کہ جب کبھی کسی معاملہ میں ہم نے حضرت علیؓ سے استفسار کیا تو ہمیشہ آپ نے جواب باصواب دیا۔ اور تسلی ہو جایا کرتی تھی۔ جناب سعد بن مستیب فرماتے ہیں۔ کہ سوائے جناب علی ابن ابی طالب کے اور کسی شخص کو یہ کہنے کی جرات نہ ہوتی تھی کہ جو کچھ کسی نے پوچھنا ہو۔ مجھ سے بے دھڑک پوچھ لے۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم حضرت علی ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم پر ختم ہو چکا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ کہ حضرت علیؓ سے بڑھ کر سنت نبویؐ کا واقف اور کوئی شخص نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ میں سے جناب امیر علیہ السلام کو بسبب قدومت اسلام۔ دامادی جناب سید خیر الانام محبوب رب العلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کمال درجہ کی جرأت وسخاوت کے سبب پر فضیلت حاصل ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ جناب علیؓ میں چار باتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئیں۔ اوّل یہ کہ آپنے سب سے پہلے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسرے ہر جنگ میں رسول خدا کے ساتھ رہے تیسرے ہجرت کی رات کو اپنی جان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سے فدا کرنے میں دریغ نہ کیا چوتھے۔ یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا اور لحد میں اتارا۔

جناب عفیف کندیؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایام جاہلیت میں ایک دفعہ میں مکہ معظمہ میں گیا۔ اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ہاں فروکش ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان کعبہ شریف کے پاس آیا اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا اور پھر دست بستہ کعبہ کی طرف کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک لڑکا آکر اسی نوجوان کے داہنی طرف اسی طرح دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد میں نے پھر دیکھا۔ کہ ایک عورت آکر ان کے پیچھے اسی طرح دست بستہ کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نوجوان نے رکوع کیا۔ تو اس لڑکے اور عورت نے بھی اسی طرح رکوع کیا۔ پھر نوجوان سیدھا کھڑا ہو گیا۔ تو لڑکے اور عورت مذکور نے بھی نوجوان کی پیروی کی پھر وہ سجدے میں چلا گیا۔ تو لڑکے اور عورت نے بھی اسی طرح سجدہ کیا۔ غرض وہ نوجوان جس طرح کرتا جاتا تھا۔ عورت اور لڑکا بھی بدستور اسی طرح اقتدا کرتے تھے۔ میں بہت متعجب ہوا۔ اور عباس سے پوچھا کہ یہ کیا انوکھی بات ہے۔ مجھے اس سے خبردار کریں۔ عباسؓ نے کہا۔ کہ کیا تو جانتا ہے۔ کہ یہ نوجوان لڑکا اور عورت کون ہیں۔ عفیف کندی رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی لاعلمی بیان کی تو حضرت عباس رضؓ نے فرمایا۔ کہ یہ نوجوان محمد بن عبداللہ میرا بھتیجا ہے۔ اور یہ لڑکا بھی علی ابن ابی طالب میرا بھتیجا ہے۔ اور یہ عورت خدیجہ بنت خویلد ہے۔ جو میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ کی بیوی ہے۔ میرا یہ نوجوان بھتیجا کہتا ہے۔ کہ میرا خدا زمین اور آسمان کا خدا ہے۔ اور یہی اس کا دین ہے اور سوائے ان تینوں کے اور کوئی شخص تمام روئے زمین پر اس دین کا پیرو نہیں ہے۔ عفیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان تینوں بزرگواروں کا طرز عمل دیکھکر اور عباس سے ان کے مختصر سادے عقیدے کا حال سن کر نور ایمان میرے دل میں جلوہ گر ہوا۔ مگر افسوس

میری قسمت نے یاوری نہ کی۔ اور میں غلطان و پیچان اپنے گھر واپس آ گیا۔ اور بہت افسوس کرتا ہوں کہ کاش اللہ تعالیٰ مجھے اس دن اسلام لانے کی توفیق دیتا۔ تو میں جناب علی رضہ سے ایمان لانے میں دوسرے درجے پر ہوتا۔ اور کاش اس وقت جب کہ میں ان تینوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی عبادت کرتے دیکھ رہا تھا۔ نہ ان میں چوتھا ہوتا۔

حضرت اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خبر خدا کی طرف سے لائے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے اس کی تصدیق کرنے والا آپ پر ایمان لانے والا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والا حضرت علی ابن ابی طلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

عباس بن مطلب فرماتے ہیں کہ میں نے جناب فاروق اعظم عمر بن خطاب رضہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ اے لوگو جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی غیبت نہ کرو۔ کیونکہ آپ میں تین خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی۔ تو میں اس کو ان تمام چیزوں سے بہتر سمجھتا۔ جن پر آفتاب کا پرتو پڑتا ہے۔ ایک دن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عبیدہ بن الجراح کی معیت میں جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ کہ یا علی تم اسلام لانے میں جملہ مسلمانوں سے پیش قدم ہو۔ تیرا مرتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسا کہ موسےٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون کا اور وہ شخص کاذب ہے۔ جو مجھ سے محبت کا دم بھرے اور تیرے ساتھ عداوت رکھے۔

سعید بن عمرو فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے دریافت کیا کہ مجھے حضرت علی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے حالات سے مطلع فرمائیں اگرچہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ دیرینہ سال اور سابق فی الاسلام ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ لوگ جناب علی رضہ کی طرف زیادہ جھکتے ہیں تو حضرت عبد اللہ نے فرمایا۔ کہ حضرت علی علم و فضل میں۔ نسب میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ورثیت میں

سبقت اسلام میں جناب ابوبکر رضؓ سے بڑھ کر ہیں ۔
حسن بن بدالمنی فرماتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام نے کبھی بھی بتوں کی پرستش نہیں کی اور نہ اپنے سر اقدس کو بتوں کے آگے جھکایا۔ نہ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نکالا جس سے بتوں کی عزت و تقدیس خیال کی جاسکتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کو کرّم اللہ وجہہ یعنے اللہ تعالےٰ نے ان کے منہ کو بزرگ کیا جانے کا خطاب نصیب ہوا۔ جو سوائے آپ کی ذات بابرکات کے کسی اور صحابی کے حق میں نہیں بولا جاتا۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث حضرت عمر رضؓ خلیفہ ثانی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے فرشتوں کو جناب امیر علیہ السلام کے منہ کے نور سے پیدا فرمایا ہے ۔
حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضؓ نے جناب امیر علیہ السلام کی طرف منہ کرکے فرمایا۔ کہ جو شخص ایسے شخص کو دیکھنا چاہتا ہو۔ جو ہم سب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زیادہ رشتہ قرابت رکھنے والا اور بلند مرتبہ ہو۔ تو وہ جناب امیر علیہ السلام کو دیکھ لے ۔
حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب جبرائیل علیہ السلام جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لاتے۔ تو جناب امیر علیہ السلام کو فوراً پتہ لگ جاتا۔ کیونکہ جناب جبرائیل علیہ السلام کے پروں کی آواز کو جناب امیر علیہ السلام اپنے گھر میں ہی سن لیا کرتے تھے ۔
جناب شعبی رحؒ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے چھ روز بعد حضرت ابوبکر صدیق اور جناب علیؑ روضہ مبارک پر تشریف لے گئے حضرت علی رضؓ نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آگے بڑھیں تب حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ میں ایسے شخص پر ہرگز تقدم نہیں کرسکتا۔ جس کی شان میں جناب رسول مقبول صلعم سے میں نے یہ سنا ہو کہ علی کی منزلت مجھ سے ایسی ہے۔ جیسی کہ میری خدا و ند کریم سے ہے ۔
ابوالقاسم زمخشری بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ دو آدمی خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اور کنیز کی طلاق کا مسئلہ پوچھا۔

حضرت فاروق ان دونوں سائلوں کو لے کر جناب علی علیہ السلام کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ آپ کنیز کی طلاق کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ سائلین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ آپ امیرالمؤمنین اور جانشین رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور ہم آپ سے مسئلہ پوچھنے آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے شخص افسوس ہے تجھ پر۔ کیا تو نہیں جانتا کہ یہ کون شخص ہے جس کی خدمت میں میں تم کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ یہ علی ابن ابی طالب ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ کہ اگر کسی ترازو کے پلڑے میں زمین و آسمان رکھے جائیں اور دوسرے پلڑے میں جناب علی علیہ السلام کا ایمان رکھا جائے۔ تو علیؓ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتقال فرما گئے ہیں۔ اور وہ جناب علی سے ہمیشہ خوش رہے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں۔ کہ جب جناب علیؓ ہمارے گھر میں تشریف لاتے اور میرے والد جناب ابوبکرؓ بھی بیٹھے ہوتے۔ تو والد صاحب جناب علی کے چہرے مبارک کی طرف دیکھتے رہتے۔ ایک دن میں نے عرض کیا کہ اے ابا جان! آپ علی علیہ السلام کے چہرے کی طرف کیوں دیکھتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ کیا تو نے نہیں سُنا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علیؓ کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

جناب امام محمد بن باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جنگ بدر میں ایک فرشتہ نے پکار کر کہا ہے "لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار" یعنے علی کے سوا کوئی بہادر نہیں اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں ہے۔

اسی روایت کو ابن اسحاق اپنی کتاب میں اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ بدر کے روز ہوا چلنے سے جناب امیر علیہ السلام نے سُنا کہ ہاتف پکار پکار کر کہ رہا تھا۔ کہ لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ امام احمدؒ فضائل میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خیبر کے روز صحابہ کرام نے آسمان سے تکبیر کی آواز سُنی۔ اور اس کے بعد

ایک کہنے والے نے اس طرح کہا لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار یہ آواز سنکر حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شعر کہنے کی اجازت طلب کی حکم ملنے پر جو کچھ اُنہوں نے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غبار ابھی کھلا نہیں تھا۔ اور مسلمان تیر چلا رہے تھے۔ کہ جبرائیل نے باواز بلند پکار کر کہا۔ کہ علی کے سوا کوئی بہادر نہیں ہے۔ اور ذوالفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اُحد کے روز ہاتف نے کہا تھا۔ لا فتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار اور یہ آواز اس وقت آئی جبکہ جناب امیر نے مشرکوں کے علمدار طلحہ کو قتل کیا تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ جب سلیمان کے حضور میں سبا کی شہزادی بلقیس حاضر ہوئی تو اس نے سلیمان کی خدمت میں سات تلواریں تحفتہً نذر گزرانیں انہی تلواروں میں ایک تلوار ذو الفقار بھی تھی۔ احد اور خیبر کے دن وہی ذوالفقار جناب علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس روایت کے مخالف ہیں۔ اور اس طرح کہتے ہیں۔ کہ ذو الفقار حضرت جبرائیل آسمان سے لائے تھے اور کہا تھا۔ کہ یا رسول اللہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ہم نے تمام دنیا کو دیکھا۔ مگر اس تلوار کا اہل کوئی نظر نہیں آیا سوائے علی رضی اللہ عنہ کے پس آپ یہ تلوار جناب علی رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیں۔ کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ذو الفقار جناب علی کے حوالے کر دی۔ اسی قسم کی ایک اور روایت جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ جو ابن مسعود کے قول کی تائید کرتی ہے۔ (مؤلف اس آخری روایت سے متفق نہیں)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے بہت سے لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی بابت سوال کیا ہے۔ میں نے ان سب کو جواب دیا۔ کہ وہ مردوں میں سے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظروں میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ پھر سائلوں نے کہا کہ اگر آپ کا یہ خیال ہے۔ تو پھر جنگ جمل کی کیا وجہ ہے۔ تب میں نے کہا کہ یہ خدا کی تقدیر تھی۔

حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک شخص نے مجھ سے پوچھا۔ کہ آپ کو سب سے زیادہ کون شخص

محبوب ہے۔ میں نے کہا کہ تمہارا اس سے کیا مطلب ہے۔ تب ابن نے کہا کہ میں
اس لئے پوچھتا ہوں کہ جو شخص آپ کو زیادہ محبوب ہوگا۔ وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کو محبوب ہوگا۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم مجھے سب سے پیارا علی ابن ابی طالب
ہے۔ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

عباس بن عبدالمطلب رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رض کو
دیکھا ہے۔ وہ ایک شخص کو کہہ رہے تھے۔ کہ تو منافقوں میں سے ہے کیونکہ تو
حضرت علی ابن ابی طالب کی شان میں گستاخی کرتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رح فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی آل کو پانچ باتوں میں آنحضرت صلعم کے برابر ٹھیرایا ہے۔ اول یہ کہ سلام میں
ان کو شریک کیا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے نماز میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے تو قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کی آل کے حق میں
فرمایا ہے۔ سلامٌ علیٰ الِ یاسین۔ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ آل یاسین
سے مراد آل محمد صلعم ہے۔ جس طرح اللہ تعالےٰ نے یعقوب علیہ السلام کا نام اسرائیل
رکھا اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کا اسم گرامی یاسین رکھا۔ دوسری
بات یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جس طرح اپنے محبوب کو طاہر پیدا کیا۔ اسی طرح
آپ کی آل کے حق میں آیت تطہیر نازل فرماکر ان کو بھی طاہر بنادیا تیسری
بات یہ ہے کہ درود شریف میں آپ کی آل کو شامل کیا ہے۔ چوتھی بات یہ
ہے کہ صدقہ جس طرح رسول اللہ صلعم پر حرام تھا۔ اسی طرح آپ کے اہل بیت پر
بھی حرام ہے۔ پانچویں یہ بات کہ اگر اللہ تعالےٰ نے ہمیں رسول مقبول صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کا حکم دیا۔ یعنی ارشاد فرمایا۔ کہ اے محمدؐ فاتبعونی
یحببکم اللہ تم میری تابعداری کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔ تو آپکے اہل البیت
کے حق میں یہ فرمایا۔ کہ قل لا اسالکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ "
کہ اے محمدؐ کہہ دے۔ لوگوں کو کہ میں ہدایت کے عوض میں تم سے کوئی مزدوری نہیں
مانگتا۔ کہ اپنے قریبیوں کی محبت یعنے الفت اہل البیت نبویؐ

مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ جب اللہ تبارک وتعالےٰ نے

حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور ان کے قالب میں روح کو ڈالا گیا۔ تو آدم علیہ السلام نے چھینک مار کر الہام الٰہی سے تبارک وتعالےٰ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر جب اللہ تعالےٰ نے اپنے فرشتوں سے آدم کو سجدۂ تعظیمی کرایا۔ تو آدم علیہ السلام نے فخر کے ساتھ ندا سے عرض کیا کہ یا الٰہی کیا مجھ سے زیادہ کوئی تیری محبوب مخلوق ہے لیکن بارگاہِ ایزدی سے کوئی جواب نہ ملا۔ اسی طرح تین مرتبہ پوچھا۔ جب چوتھی دفعہ پوچھا۔ تو اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا۔ کہ ہاں اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو اے آدم تجھ کو پیدا نہ کرتا۔ تب آدم نے عرض کی - یا الٰہی مجھے اپنی وہ محبوب مخلوق دکھلا۔ جن کے صدقے میں تو نے مجھے پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرشتوں کو عرش پر سے ایک پردہ اُٹھانے کا حکم دیا۔

جب فرشتوں نے پردے کو اٹھایا۔ تو آدمؑ نے پانچ نورانی صورتوں کو دیکھا جو اللہ تعالےٰ کی تسبیح وتقدیس میں شاغل تھیں۔ تب آدم نے عرض کی۔ کہ اے میرے رب یہ کون بزرگ ہیں۔ حکم ہوا۔ کہ یہ میرا نبی رحمۃ للعالمین ہے جس کا نام محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ یہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں جو میرے نبیؐ کے بھائی ہیں۔ یہ میرے نبیؐ کی بیٹی فاطمۃ الزہرا ہے اور یہ حسن حسین دونوں میرے نبی کی بیٹی اور اس کے شوہر علی رضہ کے بیٹے ہیں اور انہی پانچوں کو سب سے پہلے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے دیکھنے سے خوشی ہوئی۔ اور مزید خوشی اس امر سے ہوئی۔ کہ جب آدم کو یہ معلوم ہوا۔ کہ یہ پانچوں بزرگ میری اولاد میں سے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی۔ تو آدم نے انہی پنجتن پاک کا وسیلہ گزران کر جناب الٰہی میں اپنے گناہ کی معافی چاہی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کو بخش دیا۔ اور یہی قصہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی کلام پاک میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ یعنی سیکھ لئے آدمؑ نے اپنے اللہ تعالےٰ سے چند کلمے اور ان کے ذریعہ توبہ کی۔

فضل بن لیسار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جناب علی ابن ابی طالب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت ہیں۔ جن کے تمسک پر لوگوں کو برانگیختہ فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں جب فتح مدائن کا مال غنیمت تقسیم ہونے لگا۔ تو سب سے اوّل جناب امام حسن علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا۔ کہ یا امیر المؤمنین اس چیز میں سے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے فتح دی ہے۔ ہمارا حصہ ہمیں دیجئے۔ حضرت فاروق اعظم جناب خلیفہ ثانی نے سنتے ہی حکم دیا۔ کہ ان کو ہزار درہم دے دیئے جائیں چنانچہ امام حسنؑ ہزار درہم لے کر چلے گئے ان کے بعد سید الشہدا مظلوم کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لائے۔ اور جو کچھ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ وہی کہہ کر اپنا حق طلب کیا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ہزار درم دلوائے حسین علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تشریف لائے اور عرض کیا۔ کہ یا امیر المؤمنین میرا حق مجھے عنایت فرمایئے۔ آپ نے ان کو پانچ سو درم دینے کا حکم دیا۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین کیا وجہ ہے کہ آپ مجھے حسنین علیہم السلام کے برابر حصہ نہیں دیتے۔ حالانکہ میں مضبوط آدمی ہوں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ برابر جہاد میں بھی شریک رہا ہوں۔ اس وقت تو حسنین علیہم السلام بچے ہی تھے۔ اور مدینہ کے بازاروں میں کھیلا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ بے شک تیری بات درست ہے لیکن جا اور میرے پاس ان کے باپ جیسا باپ ان کی والدہ مکرمہ جیسی والدہ ان کے نانا جیسا نانا ان کی نانی جیسی نانی چچا جیسا چچا۔ پھوپھی جیسی پھوپھی اور ان کے ماموں جیسا ماموں اور ان کی خالہ جیسی خالہ لے کر آ۔ اور انہی کے برابر تو بھی اپنا حق لے لے یاد رکھ کہ تو ایسا ہرگز نہ کر سکے گا۔ کیونکہ اس کا باپ علیؓ ان کی ماں سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنت رسولؐ ان کے نانا خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نانی کریمہ جناب اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کے چچا حضرت جعفر طیار ان کی پھوپھی اُم ہانی بنت ابوطالب ان کی خالائیں بی بی رقیہ۔ زینب۔ ام کلثوم دختران رسول کریم صلعم اور حضرت ابراہیم ان کے ماموں ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر حضرت ابن عباسؓ آپ کے فضائل لکھتے ہوئے بیان

فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم حضرت علیؓ ابن ابی طالب چودہویں رات کے چاند جنگل کے شیر ببر۔ موجیں مارنے والے دریا۔ اور صبح کے برستے ہوئے ابر کے مشابہ ہیں آنحضرت صلعم کی قرابت کے ساتھ ان کا سینہ بے کینہ علم حکمت۔ ہیبت اور شجاعت سے بھرا ہوا تھا۔ اگر دنیا کے تمام درخت قلم بنائے جائیں۔ اور سمندروں کی سیاہی بنائی جائے اور تمام روئے زمین کے انسان آپ کے اوصاف لکھنے بیٹھ جائیں اور تمام جن و انس حساب کرنے لگیں تو بھی جناب امیر علیہ السلام کے فضائل کو نہ لکھ سکیں گے۔ اور نہ ہی شمار کیا جا سکے گا۔ کیونکہ آپ کے فضائل لا انتہا ہیں۔ جن کو سوائے اللہ اور اس کے رسول کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ اور نہ شمار کر سکتا ہے۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے والد مکرم جناب علیؓ ابن ابی طالب کی وفات کے بعد خطبہ میں فرمایا۔ کہ اے لوگو آج تم میں سے ایک ایسا شخص جدا ہو گیا ہے۔ کہ لوگ ان سے کسی بات میں بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ اور نہ ہی آنے والی نسلیں ان تک پہنچ سکیں گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوران خلافت میں کئی دفعہ فرمایا ہے کہ اگر علیؓ ابن ابی طالب نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا اس فرمان سے آپ کا یہ مطلب ہے۔ کہ اکثر مسائل اور فیصلوں میں اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ میری راہنمائی نہ کرتے تو میں یقیناً گمراہ ہو جاتا۔ اور رعیت پر ظلم کا الزام مجھ پر عائد ہوتا۔ جس کا جواب درگاہ ایزدی میں دینا ناممکن تھا۔

محبانِ علیؑ کی فضیلت

چونکہ جناب امیر علیہ السلام کے فضائل کی تحت میں جو احادیث درج کی گئی ہیں۔ ان میں چند ایک جگہ محبانِ علیؑ" یا شیعان علیؑ کا لفظ آیا ہے اور بعض جگہ

گروہ" کا لفظ لکھا گیا ہے۔ اور محبان علی کی فضیلت میں بھی آیا ہے اس واسطے ہم محبان یا شعیان علی کی فضیلت لکھنے پر بھی مجبور ہیں کہ جناب علیؓ ابن ابی طالب کے محب یا شیعہ گروہ سے کون سا فرقہ مراد ہے کیونکہ آج کل ایک فرقہ ایسا بھی ہے۔ جو اپنے آپ کو انہی ناموں سے موسوم کرتا ہے۔ اور مدعی ہے کہ یہ احادیث ہماری ہی شان میں اور ہمارے آقا و مولا جناب امیر علیہ السلام کی شان میں وارد ہیں۔ اس لئے ہم خصوصیت سے یہاں وہی چند ایک احادیث بیان کریں گے۔ جن میں صرف شیعہ کا لفظ وارد ہے۔ اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام کی فضیلت علم کا بیان کیا جائیگا اور پھر آپ کی زندگی کے مشہور مشہور تاریخی واقعات کو سلسلہ وار بیان کریں گے۔ تاکہ سوانحعمری کا اطلاق اس رسالہ پر ہو سکے۔ اور خامیاں جو دیگر مصنفین یا مؤلفین سے رہ گئی ہیں۔ ان کو پورا کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے زیادہ تر مناقب لکھنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اگر کسی نے واقعات تاریخی کی طرف عنان قلم کو پھیرا بھی ہے تو وہ بھی ایسی صورت میں کہ واقعات کا کوئی پتہ نہیں چل سکتا۔ جیسے کہ مختصراً تمہید کتاب میں عرض کیا گیا ہے۔

عن ابن عباسؓ قال لما نزلت ہذہ الآیۃ ان الذین آمنوا وعملوا الصلحت اولئک ہم خیر البریۃ" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعلی ہو انت وشیعتک یوم القیامۃ راضین مرضیین۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت ان الذین آمنوا یعنے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے۔ وہی لوگ سب خلقت سے بہتر ہیں" نازل ہوئی تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابی طالب سے فرمایا۔ کہ وہ لوگ تم ہو۔ اور تمہارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کئے گئے۔

عن ابی رافعؓ ان رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لعلی اول اربعۃ یدخلون الجنۃ انا وانت والحسن والحسین وذریاتنا خلف ظہورنا وازواجنا خلف ذریاتنا وشیعتنا عن ایماننا وشمائلنا یعنے حضرت ابی رافعؓ سے روایت ہے کہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا ہے۔ کہ سب سے اول جو چار شخص جنت میں داخل ہونگے۔ وہ آپ اور حسنؑ اور

حسینؑ ہیں اور ہماری اولاد ہمارے پیچھے اور ہمارے ازواج ان کے پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔ دوسری روایت میں اس حدیث شریف کے راوی حضرت ابی رافع رضؓ سے اس طرح روایت ہے۔ کہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین محبوب رب دو جہان سرور کون ومکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابی طالب سے فرمایا ہے۔ کہ تو اور تیرے شیعہ حوض کوثر سے پورے طور پر سیراب ہوں گے جیسے کہ سیراب ہونے کا حق ہے تمہارے منہ سفید نورانی ہونگے اور تمہارے دشمن مارے پیاس کے سر اٹھائے ہوئے ہونگے۔ کئی روایتوں میں یہ الفاظ بھی زیادہ کئے گئے ہیں کہ تم ان کو حوض کوثر پر سے دھکیل دو گے؛

عن عبداللہ قال بینا انا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجمیع المہاجرین و الانصار الا ما کان فی السریۃ اذا قبل علی یمشی وہو متغضب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من اغضبہ فقد اغضبنی فلما جلس قال لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک یا علی قال اذانی بنو عمک فقال یا علی اما ترضی انک معی فی الجنۃ والحسن والحسین وذریاتنا خلف ظہورنا وازواجنا خلف ذریاتنا واشیاعنا عن ایماننا وشمائلنا حضرت عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں ایکدن جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں تمام مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ سوائے ان مہاجرین و انصار کے جو لشکر میں باہر گئے ہوئے تھے۔ کہ اتنے میں پاپیادہ جناب امیر علیہ السلام تشریف لائے آپ کے چہرے سے غضب کی علامات ظاہر ہو رہی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا۔ کہ جس نے اُسے غضب دلایا ہے۔ اس نے مجھے غضب دلایا ہے۔ جب جناب امیر علیہ السلام آکر بیٹھ گئے۔ تو آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ یا علی کیا ہوا ہے۔ جناب علیؑ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ فداہ روحی حضور کے بنی اعمام نے مجھے دکھ پہنچایا ہے۔ تب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں۔ کہ تو میرے ساتھ جنت میں سیر کرے اور حسنینؑ اور ہماری اولاد پیچھے اور ہمارے شیعہ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے؛

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اس امت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل

ہوں گے۔ اور پھر جناب علی ابن ابی طالب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کہ یا علی وہ تیرے شیعوں میں سے ہوں گے۔ اور تو ان کے آگے آگے ہوگا۔

خود جناب علی علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ یا علی اللہ تعالےٰ نے تجھے تیری اولاد تیرے اہل اور تیرے محبّوں کو بخش دیا ہے۔ اور تیرے شیعوں کو بھی بخش دیا ہے پس تو خوش ہو۔ کہ تو انزع اور بطین ہے۔

حضرت ام سلمہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جناب امیرالمومنین علی ابن ابی طالب اور آپ کی زوجہ حضرت فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر میں جناب رسول اللہ کی خدمت میں آئیں۔ آنحضرت صلعم نے ان کو آتے دیکھ کر سر مبارک کو اٹھا کر فرمایا۔ کہ یا علی خوش ہو۔ تو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

یہ چند احادیث بطور نمونہ ہدیہ ناظرین ہیں۔ جن میں محبّان علی کے داخل جنت ہونے کی خوشخبری رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی ابن ابی طالب کو دی۔ اور آپ کے شیعوں کی شادکامی کو بیان فرمایا۔ کہ وہ خلد بریں میں ہمارے ساتھ ہوں گے۔ اگرچہ اور بے شمار احادیث بھی ہیں۔ اور کئی ان میں ایسی بھی ہیں۔ جنمیں شیعہ کے لفظ کی بجائے آپ کا دوست یا پیرو کے لفظ آئے ہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ہم نے صرف انہی چند احادیث کو نقل کیا ہے۔ جن میں صرف شیعہ کا لفظ آیا ہے۔

اب ہم یہ دیکھنے کے لئے کہ شیعان علی رضؓ سے کونسا فرقہ مراد ہے۔ مولانا عبیداللہ بسمل امرت سری کی مؤلفہ کتاب میں سے وہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ جو مؤلف ممدوح نے اسی بحث میں لکھی ہے۔ جس کے مطالعہ سے قارئین کرام پر بخوبی منکشف ہو جائے گا۔ کہ موجودہ فرقہ شیعہ کا یہ دعوےٰ کہ احادیث مندرجہ بالا ہمارے گروہ کے متعلق ہیں۔ کہاں تک راستی پر مبنی ہے۔

"امامیہ مذہب کے عالم مدعی ہیں۔ کہ جس گروہ کے فضائل کے متعلق یہ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ وہ ہمارا ہی گروہ اکناف عالم میں اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور علماء اہل سنت وجماعت دعوے دار ہیں کہ وہ شیعہ اولے ہم ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر صاحب صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔ و شیعۃ اھل البیت ھم اھل سنت والجماعت لانھم الذین اجبو ھم اللہ و رسولہ واما غیر ھم فاعداء ھم فی الحقیقۃ یعنی اہل سنت و جماعت ہی شیعہ اہل بیت ہیں کیونکہ یہی لوگ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے موافق اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور اہل سنت کے سوا دوسرے لوگ فی الحقیقت اہل بیت کے دشمن ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی ایک رسالہ میں جو فرقہ امامیہ کے جواب میں لکھا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ اہل سنت میگویند ما ئیم شیعہ اولی واحادیث کہ در فضل شیعہ وارد اند۔ مورد آں ما ئیم نہ روافض ۔

اب ہم کو دیکھنا چاہئے کہ جس شیعہ گروہ کے فضائل میں یہ حدیثیں وارد ہیں۔ ان کا کیا اعتقاد تھا۔ کیونکہ کتب سیر اور تاریخ اور رجال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین میں جناب امیر علیہ السلام کی ذات بابرکات کی نسبت علی العموم لوگوں کے سات مذہب تھے جن کے معتقدات میں زمین و آسمان کا فرق تھا ۔

۱۔ ایک گروہ جنگ نہروان کا بقیۃ السیف گرد و نواح بصرہ میں آباد تھا۔ وہ جناب امیر علیہ السلام کو معاذ اللہ مسلمان تک بھی جانتا تھا یہ گروہ ابتدا میں حروریہ کے نام سے مشہور تھا۔ آخر میں خوارج اور مارقین کے نام سے معروف ہوا ۔

۲۔ دوسرا گروہ شام کے ان مسلمانوں کا تھا۔ جو امیر معاویہؓ اور آل مروان کا طرفدار تھا۔ یہ لوگ جناب امیر علیہ السلام کو گو مسلمان تو سمجھتے تھے۔ لیکن ان کی شان اقدس میں برسر منبر سب وشتم کرتے تھے۔ آخر محققین اسلام نے ان کو نواصب کا خطاب دیا ۔

۳۔ تیسرا گروہ جناب امیر کو منجملہ صحابہؓ کے ایک صحابی سمجھتا تھا۔ مگر جناب امیر کی کسی قسم کی تقدیم کا قائل نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ان کو امیر معاویہؓ کے مساوی سمجھتا تھا۔ زمانہ نے اس گروہ کا جلد تر خاتمہ کر دیا۔ کہ اس کا نام تک مشہور نہ ہوا۔

۴۔ چوتھا گروہ جناب امیر کو حضرت عثمان رضؓ کے بعد اور دیگر اصحاب سے افضل جانتا تھا۔ یہی گروہ اہل سنت و جماعت کے نام سے مشہور ہوا۔ اور اسی سواد اعظم نے دنیا بھر میں فروغ فرمایا ۔

۵۔ پانچواں گروہ جناب امیر کو شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی افضل اور اعلےٰ سمجھتا تھا۔ عبد اللہ بن عمرؓ اسی کے قائل تھے۔ اور ابتدا میں امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ اسی گروہ کے قریب قریب ایک اور گروہ تھا۔ جو ان دونوں صاحبوں کے مفاضلہ میں متوقف تھا۔

(۶) چھٹا گروہ جناب امیر علیہ السلام کو سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب صحابہ سے افضل اور اعلےٰ سمجھتا تھا۔ اور فضلہم علےٰ ترتیب الخلافۃ کا قائل نہیں تھا اور شیخینؓ کی بھی تعظیم کرتا تھا اور حضرت عثمان شہید بے دیت رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہمدردی رکھتا تھا۔ یہ لوگ تفضیلیہ اور شیعہ اولیٰ کہلائے جاتے تھے۔

(۷) ساتواں گروہ شیخین کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی تنقیص کرتا تھا چونکہ ابتدا ہی سے اہل سنت کی جماعت کثیر اطراف بلاد میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور یہ ساتویں قسم کا گروہ اقل قلیل دنیا میں آباد تھا۔ بوجہ تخالف مذہبی کے اہل سنت اس ساتویں گروہ کو ان کو چڑانے کے واسطے ان کو رافضی کہنے لگ گئے وہی گروہ آجکل شیعہ کہلاتا ہے۔

شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں۔ حدثنا شعبۃ حدثنی عدی بن ثابت قال سمعت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانصار لا یحبہم الا مومن۔

قسطلانی میگوید۔ عدی بن ثابت ثقہ است قاضی شیعہ و امام مسجد ایشاں بودہ در کوفہ و شیعہ کہ از مشایخ کبار اہل حدیث است و اورا امیر المؤمنین گفتہ اند از وے روایت حدیث وارد از ینجا معلوم میشود۔ کہ مذہب شیعہ و اعتقاد ایشاں در زمان سابق بایں خرابی و رسوائی کہ متاخرین وارند نبودہ است گفتہ اند کہ در آنوقت اعتقاد ایںہا زیادہ بریں نبودہ کہ امیر المؤمنین علی را بیشتر دوست میداشتند نسبت بائمہ دیگر۔ و افضلیت بایں ترتیب راکہ اہل سنت مقرر کردہ اند معتقد نبودہ اند

لہ قال ابو عمر وقف جماعۃ فی علی وعثمان فلم یفضلوا احدا منہما علی صاحبہ منہم مالک بن انس ویحیی بن سعید القطان (استیعاب)

انتہی کلامہ شیخ نور الحق کا لکھنا بالکل مطابق واقعہ ہے۔ کیونکہ علمائے اہل سنت بوجہ تنفر مذہبی کے شیخین کے سب کرنے والوں سے مطلق اخذ حدیث نہیں کرتے تھے بلکہ بوجہ تنفر مذہبی ان کی دیانت ظاہری کے روایت کا لینا پسند کرتے تھے چنانچہ حافظ جلال الدین السیوطی تدریب الراوی فی شرح تقریب المنواوی میں لکھتے ہیں قال ابو داؤد لیس فی اہل الاہواء اصح حدیثا من الخوارج اور خطابیہ یعنے روافض کی گواہی تک قبول نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام نوزی منہاج شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔ قال امامنا الشافعی رضی اللہ عنہ اقبل شہادۃ اہل الھواء الا الخطابیۃ من الرافضۃ ٭

پس ثابت ہوا کہ وہ چھوٹا گروہ جو جناب امیر علیہ السلام کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد افضل الناس سمجھتا تھا وہی شیعہ اولیٰ کا گروہ تھا۔ جن سے علمائے اہل سنت بھی اخذ حدیث میں مضائقہ نہیں کرتے تھے۔ خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں۔ نیز باید دانست کہ شیعہ اولیٰ کہ فرقہ سنیہ و تفضیلیہ اند در زمان سابق بشیعہ ملقب بودند وچون غلاۃ روافض زیدیا واسماعیلیہ بایں لقب خود ملقب کردند۔ ومصدر قبائح وشرور اعتقادی وعلمی گردیدند خوفاً عن التباس الحق عن الباطل فرقہ سنیہ وتفضیلیہ ایں لقب را برخود نہ پسندیدند وخود را باہل سنت وجماعت ملقب کردند لیکن یہ کہنا۔ کہ اہل سنت ابتدا میں شیعہ کے نام سے مشہور تھے۔ محض ادعا ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اگر اہل سنت ابتدا میں شیعہ مشہور رہتے تو زیدیہ فرقہ کے خروج سے جو اہل سنت کے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی اس نام سے مشہور رہونا چاہئیے تھا۔ حالانکہ وہی لوگ شیعہ کہلائے جاتے تھے۔ جو جناب امیر کے افضل الصحابہ ہونے کے قائل تھے۔ ماسوا اس کے اگر اہل سنت ابتداءً شیعہ مشہور ہوتے تو زیدیہ و اسماعیلیہ بوجہ خصومت کے کبھی اس نام کو اپنے لئے مطلق گوارا نہ کرتے ٭

کوئی اور نام پسند کرتے۔ علاوہ بریں متاخرین اہل سنت ان شیعان اولیٰ کو اعتقاد تفضیل کے باعث سے ہمیشہ بدعتی کہتے چلے آئے ہیں۔ اگر اہل سنت بھی اسی گروہ میں شامل ہوتے تو وہ بیچارے مبتدع کیوں قرار دیئے جاتے۔ چنانچہ حافظ

ذہبی میزان الاعتدال میں بترجمہ ابان بن تغلب لکھتے ہیں۔ ابان بن تغلب الکوفی
شیعی لکنہ صدوق وقد وثقہ احمد وابن معین وابو حاتم وقال کان غالیا و
قال الجوزجانی[1] زائغ مجاہر فلقائل ان یقول کیف ساغ توثیق مبتدع
وحد الثقۃ العدالۃ والاتقان فکیف یکون عدلا من ہو صاحب بدعۃ وجوابہ
ان البدعۃ علی ضربین صغری کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو فلا تحرف
فہذا کثیر من التابعین وتابعیہم مع الدین والورع والصدق فلو ذہب
حدیث ہولاء لذہب جملۃ من آثار النبوۃ وہذہ مفسدۃ بینۃ والبدعۃ
الکبری کالرفض الکامل والغلو فیہ والحط علی ابی بکر وعمر والدعا الی ذلک فہذا
النوع لا یحتج بہ ولا کرامۃ فیہ؛ یعنی ابان بن تغلب کوفہ کا باشندہ شیعہ
تھا۔ لیکن صادق تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کا صدق ہمارے لئے ہے۔ اور اس کی بدعت
اس کے لئے ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ابن معین اور ابو حاتم نے اس کو ثقہ مانا
اور کہا ہے۔ کہ وہ تشیع میں غلو کرنے والا تھا۔ جوزجانی ناصبی کہتا ہے۔ کہ وہ حق
سے پھرا ہوا اور بدگو تھا۔ قائل کہہ سکتا ہے۔ کہ بدعتی کی ثقاہت کیونکر مانی جا سکتی ہے

[1] جوزجانی خود تو متعصب خارجی ہیں۔ لیکن ابان بن تغلب کو وجہ شیعیت کے زائغ اور مجاہر ٹھہراتے
ہیں۔ لسان المیزان میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔ وممن ینبغی ان یتوقف فی قبول قولہ فی الجرح
من کان بینہ وبین من جرحہ عداوۃ سببہا الاختلاف فی الاعتقاد فان الحاذق اذا تامل ثلب ابی
اسحاق الجوزجانی لاہل الکوفۃ رای العجب وذلک لشدۃ انحرافہ فی النصب وشہرۃ اہلہا بالتشیع
فتراہ فی جرح من ذکرہ بلسان ذلق وعبارۃ طلق حتی انہ اخذ یلین مثل الاعمش وابی نعیم وعبید اللہ
بن موسے اساطین الحدیث وارکان الروایۃ۔

یعنی یہ ضرور ہے۔ کہ جرح کرنیوالے کی جرح کو جو اس نے کسی شخص کے حق میں اختلاف اعتقاد کی
عداوت کی وجہ سے کی ہو قبول کرنے میں تامل کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر کوئی دانا ابو اسحاق جوزجانی کی
نکتہ چینی کو جو اس نے اہل کوفہ کی نسبت کی ہے۔ تامل کرے تو ایک عجیب معاملہ دیکھے گا۔ کہ کوفہ کے
لوگوں میں سے اس نے جس کسی کا ذکر ہے۔ اس کی جرح کرنے میں کس قدر زبان کی تیزی کو
کام میں لایا ہے۔ یہاں تک کہ اعمش اور ابو نعیم اور عبداللہ بن موسٰے جیسے اساطین حدیث
اور ارکان روایت کو بھی نرم کر ڈالا ہے۔

ثقہ کے لئے عدالت اور اتقان لازم ہے پس جو شخص کہ بدعتی ہو کیونکر عادل ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بدعت صغریٰ جیسے کہ تشیع میں غلو کرنا یا تشیع بلا غلو کے یہ نا ملائم نہیں ہے کیونکہ ایسی شیعیت تابعین اور تبع تابعین میں دین اور ورع اور صدق کے ساتھ بکثرت پائی جاتی تھی۔ اگر ان کی احادیث سے ہاتھ کھینچ لیا جائے۔ تو تمام آثار نبویہ ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ جس سے ایک ظاہری فساد پیدا ہو جائے گا۔ دوسری بدعت کبریٰ ہے جیسے کہ پورا رفض اور اس میں غلو کرنا اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے مرتبہ سے گرانا ایسی قسم کی حاجت نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کوئی خوبی ہے اس عبارت سے چند امور ہویدا ہوتے ہیں؛

اوّل یہ کہ تشیع بلا غلو (یعنے جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ بہ نسبت دوسرے صحابہ کے زیادہ محبت رکھنا) یا غلو تشیع۔ یعنے جناب امیر کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا۔ جس کی تصریح حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں کی ہے۔ (والتشیع محبۃ علی وتقدیمہ علی الصحابۃ فمن قدم علی ابی بکر وعمر فہو غال فی التشیع) یہ دونوں اہل سنت کے نزدیک بدعت صغریٰ ہیں۔

دوم یہ کہ تشیع بلا غلو کثرت سے تابعین اور تبع تابعین میں پایا جاتا تھا۔

سوم یہ کہ اگر ان شیعیان اولیٰ کی روایتوں سے دست کشی کی جائے تو آثار نبویہ کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا احتمال ہے۔

چہارم۔ یہ کہ اہل سنت نے صاحبان بدعت کبریٰ یعنی روافض۔ سے اخذ حدیث نہیں کیا اور نہ ان کی روایات کو مستند مانا ہے۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ غلو تشیع یعنی شیخین پر جناب امیر کو فضیلت دینی جس کو متاخرین نے بدعت صغریٰ قرار دیا ہے۔ اس کی کہاں تک اصلیت ہے بدعت کے معنے ہیں امر محدث فی الدین جس کا ماخذ کتاب وسنت اور آثار صحابہ سے نہ ہو۔ ورنہ کبرت کلمۃ تخرج من افواہم ان یقولون الا کذبا۔ جناب امیر کی افضلیت کا ثبوت احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ سے ملتا ہے۔ سب سے قطع نظر کرکے ہم اس حدیث کو پیش کرتے ہیں۔ جو ائمہ حدیث کے نزدیک اثبت الاخبار

اصح الاحادیث خبر متواتر حدیث متفق علیہ ارشاد و انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ ہے - جس کی شرح میں امام نووی علیہ الرحمۃ المنہاج شرح مسلم شریف میں لکھتے ہیں فیہ اثبات فضیلۃ لعلی لا تعرض فیہ لکونہ افضل من غیرہ او مثلہ لیس فیہ الا لالۃ لا ستخلافہ یعنی اس حدیث سے جناب امیرؓ کی فضیلت کا اثبات ہے جسمیں تعرض نہیں کیا جا سکتا بباعث ان کے افضل ہونے کے اپنے غیر سے یا اپنے مثل اصحاب سے اور اس سے ان کی خلافت پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

حضرت اگر نہیں ہو سکتا تو نہ ہو ہمارا مطلب تو ثبوت افضلیت ہے سو وہ آپ کی تقریر سے ثابت ہے۔

عن - ابن جبیر قال قلت لعلی بن الحسین یا سیدی ان ابی حدث عن ابی جحیفۃ وہب بن الخیر ان اباک صعد المنبر و قال خیر ہذہ الامۃ بعد نبیہا ابو بکر و عمر - فقال ابن نذہب بک یا حکیم حدثنی سعید بن المسیب ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ ان المؤ من یہضم نفسہ (اخرجہ الخطیب فی تاریخ بغداد فی ترجمہ طریف بن عبد اللہ الموصلی)

ابن جبیر کہتا ہے کہ میں نے جناب امام زین العابدین سے عرض کیا کہ یا سیدی مجھ سے وہب بن الخیر بیان کرتا تھا - کہ آپ کے والد ماجد جناب امیر نے منبر پر چڑھ کر ارشاد کیا تھا - کہ بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس امت میں سب سے بہتر ابوبکرؓ اور عمرؓ ہیں جناب امامؓ نے فرمایا - اے عقل والے تجھے ہم کہاں لے جائیں - ہم سے سعید بن مسیب نے بیان کیا ہے - کہ حضرت نے فرمایا ہے - کہ یا علیؓ تم مجھ سے بمنزلہ ہارون کے موسیٰ سے - مومن ہمیشہ اپنی کسر نفسی کیا کرتا ہے۔

صلاح بن مہدی المقبلی علم شائخ فی آثار الحق اباء المشائخ میں لکھتے ہیں و العجب من المحدثین نراہم یجرحون بمثل قول شریک القاضی وقد قیل عندہ معاویہ حلیم فقال لیس بحلیم من سفہ الحق و حارب علیا و بقولہ قد قیل لہ الا تذور اخاک فلانا فقال لیس باخ من ازراء علیؓ و عمار و تراہم یتکلمون فی وکیع و اضرابہ من تلک الدرجۃ الرفیعہ دینا و ورعا یقولون بتشیع و تشیعہ انما ہو بمثل ذلک ما ذکرنا من شریک فان کان التشیع انما ہو ذلک فلقد ر۔

فلعمری مایسع منصفا الخروج عنه ارادا لمحد ثون وسائر من سمی نفسه بالنسبته روبدعتهم فابتدعوا فی الجانب الاخر ووضعوا ما رفع الله ورفعوا ما وضع انتہی کلامہ

یعنی محدثین پر تعجب ہے۔ کہ وہ قاضی شریک کی بات پر یا اس کی سی باتوں پر جرح کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ ایک دفعہ اس کے پاس ذکر کیا گیا۔ کہ امیر معاویہؓ حلیم ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ کہ جو شخص سچے امر پر بیوقوف بن جائے اور علیؓ کے ساتھ جنگ کرے۔ وہ حلیم نہیں ہوسکتا اسی طرح سے اور ایک دفعہ اس سے کہا گیا۔ تو اپنے فلانے بھائی کی زیارت کو کیوں نہیں گیا۔ اس نے کہا جو شخص کہ علی اور عمارؓ پر عیب لگائے وہ ہرگز میرا بھائی نہیں ہے کبھی تو دیکھے گا کہ وہی محدثین میں سے وکیع اور اس کے امثال کو باوجود دین اور ورع میں ان کے اس قدر رفیع الدرجات ہونے کے شیع کہنے لگتے ہیں۔ اور ان کا شیعہ پن صرف اتنا ہی ہے۔ جتنا کہ ہم نے قاضی شریک کا بیان کیا ہے۔ اور اگر شیعہ پن اسی کا نام ہے۔ جو کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ تو مجھے اپنی جوانی کی قسم ہے۔ کہ پھر کوئی منصف مزاج اس سے نہیں بچ سکے گا۔ اہل حدیث و نیز وہ لوگ جو اپنی جان کو اہل سنت کہلاتے ہیں۔ ان لوگوں کو بدعتی ٹھیرانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور خود دوسری طرف بدعت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جس بنیاد کو خدا نے گرایا ہے۔ اس کو بناتے ہیں۔ اور جس کو بنایا ہے اس کو گراتے ہیں۔

اس مباحث سے یہ تو ہم کو ثابت ہو گیا ہے کہ مذہب تفضیل کثرت سے طبقہ تابعین اور تبع تابعین میں رائج تھا۔ اب ہم کو تھوڑی دیر کے لئے نگاہ اٹھا کر ان کے اوپر کے طبقہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ یہ غلو تشیع کوئی صاحب ان میں بھی رکھتا تھا یا نہیں۔ اگر بعض صحابہ اس کے قائل نظر آئیں۔ تو ایسا اعتقاد جو خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم میں پایا جاتا ہے۔ اس کو بدعت قرار دینا خود بدعت ٹھہریگا۔ حافظ ابن عبد البر المزی القرطبی المالکی رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب میں لصدر ترجمہ جناب امیر علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ روی عن سلمان وابی ذر والمقداد وخباب وجابر وابی سعید وزید بن ارقم ان علی بن ابی طالب اول من اسلم وفضله هولاء علی غیره۔ یعنی سلمان اور ابوذر اور مقداد اور جنابؓ اور جابر اور ابوسعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے

روایت ہے کہ علی ابن ابی طالب وہ شخص ہیں۔ جو سب سے پہلے اسلام لائے ہیں اور یہ بزرگواران کو یعنے جناب امیر کو ان کے غیر پر فضیلت دیا کرتے تھے۔ (حافظ ابن عبد البر کے سوا حافظ ابی الحجاج یوسف بن زکی بن عبد الرحمن بن یوسف المزی الکلبی الشافی نے بھی اس حدیث کو کتاب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں نقل کیا ہے) اس کے ماسوا عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ نے کتاب المعارف میں جہاں پر شیعان علی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے۔ واسماء الغالیۃ من الشیعۃ ابو الفضل صاحب روایۃ المختار وکان اخر من رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موتا والمختار وابو عبد اللہ الجدلی وزرادۃ بن اعین وجابر الجعفی۔ یعنے تشیع میں غلو کرنے والوں کے یہ نام ہیں۔ ابو الفضل مختار کا علم بردار جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دیکھنے والوں سے پیچھے فوت ہوا ہے اور مختار بن ابو عبیدہ ثقفی اور ابو عبد اللہ الجدلی اور زرارہ بن اعین اور جابر الجعفی ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کے مذہب کی نسبت علامہ ابن عبد البر الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھتے ہیں وکان ابو الطفیل عامر بن واثلۃ یتشیع فی علی ویفضلہ ویثنی علی الشیخین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما ویترحم علی عثمان رضی اللہ عنہ یعنی ابو الطفیل عامر بن واثلہ جناب امیر رض کی شان میں اعتقاد شیعیت رکھتے تھے۔ اور شیخین یعنے حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی مدح اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید بے دیت کے لئے بخشش ہمیشہ کیا کرتے ان صحابہ کبار کے سوا حضرت عباس رض کا بھی یہی مسلک ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حافظ خطیب تاریخ بغداد میں بترجمہ قاضی شریک لکھتے ہیں دخل شریک علی المھدی فقال لہ المھدی ما تقول فی علی ابن ابی طالب قال ما قال فیہ جدک العباس وعبد اللہ قال وما قال فیہ قال اما العباس فمات وعلی عندہ افضل الصحابۃ وقد کان یری کبراء المھاجرین یسالون عما ینزل علیھم من النوازل وہو ما احتاج الی احد حتی لحق باللہ عزوجل واما عبد اللہ فانہ کان یضرب بین یدیہ بسیفین وکان فی حروبہ راسا متبعا وقائدا مطاعا فلو کانت امامتہ علی جور کان اول من یقعد عنھا ابوک لعلمہ بدین اللہ وفقھہ فی احکامہ فسکت المھدی ولم یمض بعدہا المجلس الا قلیل حتی عزل شریک رحمۃ اللہ علیہ ؛

یعنی قاضی شریک ایک دفعہ مہدی عباسی کے پاس گیا۔ مہدی نے اسے کہا تو علیؑ کے حق میں کیا کہتا ہے۔ شریک نے کہا جو بات میرے دو دادے حضرت عباسؓ اور عبداللہ بن عباس ان کے حق میں کہتے ہیں۔ وہی بات میں کہتا ہوں مہدی باللہ کہنے لگا۔ وہ کیا کہتے ہیں شریک نے کہا عباس کا مرنے تک یہی اعتقاد تھا۔ کہ علیؑ سب صحابہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ حضرت عباس دیکھا کرتے تھے۔ کہ اکابر مہاجرین کو عبادت میں جو مشکلیں پیش آتی تھیں وہ جناب علیؑ سے پوچھا کرتے تھے۔ اور جناب امیرؑ کو اپنی وفات کے وقت تک کبھی کسی بات میں صحابہ سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور عبداللہ بن عباس تمام حروب صفین میں جناب امیر کے تابع ان کی فوج کے سردار تھے۔ اگر جناب علی کی امامت ظلم ہوتی۔ تو سب سے پہلے عبداللہ بن عباسؓ ہی بباعث اپنے علم دین اور فقہ فی احکام کے ان کی شرکت سے کنارہ کش ہو جاتے ۔ مہدی یہ سنکر خاموش ہو گیا۔ اس گفتگو پر نہایت ہی تھوڑی مدت گزرنے پائی تھی۔ کہ مہدی نے شریک کو قضا کے عہدے سے معزول کر دیا ۔

خدا کا شکر ہے کہ جس اعتقاد پر ہم کو مبتدع اور اہل الہوا ء قرار دیا جاتا ہے اس میں حضرت عباس عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت سلمان فارسی ابوذر غفاری اور مقداد بن اسود اور خباب بن الارت اور جابر بن عبد اللہ انصاری اور ابوسعید خدری اور زید بن ارقم اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ الکنانی رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ہمارے پیشوا ہیں۔ بابی انت وامی لنعم ما قال رسول اللہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم ۔ ولنعم ما قال امامنا ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی المطلبی رحمۃ اللہ علیہ سہ اذا نحن فضلنا علیا ۔ فاننا ۔ روافض بالتفضیل عند ذوالجہل ۔ وفضل ابی بکر اذماذکرتہ رمیت نصب عند ذکرالفضل ۔ فلا زلت ذا رفض ونصب کلیہما حتی وسدتہ فی الرمل ۔ وایضًا قال سہ ولوکان الرفض حب ال محمد فلیشہد الثقلان انی روافض ۔ وقال البیہقی وانما قال الشافعی ذلک حین نسبہ الخوارج الی الرفض حسدا وبغیا (صواعق محرقہ علامہ ابن حجر)

کیا اچھا فرمایا ہے۔ ہمارے امام اعظم سیدنا ومولانا حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی

مطلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ جب ہم علی علیہ السلام کو فضیلت دیتے ہیں تو ہم بیوقوفوں کے نزدیک رافضی ٹھیراتے ہیں اور جب ہم حضرت ابوبکر کے فضایل بیان کرتے ہیں۔ تو ناصبی قرار دیئے جاتے ہیں۔ میں مرنے تک ان دونوں صاحبوں کی محبت میں ہمیشہ رافضی اور ناصبی ہوں۔ اگر آل محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رفض ہے۔ تو جن والنس گواہ رہیں۔ میں رافضی ہوں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کہ جناب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اشعار اس وقت تصنیف کئے تھے۔ جب کہ خوارج نے حسد اور بغض سے ان کو رافضی کہا تھا۔

اب ہم ان شیعہ بزرگواروں کے نام کی ایک فہرست مختصر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ جن کو ایک طرف سے تو مبتدع قرار دیا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف سے ان سے اخذ حدیث کیا جاتا ہے۔ حافظ عبدالرحیم العراقی شرح الفیہ الحدیث میں لکھتے ہیں وکتاب مسلم ملان من الشیتبہ یعنے صحیح مسلم شریف شیعہ کی روایتوں سے مالامال ہے سیوطی علیہ الرحمۃ تاریب الرادی فی شرح تقریب النواوی میں بخاری اور مسلم کے راویوں کے بیان میں لکھتے ہیں۔ اردت ان اسر اسماء من ردی بالتشیع من اخرج لهم البخاری والمسلم او احدهما وهم اسمعیل ابن ابان و اسمعیل بن زکریا الخلقانی وجریر بن عبد الحمید وابان بن تغلب الکوفی وخالد بن محلد القطوانی وسعید بن فیروز وابو البختری وسعید بن عمرو بن اشوع وسعید بن عمیر وعباد بن العوام وعبادة بن یعقوب وعبد اللہ بن عیسٰی بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی وعبد الرزاق بن ہمام صاحب المصنف وعبد الملک بن اعین وعبید اللہ بن موسٰی العیسٰی وعدی بن ثابت الانصاری وعلی بن الجعد وعلی بن الهاشم بن البرید وفضل بن دکین وفضیل بن مرزوق الکوفی وفطر بن خلیفہ ومحمد بن جحادة الکوفی ومحمد بن فضیل بن غزوان ومالک بن اسمعیل وابو غسان یحیٰی بن الجزار هولاء رموا بالتشیع انتهی ارادہ کرتا ہوں میں کہ شمار کروں نام ان لوگوں کے جو کہ تشیع کے ساتھ منسوب ہوئے ہیں۔ اور احادیث اخذ کئے ہیں۔ ان سے امام بخاری یا مسلم نے یا ایک نے ان دونوں میں سے اور وہ اسماعیل بن ابان اور اسمعیل بن ذکریا خلقانی اور جریر بن عبد الحمید الخ

عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری نے المعارف میں بھی ایک فہرست دی ہے
وہو ہذا الشیعۃ الحرف الاعور۔ وصعصعہ بن صوحان والاصبح بن نباتہ وعطیۃ العوفی و
طاؤس والاعمش وابواسحاق السبعی وابوعادق وسلمۃ بن کہیل والحکم بن عتیبہ وسالم بن ابی
الجعد وابراہیم وحبہ بن جوین وجیدب بن ثابت ومنصور بن محتمر وسفیان الثوری شعبہ بن الحجاج
وفطر بن خلیفہ والحسن بن صالح بن حی وشریک قاضی وابواسرائیل و محمد بن فضیل و
دکیع وحمید الرواسی وزید بن الحباب والفضل بن وکین والمسعودی اصغر وعبید اللہ
بن موسیٰ وجریر بن عبد الحمید وعبد اللہ بن داؤد وہشیم وسلیمان التیمی وعوف الاعرابی و
جعفر الضبیعی ویحیی بن سعید القطان وابن لہیعہ وہشام بن عمارۃ والمغیرۃ صاحب
ابراہیم ومعروف بن خربوذ وعبد الرزاق ومعمر وعلی بن الجعد ؛
ان کے سوا اکثر اور بھی ائمہ حدیث انہیں شیعان علی کی قطار میں شمار کئے جاتے تھے
چنانچہ ابن خلکان وفیات الاعیان میں بہ ترجمہ امام نسائی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں الامام
ابو عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی خرج الی دمشق ودخل فسئل عن معاویہ
وما روی من فضائلہ فقال ما اعرف لہ فضیلۃ الا اشبع اللہ بطنہ وکان یتشیع
فما زالوا یدفعون فی خصیتہ حتی خرجوہ من المسجد ؛ یعنی امام عبد الرحمٰن بن
شعیب النسائی صاحب فن کبیر دمشق میں گئے۔ لوگوں نے ان سے امیر معاویہ کے
فضائل کے متعلق سوال کیا۔ امام نسائی نے جواب دیا۔ کہ مجھے ان کے فضائل کے
متعلق کوئی حدیث سوا اس حدیث کے کہ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے یاد نہیں
ہے۔ دمشق کے لوگوں نے امام نسائی کو خصیوں پر لاتیں مار کر ان کو مسجد سے نکال
دیا کیونکہ وہ شیعہ پن بیان کر رہے تھے ؛
حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں مصنف مستدرک علی الصحیحین ابو عبد الحاکم کے
ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ قال ابن طاہر سالت ابا اسمعیل الانصار عن الحاکم فقال ثقۃ
فی الحدیث رافضی خبیث ثم قال ابن طاہر کان شدید التعصب الشیعۃ فی
الباطن وکان یظہر التسنن فی التقدیم والخلافۃ وکان منحرفا عن معاویۃ
وآلہ متظاہر بذلک ولا یعتذر لہ قلت اما انحرافہ عن خصوم علی فظاہر واما
اما امر الشیخین فمعظم لہما بکل حال فہو شیعی لا رافضی انتہی

یعنی ابن طاہر ناقل ہیں۔ کہ میں نے ابو اسمٰعیل انصاری سے حاکم کی نسبت استفسار کیا وہ کہنے لگے حاکم حدیث میں ثقہ ہے۔ رافضی خبیث ہے پھر ابن طاہر کہتا ہے۔ کہ حاکم شیعہ مذہب سخت متعصب تھا اور تقدیم اور خلافت میں اپنے آپ کو اہل سنت ظاہر کرتا تھا۔ معاویہ اور اس کی اولاد سے منحرف تھا۔ اور اسی کا اظہار کرتا تھا۔ اور اس میں عذر نہیں کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں۔ کہ دشمنان علی سے اس کا انحراف تو ظاہر ہے لیکن شیخین کی ہر حال میں تعظیم کرتا تھا۔ اس لئے اس کو شیعہ کہنا چاہیئے نہ رافضی ؛

بعض احباب خیال کریں گے کہ مؤلف نے اپنا مذہب نہیں بتایا کہ وہ حضرات اہل سنت کا نام لیوا ہے یا امامیہ صاحبان کی جناب سے عقیدت رکھنے والا ہے اس لئے یہ خاکسار جو اپنا مسلک رکھتا ہے۔ ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔

(۱) جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امیر علیہ السلام سب صحابہ سے افضل اور اعلےٰ تھے ؛

(۲) جناب امیر علیہ السلام اور اہل بیت کے بعد بلا شبہ حضرت شیخین تمام صحابہ سے افضل اور اعلیٰ تھے ؛

(۳) عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک صاحب مستحق خلافت تھا۔ اگر استحقاق خلافت کی نسبت دیکھا جائے۔ تو استحقاق خلافت من حیث النبوۃ کسی کو بھی حاصل نہیں تھا۔ کیونکہ خلافت فی النبوۃ امر محال ہے۔ باقی رہ گئی خلافت فی ابقاء اصلاحات تو عشرہ مبشرہ میں سے ہر ایک کو اس کا استحقاق حاصل تھا۔ جس کو حاصل ہو گئی وہی خلیفہ ہو گیا ؛

خلافت امر منصوص نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو اس قدر جھگڑے کیوں پیش آتے اور انصار منا امیر اور منکم امیر کیوں کہتے آیا مہاجر اس نص کو نہ پیش کرتے ؛

اب اس کے بعد یہ بحث پیش آتی ہے کہ پس خلافت کس کا حق تھا۔ جس وقت کہ ہم یہ بحث کرنے لگیں پہلے ہم کو یہ فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ کہ خلافت کے استحقاق کا فیصلہ کرنے کے واسطے قوانین سیاست میں جو مختلف اصول استخلاف کے ہیں ان میں کون سے اصول کی بنا پر ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں آیا انتخاب کی بنا پر یا وراثت کے

اصول پر؟

وراثت کا اصول ہمارے دلوں میں عموماً جاگزین ہے اور اسی کو نگاہ میں رکھکر فیصلہ کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ لیکن وراثت کے اصول کے لحاظ سے تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دنیوی خلافت کا حق نہ حضرت ابوبکر کو حاصل تھا نہ حضرت امیر کو سب سے پہلے حضرت امام حسن اور ان کے بعد امام حسین کا حق تھا۔ ان کے بعد ان کی اولاد کا۔ بلاشبہ عرب کے لئے یہی سب سے بہتر اصول تھا۔ اگر اسکو اختیار کیا جاتا۔ مگر اندرونی اور بیرونی ناچاقیوں نے جن کا کہ ہم عنقریب ذکر کرینگے کسی کو اس کی طرف ملتفت نہ ہونے دیا۔ ماسوا اسکے عرب میں اس وقت سیاست مدن کا جو طریقہ تھا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ نہ پورا جمہوری تھا نہ پورا شخصی نہ پورا انتخابی نہ پورا موروثی حضرت ابوبکر کے انتخاب کی بنا جس واقعہ سے ہوئی۔ اس میں خاص اصول انتخاب وغیرہ کو مرعی نہیں رکھا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پُر ملال کو چند ساعتیں نہیں گزری تھیں اور صحابہ کبار تجہیز وتکفین کا فکر کر رہے تھے۔ کہ ان کے پاس خبر آئی کہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں اس غرض سے جمع ہوئے ہیں۔ کہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر اور خلیفہ بنالیں درحقیقت مدینہ میں منافقانہ بیج جو پہلے سے عبداللہ ابن اُبی کی چالوں سے بویا ہوا تھا جس نے ایک دفعہ قریش کے ساتھ انصار کے ایک خفیف سے تکرار ہو جانے پر کہا تھا کہ یہ مصیبت تم نے آپ ہی غیروں کو بلا کر اور شہر میں بسا کر اپنے سر پر ڈالی ہے۔ ” لائف آف محمد مؤلفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۰۸) اس وقت قومی مساوات اور رقیبانہ حقوق کے پردہ میں بار آور ہوا۔ اور اس نے انصار کو جلد ہی اس امر پر برانگیختہ کیا کہ خلافت قریش کے ہاتھ میں نہ جاتی رہے۔ چونکہ مدینہ طیبہ کے اصلی باشندے یہی تھے۔ ان کو مہاجرین یعنی مکہ والوں کے زیر حکومت رہنا کسی قدر ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ اور ان کو یہ خیال تھا کہ ان وطن سے بھاگے ہوئے لوگوں کو ہم نے اپنے پاس رکھا ہے۔ اور ان کی اعانت کی ہے۔ ہمارے ان پر احسان ہیں۔ یہ ہمارے زیر اطاعت ہونے چاہئیں۔ نہ کہ ہم ان کے تابع فرمان بن جائیں۔ وہ خدا کے رسول کی ذات بابرکات ہی ایسی تھی۔ جس کی غلامی ہم دل وجان سے کرتے تھے۔

اب ان کی وفات کے بعد قریش کو ہم لوگوں پر حکمرانی کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔ نہایت الامر ہم ایک کو اپنے میں سے اپنا جداگانہ امیر بنالیں چنانچہ سعد بن عبادہ کو جو بنی خزرج کا سرگروہ تھا۔ انصار نے بیعت کے لئے نامزد بھی کرلیا تھا۔ غرضیکہ بقول سرولیم میور وقت نہایت نازک ہو گیا تھا۔ اور اسلام کا آئندہ اتفاق معرض خطر میں تھا۔ (دیکھو کتاب اٹلس آف ارلی خلافت صفحہ ۲)

حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ یہ سُنکر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑے۔ حضرت ابوعبیدہ راستہ میں ان کے ساتھی ہوگئے یہ تینوں اصحاب انصار کے مجمع میں جا پہنچے۔ اور وقت کے بعد انصار کو اپنے ارادہ سے باز رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انتخاب خلیفہ کی نسبت حضرت ابوبکر نے کہا کہ حضرت عمر یا ابو عبیدہ میں جو اس وقت حاضر ہیں۔ ایک کو منتخب کرلو۔ حضرت عمرؓ نے عجلت کر کے کہ مبادا انصار میں سے کوئی برگشتہ ہو جائے۔ اور فتنہ برپا نہ ہو جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اگرچہ بعض نے بنی خزرج کو برگشتہ کرنے کی پھر بھی کوشش کی۔ مگر بنی اوس کے جو انصار میں سے دوسرا گروہ تھا۔ بیعت کر لینے پر کامیاب نہ ہوسکا۔ (دیکھو لائف آف محمدؐ مؤلفہ سرولیم میور صفحہ ۵۱۴)۔ حضرت علی علیہ السلام اس وقت موجود نہیں تھے۔ اور نہ ان سے رائے لینے کی مہلت ملی۔ جب حضرت ابوبکرؓ وہاں سے لوٹے تو سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دفن ہو چکے تھے۔ اس لئے شرکت جنازہ سے محروم رہے۔ جس کا کہ قلق ان کو تا مدّت العمر باقی رہا۔

یہ حالت تو اندرونی اسلام کی تھی۔ اب باہر کی حالت عرب میں جوش ارتداد و الحاد پھیلا ہوا تھا۔ ایک طرف عرب کے یہود و نصاریٰ مخالف اسلام ہو رہے تھے اور اس کی اشاعت کی ابتدا ہی سے مزاحم تھے۔ دوسری طرف مدعیان نبوت برسر پرخاش تھے۔ چنانچہ جن کی تنبیہ کے لئے حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ سرداری اسامہ بن زید ایک لشکر مدینہ سے باہر نکال چکے تھے۔ خود مسلمانوں میں بھی بعض قبائل اسلام سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ اور بعض ہوتے چلے جاتے تھے۔ بعض مؤلفۃ القلوب اور منافق تذبذب کے بھنور میں گرفتار تھے۔ صرف وہی مسلمان اسلام کی محبت پر ثابت قدم تھے۔ جو فتح مکہ سے پہلے خلعت اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور

اور جن کے دل پر خدا نے سکینہ اُتارا تھا ان کی تعداد پندرہ سولہ سو سے زیادہ نہیں تھی جن میں بعض مہاجر اور بعض انصار تھے جبکہ ان تھوڑے لوگوں میں بھی خلافت کی نسبت تکرار ہو رہا تھا۔ اگر معاذ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہو جاتی۔ اور مہاجر و انصار ایک خلیفہ پر اجماع نہ کر لیتے۔ تو اوّل مہاجر اور انصار ہی میں تلوار چل جانے کا احتمال تھا۔ جس سے اسلام کا آئندہ اتفاق بھی ہاتھ سے جاتا رہتا۔ اور اگر ایسے نازک وقت پر حضرت ابوبکرؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں نہ پہنچ جاتے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین کی انتظار میں بیٹھے رہتے یا سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچکر بیعت کو تھوڑی سی دیر کے لئے روکا جاتا۔ تو عظیم تفرقہ اُمّت محمدیہ میں پیدا ہو جاتا جس کی اصلاح اگر غیر ممکن نہ ہوتی تو دشوار ضرور ہی ہو جاتی ؎

اس کے ماسوا اگر ایسے شورشناک وقت میں جناب امیر کے دست مبارک پر بیعت واقعہ ہو جاتی تو اکثر بنی امیہ جو ابتداہی سے جناب امیر سے جلتے رہتے تھے کیونکہ ان کے ہاتھوں سے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ولید جیسے اموی سردار غزوات میں مارے جا چکے تھے۔ ضرور بگڑ جاتے۔ اور اسلام میں تفرقہ ڈال دیتے بھلا بنی اُمیّہ کو اپنے خویش و اقارب کے قاتل کے ہاتھ پر بیعت کر لینا کب گوارا ہو سکتا تھا ؎

اگر اس نازک وقت میں اسلام میں کوئی اندرونی جھگڑا جمل اور صفین جیسا برپا صحابہ کو خانہ جنگیوں سے دم بھر کی فرصت نہ ملتی یہی خاص مصلحت تھی جو صحابہ کو جناب امیرؓ کی بیعت سے مانع آئی ؎

ان واقعات محققہ سے چشم پوشی کر کے جو کچھ جس کے جی میں آئے سو کہے۔ نہ وہ بزرگوار غاصب تھے۔ اور نہ کسی کا حق چھیننا چاہتے تھے۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا۔ وہی مقتضائے وقت تھا۔ ان کی نیت بالکل نیک تھی۔ اسی نیک نیتی کی بدولت خدا نے ان کو وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کا صلہ عطا فرمایا تھا۔ چونکہ بعض مؤلفۃ القلوب اور منافقین کے خویش و اقارب کے خون سے ذوالفقار حیدری ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے بنظر حفظ ماتقدم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب امیر کو چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اسی احتیاط کو مدِّ نظر رکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب

کرنے کا کام مجلس شوریٰ کے سپرد کیا۔
جب کہ تمام لوگ سیرت شیخین کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اس لئے اصحاب شوریٰ یہ چاہتے تھے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام بھی اتباع سیرت شیخین رضی اللہ عنہما کا اقرار کر لیں تاکہ جناب امیر کی بیعت بالاجماع عمل میں آجائے۔ اور کوئی فتنہ برپا نہ ہو چونکہ جناب امیر شیخین رضی اللہ عنہما کو اکثر امور شریعت میں غلطی کرنے سے روکا کرتے تھے۔ جو بتقاضائے بشریت ان سے سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ جن کی نسبت اکثر جناب عمر رضی اللہ عنہ لولا علیؓ لہلک عمر۔ اور اعوذ باللہ من معضلۃ لیس فیہا ابو الحسن اور لا بقانی اللہ بعدک یا علیؓ فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے جناب امیر نے سیر شیخین کے اتباع کا اقرار نہ کیا۔ اور بخوف وقوع فساد امر خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر منتقل ہو گیا۔
لیکن اس میں کسی طرح کا شک نہیں۔ کہ حضرت امیر المؤمنین ہمیشہ اپنی خلافت کے خواہاں رہتے تھے۔ اور ان کی خواہش نہ اس غرض سے تھی۔ کہ ان کو دنیوی سلطنت حاصل ہو جائے بلکہ ان کی منشا یہ تھی۔ کہ امور خلافت میں کوئی کوتاہی جو بتقاضائے بشریت اکثر خلفاء سے ظہور میں آتی رہی ہے۔ احیاناً بھی وقوع میں نہ آتے۔

۳۔ بے شک ترتیب خلافت اجماعی ہے۔ لیکن تفضلہم علی ترتیب الخلافۃ اجماعی نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر استیعاب میں بذیل ترجمہ جناب امیر علیہ السلام لکھتے ہیں واختلف السلف ایضاً فی تفضیل علی وابی بکر۔ یعنی سلف کا جناب امیر اور حضرت ابو بکرؓ کی باہم فضیلت میں بھی اختلاف تھا۔
تفضلہم علی ترتیب الخلافت پر محدثین نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کیوقت سے اتفاق کر لیا ہے۔ چنانچہ حافظ موصوف اسی مقام کے نزدیک لکھتا ہے قال رعمر وقت جماعۃ من اہل السنۃ فی علی وعثمان فلم یفضلوا واحدا منہما علی صاحبہ منہم مالک بن انس و یحییٰ بن سعید القطان واما اختلاف فی السلف فی تفضیل علی وابی بکر فقد ذکر بن خیثمۃ فی کتابہ من ذالک ما فیہ کفایۃ واہل السنۃ الیوم علی ما ذکرت لک من تقدیم ابی بکر فی الفضل علی عمر و تقدیم عمر علی عثمان وتقدیم عثمان علی علی وعلی ہذا امامۃ اہل الحدیث من زمن

احمد حنبل الاخواص من اجلة الفقهاء و ائمة العلما فانهم علی ما ذکرنا عن مالك و یحیی بن سعید القطان و ابن معین فهذا اما بین اهل الفقه و الحدیث فی هذا المسئلة و اما اختلاف سائر المسلمین فی ذالك فیطول و قد جمعه قوم انتهی ؁

پس یہ اسلاف کا اختلاف ایک دلیل روشن ہے۔ کہ فضلهم علی ترتیب الخلافۃ اجماعی نہیں ہے ؁

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجتہد تھے۔ گر معصوم نہیں تھے۔ اور بوجہ المجتہد قد یخطی و قد یصیب ان سے اتی فدک کے معاملہ میں خطائی الاجتہاد واقع ہوگیا ہے

۵۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص طلب کرنے کے لئے جو جناب امیر رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آچھپے تھے حضرت امیر پر خروج ثابت ہے جس میں ان سے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے خطائی الاجتہاد سرزد ہوا ہے لیکن جنگ جمل میں طلحہ و زبیر دو نو صاحب شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ وہ علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور ام المؤمنین بے اختیار معرکہ میں پھنس گئی تھیں۔ (حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ شامل رہے ہیں مؤلف)

(۶) کل صحابہ مجتہد نہیں تھے۔ بلکہ بعض افاضل صحابہ مجتہد تھے اور بعض عوام تھے اس کا ذکر ہم امیر معاویہ کی خطا کی بحث میں کرینگے۔ (امیر معاویہ کی خطا کا ذکر اس کتاب میں نہیں کیا)

(۷) امیر معاویہ جناب امیر علیہ السلام سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص طلب کرنے کے لئے نہیں لڑے تھے۔ بلکہ خلافت کے لئے لڑے تھے۔ اس میں ان سے خطا منکر سرزد ہوئی ہے لیکن وہ اس خطا کی وجہ سے حد صحابیت سے خارج نہیں ہو گئے صحابہ معصوم نہیں تھے۔ اکثر بعض سے بتقاضائے بشریت خطاء منکر وقوع میں آگیا ہے لیکن وہ ایسے خطا کی وجہ سے مورد لعن وطعن نہیں ہو سکتے ؁

(۸) حراست خود اسلام اور اصلاح امت خیر الانام علیہ السلام کا نام خلافت ہے اگر کل امور میں اتباع سنت و ترویج قواعد شریعت ملحوظ خاطر خلیفہ رہے تو خلافت راشدہ ہے۔ ورنہ مملکت عضوضہ ہے ؁

(۹) سلطنت نہ نبوت کے لئے امر لازم تھی۔ نہ ولایت کیلئے بلکہ بجز چند نفوس انبیاء کے

کوئی نبی سلطان وقت نہیں ہوا۔ ولی کا سلطان وقت ہونا کہاں سے۔ لازم سمجھا جا سکتا ہے طالوت ملک صالح تھا لیکن نبی نہیں تھا۔ اس کے عہد میں سموئیل نبی تبلیغ احکام کرتے رہے

(۱۰) ہمارے نزدیک سب شیخین نہایت امر شنیع ہے ہم اپنے امامیہ مذہب کے احباب کے ساتھ ہرگز اس میں اتفاق نہیں کر سکتے۔

اولاً تاریخی واقعات کو نہایت انصاف کی نظر سے ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خوشی اور رضامندی سے خلافت حاصل کی ہے یا اس نازک موقع پر جب کہ خانہ جنگیوں کے چھڑ جانے کا احتمال تھا۔ اور جس کے اسباب فراہم ہوتے چلے جاتے تھے۔ مجبور ہو کر طوعاً و کرہاً اس کو منظور کیا تھا۔ اور جو خطرہ کہ سامنے نظر آرہا تھا۔ اس کو دفع کرنے سے اسلام پر احسان کیا۔

اسلامی خلافت میں اس وقت آیا۔ کچھ عیش و عشرت کے سامان موجود تھے جن کی کہ ان کو طمع پیدا ہو گئی تھی۔ یا کہ ایک بڑی بھاری ذمہ واری کا کام تھا۔ کیا وہ سنہری مسہرے یا پھولوں سے سجی ہوئی سیج تھی۔ یا کہ کانٹوں کا بچھونا بچھا تھا۔ اب اس کی وسعت کو دیکھیے کہ تمام عرب میں ایک سرے سے دوسرے تک ارتداد و الحاد اور بغاوت پھیل گئی تھی۔ جس کی نسبت ابن خلدون اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

ارتدت العرب عامة وخاصة واجتمع على طليحة عوام اسد وطى واىدت غطفان وتوقفت هوازن فامسكوا الصدقة وارتد خواص من بنى سليم وكذا سائر الناس بكل مكان ۱۲ دوثب الاسود باليمن ووثب مسيلمة باليمامة ثم وثب طليحة بن خويلد فى بنى اسد يدعى كلهم النبوة ۱۲ وتنبات سجاح بنت الحارث من بنى غطفان واتبعها الهذيل عمران فى بنى تغلب وعقبة بن هلال فى النمر والسليل بن قيس فى شيبان وزياد بن بلال واقبلت من الجزيرة فى هذه المجموع قاصدة المدينة ۔ یعنے عرب کے قبیلے بعض پورے بعض ادھورے مرتد ہو گئے۔ طلیحہ کی نبوت پر بنی طے اور بنی اسد نے اتفاق کر لیا اور غطفان مرتد بن بیٹھے۔ ہوازن کے لوگوں نے زکوٰۃ دینا بند کر دیا۔ بنی سلیم سے بھی بعض مرتد ہو گئے تھے۔ اسی طرح سب جگہ کے لوگ بگڑ بیٹھے تھے۔ ۱۲۔ اسود عنسی یمن میں اور مسیلمہ یمامہ میں اور طلیحہ بن خویلد بنی اسد میں نبوت کے دعوے دار کھڑے

ہو گئے تھے۔ ۱۲ بنی غطفان کی عورت سجاح بنت الحارث نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اور بنی تغلب ہذیل بن عمران اور قبیلہ نمر سے عقبہ بن ہلال اور شیبان کے لوگوں میں سے زیاد بن بلال اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ اور وہ عورت اس جمعیت کے ساتھ جزیرہ سے مدینہ کو چڑھ آئی تھی۔

غرض کہ مکہ والے لوگ بھی بگڑنے کو طیار تھے۔ جس کا تذکرہ ابن اثیر نے کامل التواریخ میں بھی کیا ہے۔ صرف ایک مدینہ منورہ باقی رہ گیا تھا۔ جس کو اسلام کے دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ وہ بھی اندرونی فساد سے معرض خوف و خطر میں تھا پس ایسے وقت میں حضرت ابوبکرؓ کی زبردست تدبیروں نے نہ صرف اعراب کے بے چین اور پُرشر طبائع کو قابو میں رکھا۔ بلکہ شام اور مصر اور ایران جیسی بڑی سلطنتوں کو جولانگاہ اسلام بنا دیا۔

پس اگر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر کوئی الزام لگایا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے ایسے شورشناک وقت میں اسلام کو بغاوت اور مفسدہ سے کیوں بچایا۔ اور کیوں وہ اسلامی سلطنت دنیا میں قائم کی۔ کہ جس کی بدولت آج ہم مسلمان کہلائے جاتے ہیں۔ اور جن کے اخلاق حسنہ اور عمدہ چال چلن اور بے نظیر حیرت انگیز کارناموں کو۔ گبن اور کارلائل اور سر ولیم جیسے عیسائی منصف مزاج مورخ باوجود تخالف مذہب کے نہایت عزت سے یاد کرتے ہیں۔

نہایت شرم کی بات ہے کہ ان بزرگان دین کی جناب میں گستاخانہ پیش آنے کو اور ان کے حق میں کلمات شنیعہ کے استعمال کرنے کو فرائض مذہبی کا ایک جزو اور باعث نجات سمجھا جاتا ہے۔

(۱) خدا کا کلام پاک بآواز بلند شہادت دیتا ہے کہ وہ سابق الاسلام تھے مہاجر تھے۔ بدری تھے بیعۃ الرضوان میں داخل تھے۔ ان جلیل القدر اسلامیوں نے سب سے پہلے بغیر کسی دنیاوی غرض کے خالصاً لوجہ اللہ اسلام قبول کیا تھا اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اپنے خویش و اقارب کو چھوڑ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر جان و مال فدا کیا تھا۔ اور قوم کے ہاتھوں سے ظلم اور ستم اُٹھائے تھے اور اسلام میں فقر و فاقہ گوارا کیا تھا۔

غرضیکہ وہی لوگ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (اور) محمد رسول اللہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم (اور) وعد اللہ الذین امنو منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض (اور) السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ (اور) لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (اور) والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنہم فی الدنیا حسنۃ ولاجر الاخرۃ اکبر (اور) والسابقون السابقون اولئک المقربون فی جنات النعیم (اور) الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذھما فی الغار (اور) ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین کے مصداق تھے۔

پس قرآن مجید کے مخالف کونسا ایسا ثبوت قطعی پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے ان بزرگوں کے نقائص ثابت ہوتے ہیں آیا قرآنی نصوص صریحہ کو کوئی حجت باطل کرسکتی ہے۔

احراق بنت فاطمہ کی تہدید کا بے بنیاد الزام جس کا کہ سر ولیم میور جیسا متعصب مخالف اسلام بھی قائل نہیں ہے (دیکھو لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور صفحہ ۱۸۵) ان بزرگوں کی طرف عائد کرکے بدگمان ہو جانا نہایت عقل اور انصاف سے بعید ہے۔

آیات قرآنیہ یقینی اور ان کے احکام قطعی ہیں۔ اخبار و آثار ظنیت کے درجہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اگرچہ ان کے راوی ثقہ ہی کیوں نہ ہوں پس جو شخص کہ نصوص صریحہ کو چھوڑ کر روایات کا تتبع کرتا ہے۔ وہ گڑھے میں گرتا ہے

جن آثار سے صحابہ کے مشاجرات یا شکر رنجیاں ثابت ہوتی ہیں وہ یا تو موضوع یا احاد ہیں۔ کوئی اثر متواترات کی حد تک تو کیا صحت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچتا پس اگر ایسے ظنیات اور شکیات و وہمیات کا تتبع کرکے نصوص قرآنیہ اور دلائل یقینیہ کو جن سے ان صحابہ کے فضائل و مناقب ثابت ہوتے ہیں چھوڑ دینا بالکل دیانت کے برخلاف ہے۔

ان قصص و آثار کا یہ حال ہے۔ کہ ایک شخص ایک قصّہ کو روایت کرتا ہے اور سُننے والا اسے آنکھ بند کر کے سُنتا ہے۔ پھر اس پر اصل حاشیہ چڑھا کر آگے تیسرے پاس نقل کرتا ہے۔ تیسرا اپنی طرف سے کچھ اور اس پر طرہ لگا کر چوتھے کو سناتا ہے۔ یہاں تک کہ اس قصّہ کی اصل حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور اصل کے مخالف ایک نیا قصہ بن جاتا ہے۔ اور بے سمجھ آدمی اُس کو سُن کر اور اس پر یقین کر کے صحابہؓ کے حق میں بدظن ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے ؛

سوم۔ اگر بفرض محال وہ حضرات ایسے ہی تھے۔ جیسے کہ ہمارے امامیہ احباب بیان کرتے تھے۔ تو ہم کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر کیوں بیٹھنے دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفن اطہر کے پہلو میں روضۃ من ریاض الجنۃ ہے۔ کیوں دفن ہونے دیا اگر یہ کہا جائے کہ جناب امیر علیہ السلام نے تقیہ کیا تھا۔ تو بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اصحاب جناب امیر جیسے اشجع عرب سے فدک چھین لیں اور خلافت غصب کر لیں۔ بیٹی چھین لیں گھر جلادیں۔ مادر جناب امیران کا مُنہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں کوئی بھی بنی ہاشم برسر غیرت نہ آئے۔ اور قومی ذلت کو روا رکھے۔ جناب امام حسین علیہ السلام نے تو اپنا سر اقدس کٹا دیا تھا۔ پھر اپنا گھر جلوایا تھا۔ لیکن جناب امیر علیہ السلام زندہ ہوں۔ اور ان کے سامنے ان کا گھر جلا دیا جائے۔ نہایت تعجب کی بات ہے ؛

چہارم :- جہاں تک ہم سچی روایات کا تتبع کرتے ہیں۔ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام ان بزرگوں کو نہایت خیر سے یاد کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام اکثر فخریہ ارشاد کیا کرتے تھے " ولدنی ابوبکر مرتین " یعنی مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ جنا ہے۔ اس کی وجہ کو عبدالرؤف المناوی طبقات الکبریٰ میں اور ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ امہ فروۃ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق وامہ القاسم اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر لذالک کان یقول ولدنی ابو بکر مرتین یعنی جناب جعفر صادق علیہ السلام

کی والدہ ا جدہ کا نام فردہ بنت القاسم بن محمد بن ابی بکر تھا۔ اور قاسم کی والدہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تھا۔ اسی لئے جناب صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ابوبکر نے دوبارہ جنا ہے۔ ظاہر ہے۔ نسب میں اس کے ساتھ فخر کیا جا سکتا ہے۔ جو قابل فخر ہو۔

اسی طرح سے روایت ہے۔ کہ کسی نے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کیا۔ یا بن رسول اللہ ما تقول فی ابی بکر و عمر آپ نے فرمایا۔ ھما امامان عادلان کانا علی الحق وماتا علی الحق۔ یعنی وہ دونوں امام تھے۔ عادل تھے۔ اور حق پر تھے۔ اور حق پر ان کا انتقال ہوا۔ حضرت سید محمد صاحب مجتہد العصر نے بھی کتاب ادلہ تقیہ فی اثبات تقیہ مطبوعہ لودیانہ ۱۲۸۲ھ میں اس کو تحریر کیا۔ کہ اس کے معانی میں ایک طویل الذیل تاویل درج کی ہے لیکن ایسی ہی تاویلیں اگر ہر کلام میں پیدا کی جائیں۔ تو شاید ہی کسی کلام سے مستقیم معنے پیدا ہو سکیں۔

بحار الانوار میں ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ روی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اعز الا سلام بعمر بن الخطاب او بعمرو بن ہشام حافظ ذہبی کاشف میں ہمارے شیخ المشائخ اجلح بن عبداللہ الکندی الشیعی سے نقل کرتے ہیں۔ اجلح بن عبد اللہ ابو حجیہ الکندی کان شیعی وروی عن شریک القاضی انہ قال من سب ابا بکر و عمر احد الا افتقر او قتل۔ یعنے اجلح بن عبداللہ ابو حجیہ الکندی شیعہ مذہب شریک القاضی ان سے روایت کرتا ہے۔ کہ اجلح کہا کرتے تھے۔ کہ جس کسی نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما پر سب کی ہے۔ وہ یا تو محتاج ہو گیا ہے۔ یا مارا گیا ہے۔ خیر اس کے تو ہم قائل نہیں کہ وہ محتاج ہو گیا یا مارا گیا ہے۔ ہماری غرض تو صرف اتنی ہے۔ کہ ہمارے شیعان اولیٰ سب (یعنے دشنام) شیخین کو بہت برا جانتے تھے۔ اور ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔ خواہ ہم کو کوئی سنی کہے یا شیعہ کہے۔

ہمارے نزدیک وہ صدیق تھے۔ اور جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے یار غار تھے۔ خدا کے خاص بندے تھے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ بسبل یہ اقتباس جو ایک شیعہ مذہب رکھنے والے شخص کی کتاب سے دیا گیا ہے۔ کسی مزید حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں ہے۔ اور تیر اباز شیعہ حضرات کیلئے ایک دندان شکن جواب ہے۔ اب اس موضوع پر کچھ لکھنا لاحاصل ہے۔ کیونکہ بنیادی اختلاف اس سے حل ہو جاتا ہے

جناب امیرؑ کا علم

اوّل تو یونہی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے حبیب کے حبیب امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کو فطرتاً ذکی طبع پیدا کیا۔ جس سے ان کی طبیعت کا رجحان حصول علم و فنون کی طرف تھا۔ اور کھیل کود کی طرف کبھی خیال بھی نہ جاتا تھا۔ دوسرے آپ کی تربیت بھی سرور دو جہان محبوب رب کون و مکان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہوئی۔ جس کے باعث استعداد علمی اور ذہانت و قابلیت اعلےٰ درجہ کی ہوگئی۔ اور ایسا ہونا بھی لازمی تھا۔ کیونکہ آپ کا اتالیق تمام کائنات میں سے برگزیدہ اور مکمل انسان تھا۔ جو ہر حال میں آپ کی خبر گیری رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں سونے پر سہاگہ یہ بات کیا کم تھی۔ کہ آپ کو ہر وقت بارگاہ نبوی میں حضوری حاصل تھی۔ جو دیگر صحابہ کرام کو نصیب نہ تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ تمام عقلائے زمانہ آپ کے اقوال و قضایا پر آج تک انگشت بدندان رہیں اور تمام دانایان زمانہ آپ کے خوشہ چین ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ دنیا و دین کے جس علم کی طرف دیکھا جائے آپ کو دست گاہ تام حاصل تھی۔ کوئی علم ایسا نہیں تھا۔ جس میں آپ کو مکمل عبور حاصل نہ ہو۔ اس واسطے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جناب علی علیہ السلام کی شان میں انا مدینۃ العلم و علی بابہا فرمایا تھا۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ بعض راویوں نے اس حدیث شریف میں مندرجہ ذیل الفاظ کو اور زیادہ روایت کیا ہے۔ فمن اراد العلم فلیاتِ من بابہا" یعنے جو شخص علم تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس کو لازم ہے۔ کہ اس دروازے میں سے داخل ہو۔ مطلب صاف ہے۔ جس میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ یعنی جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسکو جناب علی علیہ السلام سے استفادہ حاصل کرنا چاہیئے۔ تاوقتیکہ اس دروازے کے آگے سر نیاز خم نہ کرے علم الٰہی سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ ایک اور روایت میں اس طرح وارد ہے کہ "انا دار الحکمۃ و علی بابہا" یعنے میں حکمت و علم کا گھر ہوں اور جناب علیؑ اس گھر کا دروازہ ہیں ؀

آپ کا علم جملہ صحابہ کرام سے بڑھ کر تھا۔ اس لحاظ سے آپ کو جملہ صحابہ کرام کا اعلم کہہ سکتے ہیں جس کے ثبوت میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث کافی ہے۔ عن سلمان الفارسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اعلم امتی بعدی علی ابن ابی طالب یعنی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد سب سے زیادہ علم والا علی ابن ابی طالب ہے۔

اگرچہ جناب امیر علیہ السلام کے اعلم ہونے کی نسبت اور بیشمار احادیث وارد ہیں جن میں آپ کو اعلم اور خزانہ علم بیان کیا گیا ہے سب شمار اقوال بزرگان آپ کے علم کی فضیلت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ حضرت عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی آپ کی ذات کو مغتنمات میں سے جانتے تھے۔ اور مشکل کے وقت آپ سے ہی پوچھا کرتے تھے۔ لیکن ان سب احادیث اور اقوال کو ہم دیدہ دانستہ بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہوئے مختلف علوم و فنون میں آپ کی دستگاہ تامہ کا مختصر سا ذکر کرتے ہیں۔

علم القرآن

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں۔ کہ صرف جناب علی علیہ السلام ہی وہ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے قرآن مجید کو جمع کر کے خدمت نبوی میں پیش کیا۔ آپ نے سرور کائنات صلعم کی عین حیات میں ہی قرآن شریف کو ازبر کر لیا ہوا تھا۔

ملہ۔ جو قرآن مجید کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمع کیا تھا۔ اس کی نسبت متعدد بزرگوں اور صحابہ کرام رض کا قول ہے۔ کہ وہ ترتیب نزول کے مطابق تھا۔ یعنے جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ اسی ترتیب کے ساتھ آپ نے جمع کیا۔ کئی بزرگوں کا قول ہے۔ کہ اگر اسی ترتیب کا قرآن مجید جیسا کہ نازل ہوا تھا۔ اور جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جمع کیا تھا۔ مل جاتا۔ تو دنیائے اسلام کے علم میں بیش بہا اضافہ ہوتا۔ لیکن اکثر بزرگ اس قول کے قائل نہیں ہیں۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابو جہل اور دیگر متعدد صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ جب صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ نے بیعت نہ کی۔ تو بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ یا خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی نے آپ کی بیعت سے نفرت کی ہے اور اسی واسطے انہوں نے آپ کی بیعت نہیں کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو کہلا بھیجا۔ اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ خود ملے خیر کچھ ہو بہر حال جب آپ سے پوچھا گیا۔ کہ کیا آپ نے میری امامت سے کراہت کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ واللہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی میں نے کراہت نہیں کی۔ بلکہ میں آپ کی بیعت پر دیگر صحابہ کی طرح متفق ہوں۔ پھر آپ سے پوچھا گیا۔ کہ اگر در حقیقت یہی بات ہے۔ تو آپ نے اب تک بیعت کیوں نہیں کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے دل سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک میں قرآن مجید کو جمع نہ کر لوں گا۔ اپنی رداء کو سوائے نماز کے نہ اوڑھوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ سنکر مطمئن ہو گئے۔ اور فرمایا۔ ابا الحسن آپ کی رائے انسب ہے ؛

خود جناب امیر علیہ السلام سے بھی اسی قسم کی ایک روایت مروی ہے کہ میں نے قسم اُٹھائی ہے۔ جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کر لوں گا۔ اپنی پشت سے رداء کو نہیں اُتاروں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب تک قرآن مجید کو جمع نہ کر لیا۔ رداء کو پشت پر سے نہ اُتارا جملہ بزرگان اس روایت کی صحت پر متفق ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سب سے آخر میں کی ؛

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ اے علی تم مؤمنوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والے خدا کی کلام میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرنے والے رعیّت پر مہربانی کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ رتبے والے ہو ؛

حضرت محمد بن حنفیہ من عندہ علم الکتب یعنی جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم ہے۔ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ لفظ جس کا ارشاد حضرت ابن ابی

طالب کی طرف ہے۔ اور یہ آیت جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ اس کی توضیح خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کردی تھی۔

ان احادیث سے جن کا مفہوم اوپر دیا گیا ہے یعنی جناب رسول اللہ صلعم کا یہ فرمانا کہ تم خدا کی کتاب میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہو۔ سب سے اوّل قرآن مجید کے جمع کرنے پر مائل ہونا اور پھر جمع کرلینا۔ اور سارے قرآن مجید کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حین حیات میں ہی زبانی حفظ کرکے سُنا دینا صاف صاف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ آپ علم القرآن میں پورے ماہر تھے آپ کا یہ دعوے کرنا۔ کہ جو کچھ کسی نے پوچھنا ہو۔ بے دھڑک مجھ سے پوچھ لے۔ آپ کی ذات بابرکات ہی کا کام تھا۔ آپ کو علم القرآن میں دست گاہِ تامہ حاصل ہونے کے سب سے بڑھکر یہ حدیث شریف موید ہے۔ عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یقول علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یتفرقان حتیٰ یردا علی الحوض الکوثر۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا ہے۔ کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونو آپس میں ہرگز نہ جدا ہوں گے۔ جب تک کہ دونوں حوض کوثر پر وارد نہ ہو جائیں۔ اسی حدیث شریف کو دیگر متعدد راویوں نے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس کے اسناد بھی اصح ہیں۔

علم القرات

جس طرح آپ علم القرآن میں سب سے افضل ترین ہیں اسی طرح آپکا علم القرأت بھی مسلمہ ہے قاری ابو عبد الرحمان السلمیؒ جنکو کہ جملہ آئمہ قرأت استاد مان کر ان سے سند حاصل کرتے ہیں۔ فرماتے ہم نے اور کسی کو علم القرأت میں ایسا ماہر نہیں دیکھا جیسے کہ جناب امیر ماہر تھے یہ یاد رہے کہ قاری عبد الرحمان السلمی جناب امیر کے شاگرد ہیں اور باقی تمام ائمہ قرأت قاری موصوف کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

علم تفسیر

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے لوگو تم مجھ سے قرآن مجید کی بابت پوچھو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کوئی آیت شریف ایسی نہیں ہے جس کا شان نزول مجھ کو معلوم نہ ہو۔ مجھے ہر ایک آیت کی نسبت علم ہے۔ کہ وہ دن کو نازل ہوئی۔ یا رات کو۔ کس کے حق میں نازل ہوئی۔ زمین ہموار میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ غرضیکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورا علم ہے۔ اسی روایت کو ابن سعد اور ابو الطفیل نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جن کو تمام مفسرین بالاتفاق رئیس المفسرین اور ترجمان القرآن مانتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے ہی شاگرد ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو کوئی بات جناب امیر علیہ السلام سے ثابت ہو جاتی۔ تو پھر کسی دوسرے سے پوچھنے کی حاجت باقی نہ رہتی تھی۔ کیونکہ ہمارے قلوب آپ کے فرمان اور شرح سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ اور کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید فرقان حمید سات حرفوں پر نازل ہوا ہے۔ اور ہر حرف کا ظاہر و باطن ہے۔ اور تحقیق جناب علی علیہ السلام اس کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں۔

علم الحدیث

چونکہ جناب امیر علیہ السلام ہر وقت خدمت نبوی میں حاضر رہتے تھے۔ اس لئے آپکو تمام احادیث قرآن مجید کی طرح ازبر تھیں یہی وجہ تھی۔ کہ جب کبھی آپ نے خطبہ پڑھایا۔ وعظ ونصیحت کی لوگوں کو تلقین کی آپ ہمیشہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث ہی بیان کیا کرتے تھے۔ یا قرآن مجید کی آیات اور انہی کی شرح کر کے لوگوں کو اپنے چشمۂ علم سے سیراب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر بعض صحابہ کرام نے

آپ سے سوال کیا کہ یا امیرالمومنین کیا وجہ ہے کہ آپ عموماً بہ نسبت دیگر اصحاب اور خلفا کے زیادہ تر حدیث شریف کو بیان فرماتے ہیں آپ نے فرمایا۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں میرا یہ حال تھا کہ جو کچھ میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پوچھا کرتا تھا آن حضرت مجھ سے بیان فرما دیا کرتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود ابتدا فرماتے تھے اس روایت کو حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ اور دیگر متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا علم الحدیث کس حد تک ہوگا۔

روایت مذکورہ بالا اور ہر وقت جناب امیر کا خدمت نبوی میں حاضر رہنا اس امر کی طرف صاف صاف دلالت کرتا ہے کہ کوئی حدیث جناب رسول مقبول صلعم کی ایسی نہیں ہوگی۔ جو آپ کو یاد نہ ہو۔ لیکن بایں ہمہ بہ نسبت دیگر صحابہ کرام کے آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں۔ حالانکہ دیگر صحابہ کبار سے آپ زیادہ عرصہ بعد رحلت سرور کون و مکان محبوب رب دوجہان صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ رہے غور کے ساتھ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے آپ سے بہت کم احادیث مروی ہونے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ آپ کے عہد خلافت میں مسلمان چار گروہوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ جن میں سے پہلا فرقہ بنی امیہ کا تھا۔ جو اول تو بنی ہاشم کا ہی دشمن جانی تھا۔ لیکن جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو مخالفت اور بڑھ گئی اور یہ لوگ بوجہ خصومت کے جناب امیر علیہ السلام سے روایت نہیں کیا کرتے تھے۔ دوسرا گروہ بالکل بے تعلق تھا۔ نہ تو وہ جناب کا مخالف تھا۔ اور نہ موافق اور چونکہ جناب امیر کے بعد بنی امیہ ہی برسر اقتدار ہو گئے تھے۔ اس لئے ان کے رعب سے یہ گروہ بھی جناب امیر علیہ السلام سے اخذ روایت کی جراءت نہیں کرسکتا تھا۔ تیسرا گروہ آپ کے تابعین کا تھا۔ لیکن جنگ نہروان کے بعد یہ گروہ بھی دو فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ جن میں سے ایک گروہ خوارج کے نام سے موسوم ہوا اور عداوت کے معاملہ میں بنی امیہ سے بھی سبقت لے گیا۔ انہی کے ہاتھ سے جناب امیر علیہ السلام شہید ہوئے اس گروہ نے بھی بوجہ خصومت جناب امیر علیہ السلام سے اخذ حدیث نہیں کیا۔ چوتھا فرقہ یہ ہے۔ جو دل و جان سے آپ کے تابع فرمان اور

آپ کی محبت پر ثابت قدم رہا لیکن ان کی مقدار قلیل تھی۔ اور چونکہ بنی اُمیہ برسرِ اقتدار تھے۔ اس لئے خوف کے باعث یہ گروہ بھی جناب امیر علیہ السلام کا نام زبان پر نہیں لاتا تھا۔ یہ لوگ صرف مخفی طور پر جناب امیر علیہ السلام سے روایت کو بیان کیا کرتے تھے۔ اور آپ کی روایات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً بیان کیا کرتے تھے۔ جس کی شرح علامہ جلال الدین سیوطی نے رسالہ فی اثبات سماع الحسن البصری عن علی میں مفصل طور پر کی ہے۔

علم الفقہ

علم فقہ میں جناب امیر علیہ السلام کو کمال حاصل تھا۔ اور تمام علمائے فقہ کا سلسلہ تلمذ جناب امیر علیہ السلام پر جا کر ختم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی جناب امیر علیہ السلام منصب قضا پر متعین تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کی نسبت تم کو کس نے فتویٰ دیا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے تب آپ نے فرمایا۔ کہ وہ سنت نبویؐ کے زیادہ عالم ہیں۔

شریح بن ہانی نے جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ موزہ کے مسح کی بابت کیا فتویٰ ہے آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کرو۔

سعد بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مشکل امر سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ جس میں جناب علی علیہ السلام نہ ہوں ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدا مجھ کو آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔ ایک روایت میں اس طرح مرقوم ہے۔ کہ ایک دن جناب عمرؓ نے فرمایا کہ ہم میں بڑے قاضی جناب علی ابن ابی طالب ہیں آپ کے دشمن آپ کی کمالیت کے معترف تھے۔ اور آپ سے ہی فتویٰ

طلب کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ میرا دشمن بھی دین کے معاملات میں مجھ سے فتویٰ طلب کرتا ہے امیر معاویہ نے مجھ سے دریافت کیا ہے۔ کہ خنثیٰ مشکل کے میراث کا کیا حکم ہے۔ میں نے اس کو جواب دیا ہے ایسے شخص کی نسبت میراث کا حکم اس کی جائے پیشاب کے مطابق ہوگا۔ اگر وہ مردوں کی طرح پیشاب کرتا ہے۔ تو مردوں جیسا حصہ پائے گا۔ اگر عورتوں کی طرح بول کرتا ہے تو مثل عورت کے حصہ دار ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ہے۔ کہ میرے بعد میری اُمت میں علی ابن ابی طالب سب سے زیادہ قضا والا ہے خود جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف قاضی مقرر کر کے بھیجا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں ناتجربہ کار ہوں۔ علم قضا بھی نہیں جانتا۔ ان میں جھگڑے ہوں گے۔ اور ان کا فیصلہ مجھے کرنا پڑے گا۔ میں کس طرح کروں گا۔ تب آن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت کریگا۔ اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا۔ چنانچہ اس دن سے لیکر مجھے مدعی و مدعا علیہ کا فیصلہ کرنے میں کبھی شک نہیں ہوا۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپکے فیصلہ جات کو بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ جس نے اہل البیت کو حکمت عطا کی۔ یہ حدیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث جو آپ کے علم فقہ کے کمال کو ظاہر کرتی ہیں۔ اُن احادیث کے ضمن میں نقل کی جا چکی ہیں۔ جو آپ کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ اس لئے ہم ان کو دوبارہ قلم بند کرنے سے احتراز کرتے ہیں۔

علم التورات و الانجیل

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کرم اور اپنے حبیب پاک کی صحبت کی طفیل آپ کو نہ صرف احکام اسلام کے متعلق ہی علم کامل عطا فرمایا۔ بلکہ ادیان سابقہ

تورات وانجیل وغیرہ کے متعلق بھی علم کامل عطا فرمایا تھا۔ اور یہود ونصاریٰ کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی تورات وانجیل کے علم میں آپ سے لگا نہیں کھا سکتا ہے جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرے لئے مسند بچھائی جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل تورات کے لئے ان کی تورات سے اہل زبور کے لئے انکی زبور سے اور اہل انجیل کے لئے ان کی انجیل سے اور اہل قرآن کے لئے ان کے قرآن سے احکام بیان کر سکتا ہوں۔ اس فرمان میں آپ نے اپنے کمال علم کی شرح کی ہے یعنی جو کچھ بھی احکام ان کتب سماویہ میں ہیں۔ وہ مجھے ازبر ہیں۔ ذمیوں کے مقدمات کے فیصلے انہی کے احکام سماوی کے مطابق کر سکتا ہوں۔ کیونکہ مسلمان قاضی کو انہی کی کتب سماویہ کے مطابق ان کے فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ اور میں منکران رسالت پر انہی کی کتابوں تورات زبور انجیل سے دلیل و برہان کے ساتھ حجت قایم کر سکتا ہوں ؛

ایک دفعہ ایک یہودی جناب علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین ہمارا رب کب سے تھا آپ کے جان نثار جو پاس بیٹھے تھے۔ یہودی کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن آپ نے ان کو منع فرمایا۔ اور یہودی سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ جو کچھ میں تیرے کان میں کہوں۔ اس کو یاد رکھ کیونکہ میں تورات شریف سے ہی جسکو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لے کر آئے تھے۔ اور جس کو تو تسلیم کرتا ہے۔ بیان کروں گا۔ اور جب تو تورات شریف کو پڑھے گا۔ تو اس میں وہی الفاظ پائیگا۔ جو میں تم کو بتا رہا ہوں۔ تم نے پوچھا ہے کہ ہمارا رب کب سے تھا۔ کیا وہ نہیں تھا کہ پھر ہو گیا۔ وہ ہمیشہ سے تھا۔ وہ تھا۔ بغیر کیفیت کے وہ تھا اور ہوتا نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے تھا۔ پہلے سے پہلا اور بعد سے بعد ہمیشہ سے بغیر کیفیت اس کی انتہا نہیں اور نہیں ہے۔ اس کی انتہا اس کی طرف اسکے سوا نہایات کا انقطاع ہوتا ہے۔ اور وہی ہر نہایت کی نہایت ہے ؛

یہ الفاظ سنتے ہی یہودی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا امیر المومنین بے شک یہی الفاظ تورات شریف میں ہیں۔ اور میں صدق دل سے کہتا ہوں۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور گواہی دیتا ہوں۔ کہ حضرت محمد صلعم اللہ تعالیٰ کے سچے نبی اور اسکے

بنا رہے ہیں۔

علم تصوف

آج کل صوفیائے کرام کی بے شمار شاخیں ہیں۔ اور پھر ہر ایک سلسلے کی آگے اور شاخیں بنتی چلی جاتی ہیں اگر ان تمام سلسلوں کے انساب کو دیکھا جائے تو ہر ایک سلسلہ کا شجرہ نسب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ہی جاتا ہے ابتدا میں علم طریقت کے دو سلسلے تھے۔ اور ان دونوں سلسلوں کو تمام کمال فیض بارگاہ مرتضوی سے ہی حاصل ہوا۔ اول سلسلہ کا نام حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر سلسلہ جنیدیہ ہے۔ اس سلسلہ کا شجرہ نسب یہ ہے۔ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت سری سقطی نے حضرت معروف کرخی سے حضرت معروف کرخی نے حضرت داؤد طائی سے حضرت داؤد طائی نے حضرت حبیب عجمی سے حضرت حبیب عجمی نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت خواجہ حسن بصری نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے اس علم میں فیض حاصل کیا۔ اور جناب علی ابن ابی طالب نے سرور کائنات مفخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مبارک علم کے اسرار و نکات کو حاصل کیا۔

دوسرے سلسلے کا نام سلسلہ طیفوریہ ہے۔ یہ حضرت ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے چونکہ حضرت ابویزید بسطامی امام ناطق حضرت جعفر صادق کے مرید تھے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بسلسلہ نسب اپنے جد امجد حضرت علی ابن ابی طالب سے فیض حاصل کیا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ بھی جناب امیر علیہ السلام پر ہی منتہی ہوتا ہے۔ اور باقی تمام سلسلے انہی دونوں سلسلوں کی شاخیں ہیں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ علم طریقت اور اسکے معاملات میں ہمارے امام سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب ہیں۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ جس شخص نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد اس علم تصوف کی طرف ایما کیا ہے۔ اور اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو کہ دلوں میں آکر متمکن ہوتی ہے وہ علی ابن

ابی طالب ہیں جو ہمارے پیشتر اور امام ہیں خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کو غزوات سے فراغت ملتی اور امن کیساتھ کاروبار خلافت کو چلانے کا موقع ملتا۔ تو آپ اس علم کے متعلق وہ باتیں بیان کر جاتے جس کے متحمل ہمارے قلوب نہ ہوسکتے۔

علم الکلام

اس علم کو علم باصول الدین بھی کہتے ہیں تفسیر و حدیث کے بعد اسی علم کا نمبر آتا ہے اور قرآن و حدیث کے بعد اسی علم کا مرتبہ اعلیٰ تسلیم کیا ہے اس علم میں بھی بہ برکت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ید طولےٰ حاصل تھا۔ اور تمام علمائے متکلمین کا انساب حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ہی منتہی ہوتا ہے علمائے متکلمین کے چار بڑے فرقے ہیں۔ جن میں سے سب سے اوّل معتزلہ کا فرقہ ہے۔ اور اسی فرقہ نے اس علم میں سب سے پہلے شہرت حاصل کی اس کا بانی واصل بن عطا ہے جس نے عبداللہ سے تعلیم حاصل کی۔ اور حضرت عبداللہ نے اپنے والد محمد بن حنفیہ سے اس علم کو حاصل کیا۔ اور حضرت محمد بن حنفیہ نے اپنے والد بزرگوار امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب سے استفادہ کیا۔ دوسرے فرقے کا نام اشعریہ ہے۔ اس فرقہ نے معتزلہ کے بعد شہرت حاصل کی۔ اور یہ فرقہ امام ابوالحسن بن بشیر الاشعری سے منسوب ہے جنہوں نے امام ابو علی جبائی رحمۃ سے تعلیم حاصل کی۔ اور ان کے استاد یعنی امام ابو علی جبائی علیہ الرحمۃ فرقہ معتزلہ کے مشائخ میں سے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فرقہ اشعریہ کا سلسلہ انساب بھی آپ پر ہی جاکر منقطع ہوتا ہے کیونکہ اس فرقہ کے بانی معتزلہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور معتزلہ کا سلسلہ امیر المؤمنین علی المرتضیٰ پر ہی ختم ہوتا ہے تیسرے فرقہ کا نام زیدیہ ہے۔ جو فرقہ امامیہ کی ایک شاخ ہے۔ اور اس کا سلسلہ نسب شاخ امامیہ میں ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منتہی ہونا اظہر من الشمس ہے۔ چوتھا فرقہ خوارج کا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ خوارج میں وہی لوگ تھے جو جنگ صفین سے پیشتر آپکے جان نثاروں میں سے تھے

جنگ صفین میں شامل تھے مگر بعد میں جناب امیر علیہ السلام کے دشمن ہو گئے جس کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ چونکہ اس گروہ کے اکابر بوجہ جان نثار علیؑ ہونے کے ابتداء میں آپ سے ہی تعلیم و فیض حاصل کیا کرتے تھے اس لئے اس فرقہ کا سلسلہ بھی آپ پر ہی ختم ہوتا ہے؛

علم الفرائض

دوسرے لفظوں میں اس علم کا نام علم ترکہ یا میراث ہے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے اس علم میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ عن مغیرۃ قال لیس احد منہم اقوی قولاً فی الفرائض من علی مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام میں جناب علی ابن ابی طالب سے فرائض میں زیادہ قوی قول والا اور کوئی نہیں ہے یہ اُس شخص کا قول ہے۔ جو خود صاحب فرائض تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ منورہ کے لوگوں میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ زیادہ علم الفرائض کے جاننے والا اور کوئی نہیں ہے؛

علم الکتابت

جناب امیر علیہ السلام اعلےٰ درجہ کے خوشخط تھے۔ صلحنامہ حدیبیہ کے جسکا ذکر اپنے موقع پر آئیگا۔ آپ ہی کاتب تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمہیں لازم ہے۔ کہ اپنی اولاد کو خوشخطی سکھلاؤ۔ کیونکہ خوشخطی رزق کی کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے ایک اور موقع پر آپنے فرمایا۔ کہ اپنی کو کتابت سکھاؤ۔ کیونکہ اس فن یعنے کتابت میں بادشاہوں کی توجہ اور ہمت تمہاری طرف مبذول ہو گی؛

علم ہیئت و حساب

اس علم میں بھی آپ کو دستگاہ تامہ حاصل تھی۔ ابوعبداللہ فرماتے ہیں کہ جناب علی ابن ابی طالب اس علم کے سب سے بڑے عالم تھے۔ یہ علم علم نجوم کی ایک شاخ ہے۔ اور چونکہ علم نجوم شریعت میں جائز نہیں ہے۔ اس لئے جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایاکم و تعلموا النجوم الا فیما یھتدی فی بر او بحر فانھا تدعوا الی الکھانت یعنی علم نجوم کے حاصل کرنے سے پرہیز کرو۔ لیکن اس میں سے وہ امر تم حاصل کرو۔ جو خشکی اور تری میں تمہاری رہنمائی کر سکے (یعنی علم ہیئت) اور اس کے سوا علم نجوم کہانت ہے۔ علم ہیئت میں آپ کے دستگاہ تامہ رکھنے کے متعلق ایک روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ چند لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور اہرام مصر کی تاریخ بنیاد کے متعلق بحث مباحثہ ہو رہا تھا۔ کوئی شخص ان کی صحیح تاریخ بنیاد نہ بتا سکتا تھا۔ آپ نے تمام بحث مباحثہ سن کر فرمایا۔ کہ کیا ان پر کوئی تصویر بھی بنی ہوئی ہے ایک شخص نے کہا کہ ہاں چیل کی تصویر اس طرح بنی ہوئی ہے کہ اس کے پنجوں میں خرچنگ پکڑا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات درست ہے۔ تو ان کی تعمیر اس وقت ہوئی۔ جبکہ نسر طائر برج سرطان میں تھا۔ اور نسر دو ہزار برس میں ایک برج طے کرتا ہے۔ اور آج کل برج جدی میں ہے اس لئے از روئے حساب اہرام مصر کو بنے ہوئے بارہ ہزار سال گزر چکے ہیں۔

اس وقت سے آپ کی سرعت فہم حساب دانی اور قابلیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے ان علوم کے علاوہ جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ آپ باقی تمام علوم و فنون میں دستگاہ تامہ رکھتے تھے۔ علم نجوم آپ کی ہی ایجاد ہے۔ علم فصاحت و بلاغت میں آپ کا ثانی کوئی نہیں تھا۔ دشمن تک آپ کی فصاحت و بلاغت کا لوہا مانتے ہیں آپ حاضر جواب اس پایہ کے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ آپ کا جواب سنکر کسی کو جواب الجواب کہنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ جواب ایسا سادہ مختصر عام فہم اور دندان شکن ہوتا تھا۔ کہ مجبوراً خاموشی اختیار کرنی پڑتی تھی۔

فضائل عملیہ

جس طرح آپکے فضائل علمی لاانتہا ہیں اور ہم علم میں بہ فضل آلہی و فیض رسالت پناہی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح آپ کے فضائل عملی بھی لامتناہی ہیں۔ زہد و طاعت میں صبر و حلم میں حیا اور غیرت میں عصمت و طہارت میں سخاوت و سیاست میں غرض ہر عمل میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی ذات بابرکات باقی سب صحابہ کرام سے بڑھی ہوئی ہے اگرچہ ہماری مجال نہیں کہ آپکے فضائل عملیہ کو بالتفصیل لکھ سکیں لیکن تاہم بغرض حصول ثواب جائے افادۂ عامتہ الناس اور تکمیل کتاب بمصداق مشتے نمونہ از خروارے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں

آپ کی عبادت

جب نماز کا وقت آتا تھا۔ تو آپ کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ کسی نے آپ سے آپ کی رنگت زرد پڑ جانے کی بابت پوچھا۔ تو آپنے فرمایا کہ نماز کا وقت اس امانت کے ادا کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ جس کو اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان پر ڈالا تو انہوں نے باوجود اس قدر جسیم اور طاقتور ہونے کے اس امانت کا بار نہ اٹھا سکنے سے اپنی عاجزی بیان کی۔ لیکن جب انسان پر اس بار امانت کو ڈالا گیا تو اس نے باوجود اپنی انتہائی ناتوانی اور کمزوری کے اٹھالیا۔ میرا رنگ خدا کے خوف سے زرد پڑ جاتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ادائے امانت میں کسی قسم کا خلل واقع ہو۔ اس روایت سے صاف صاف مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں اللہ تعالےٰ کا کس قدر خوف جاگزیں تھا۔ آپنے کبھی کسی نماز کو قضا نہیں کیا۔ امت محمدیہ کے تمام مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے نماز پڑھی ہے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا۔ آپ خواہ کسی حال میں ہوتے کہیں ہوتے سب سے پہلے نماز کو ادا کرتے۔ ساری عمر میں صرف ایک دفعہ آپ کی نماز قضا ہوئی۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے

اپنے حبیب پاک کی طفیل اس نماز کو وقت پر ادا کرایا۔ جس کا قصہ اس طرح پر ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ خیبر میں تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ تو اس جگہ ایک دن آپ جناب علی ابن ابی طالب کے زانو پر سر اقدس رکھے ہوئے استراحت فرما تھے کہ اس حالت میں نزول وحی ہوا۔ عصر کی نماز کا وقت جا رہا تھا۔ لیکن آپ نے جب دیکھا کہ ادھر وقت نماز جا رہا ہے اور ادھر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم زانو پر سر اقدس رکھے ہوئے استراحت فرما ہیں۔ اور نزول وحی ہو رہا ہے ایسی حالت میں آپ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ تاکہ سرور دو جہان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف نہ ہو۔ تو آپ نے بیٹھے بیٹھے اشارے کے ساتھ ہی نماز کو ادا کر لیا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوش میں آئے تو نماز کا وقت فوت ہو چکا تھا۔ آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ اے علیؓ شاید تم نے نماز ادا نہیں کی۔ تو آپ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے حضور کی تکلیف کو پسند نہ کر کے اشاروں کے ساتھ بیٹھے بیٹھے ہی نماز ادا کر لی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی کہ یا آلہی یہ تیری اور تیرے رسول کی تابعداری میں مصروف تھا۔ اس لئے آفتاب کو لوٹا دے۔ تاکہ یہ وقت پر نماز کو ادا کر لے۔ چنانچہ یہ دعا مستجاب ہوئی۔ معاً آفتاب پھر بلند ہوا اور آپ نے نماز ادا کی ٭

جس مقدس شخص کی نماز فوت ہو جانے پر اللہ تعالےٰ سورج کو پھر واپس کرتا ہے تاکہ اس کا مقدس و برگزیدہ بندہ نماز کو وقت پر ادا کر لے۔ اس کی عبادت گزاری کا اس سے بہتر اور کونسا ثبوت ہو سکتا ہے۔ آپ کو نماز میں سوائے ذات باری کے اور کسی چیز کی ہوش نہیں رہتی تھی۔ یہنتک کہ اپنے جسم وجان سے بھی بے خبر ہو جاتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ کو جنگ میں تیر لگ گیا۔ اگرچہ جان نثاروں نے تیر نکالنے کی بہتری کوشش کی۔ مگر وہ تیر نہ نکلا۔ بلکہ جوں جوں تیر کو کھینچتے تھے۔ آپ کو سخت درد ہوتا تھا۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ آپ اسی حالت میں نماز پڑھنے لگ گئے۔ جان نثاروں نے حالت نماز میں تیر باہر کھینچ لیا۔ اور تیر کے نکلتے ہی اس قدر خون نکلا کہ تمام مصلےٰ گلزار بن گیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو مصلے پر خون دیکھ کر استفسار فرمایا۔ عرض کیا۔ جو تیر حضور کے

لگا تھا۔ اس کو بحالت نماز نہایت آسانی سے نکال لیا گیا ہے۔ اور تیر نکلنے کے باعث یہ خون بہ نکلا آپ نے فرمایا کہ واللہ مجھے بالکل علم نہیں کہ تم لوگوں نے کس وقت تیر نکالا۔ اس واقعہ سے آپ کا استغراق ظاہر ہوتا ہے۔ کثرت نوافل کا یہ حال تھا کہ پہروں آپ سجدہ میں پڑے رہتے تھے۔ ذرہ بھر فرصت ملتی تو آپ نوافل میں مشغول ہو جاتے۔ یہی حال آپ کے روزوں کا تھا۔ آپ عموماً روزہ سے رہا کرتے تھے حضرت ابوذر غفاری سلمان فارسی ابو درداء ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہم صحابہ کرام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سعادت عہد میں ہی زہد و ورع میں مشہور تھے۔ ترک و تجرید میں جناب علی ابن ابی طالب کے ہی تلمذ تھے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب علی ابن ابی طالب سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یا علی اللہ تبارک و تعالےٰ نے تجھ کو ایسی زینت سے مزین کیا ہے۔ کہ دوسرے بندوں کو اس سے بہتر زینت نہیں دی گئی۔ وہ زہد فی الدنیا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے نزدیک بندوں کی زینت ہے۔ پس تجھ کو ایسا بنایا ہے کہ تجھ کو دنیا سے اور دنیا کو تجھ سے کوئی چیز نہیں ملی۔ تجھ کو مسکینوں کی محبت دی گئی ہے اور تجھ کو ان کے پیرو ہونے سے راضی کیا ہے۔ اور ان کو تیرے امام ہونے سے خوش کیا ہے۔ یہ حدیث اپنی شارح آپ ہی ہے۔ جہاں آپ ایک بے نظیر شجاع عالم بے بدل و فاضل اجل اور دیگر صفات حسنہ میں لاثانی ہیں۔ وہاں ایک زاہد مرتاض ہونے میں بھی آپ اپنا مثیل نہیں رکھتے۔

حضرت مجمع تیمی سے روایت ہے۔ کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو بیت المال میں جاتے ہوئے دیکھا اس میں مال بھرا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں اس کو اس جگہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ حالانکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تقسیم کا حکم دیکر سارا مال تقسیم کرا دیا۔ پھر بیت المال میں جھاڑو دلوا کر پانی چھڑکوایا۔ اور اسی جگہ نماز ادا کی۔ اور فرمایا۔ کہ شکر ہے میں نے اس مال کو مسلمانوں سے بچا کر بند نہیں کیا۔

عمرو بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ کہ ہم اس امت میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد علی ابن ابی طالب سے بڑھ کر اور کسی کو زاہد نہیں دیکھتے

اسی طرح حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے لوگوں میں علی ابن ابی طالب سے زیادہ زاہد کوئی نہیں دیکھا فقط مختصر یہ کہ آپ کی عصمت و طہارت شرم و غیرت سخاوت و عبادت اور امانت وغیرہ وغیرہ کے متعلق وہی احادیث کافی ہیں جو آپ کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ اور جن کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں:

امیر علیہ السلام کی تواضع اور حلم

آپ بڑے درجہ کے متواضع تھے اگرچہ آپ اپنی قدر و منزلت سے واقف تھے اور تمام لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی آپ بے حد منکسر المزاج اور حلیم تھے۔ کوئی حرکت یا بات ایسی نہ کرتے تھے۔ جس میں غرور و تکبر کا شائبہ تک پایا جاتا ہو۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے اور راہ راست پر چلنے کی تاکید کرتے تھے۔ ابی مطر بصری سے روایت ہے۔ کہ میں نے ایک دفعہ جناب امیر علیہ السلام کو کھجور بیچنے والوں کے گروہ میں دیکھا۔ آپ ایک لونڈی سے جو رو رہی تھی۔ رونے کا سبب دریافت فرما رہے تھے۔ لونڈی نے کہا کہ میں اس دکاندار سے ایک درہم کی کھجوریں خرید کر لے گئی تھی۔ لیکن میرے مالک نے ان کو ناپسند کر کے واپس کر دیا ہے۔ اور اب یہ دکاندار واپس نہیں کرتا۔ آپ نے لونڈی کو تسلی دے کر دکاندار سے فرمایا۔ کہ بھائی یہ بچاری تو خدمت گار ہے۔ اور بے اختیار ہے۔ اپنی کھجوریں واپس کر لے دکاندار نے یہ الفاظ امیر علیہ السلام سے سنکر برا بھلا کہا۔ اور دھکا دے کر آپ کو ہٹا دیا۔ اور کھجوریں واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے لوگوں نے جو آپ کی ذات بابرکات سے واقف تھے۔ دوکاندار کو سخت سست کہا۔ اور کہا کہ تو نہیں جانتا کہ تو نے کس شخص کو دھکا دیا ہے اس نے کہا کہ نہیں۔ تب لوگوں نے کہا کہ یہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ وقت ہیں دوکاندار نے فوراً کھجوریں واپس کر کے لونڈی کا درہم اس کو واپس دیدیا۔ اور امیر المومنین کی خدمت میں دست بستہ طالب معافی ہوا۔ اور اپنے کئے پر بہت نادم و شرمسار ہوا۔ آپ نے اس کو بہ خندہ پیشانی معاف کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ مجھ کو تجھ سے کوئی چیز

سوائے اس کے خوش نہیں کر سکتی کہ تو لوگوں کو ان کا پورا حق دیا کرے۔

ایک روایت میں مذکور ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام دُرہ ہاتھ میں لئے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ بھولے ہوؤں کو راستہ بتلاتے اور بوجھ اُٹھانے والوں کی مدد کر رہے تھے اور یہ آیت جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے۔ جو زمین میں غرور اور فساد نہیں کرتے"۔ تلاوت فرما رہے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ یہ آیت شریف قدرت والوں کے حق میں نازل ہوئی ہے آپ اپنے کام کو ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ کسی دوسرے کو تکلیف نہ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک درہم کی کھجوریں خریدیں۔ اور ان کو کپڑے میں باندھ کر اُٹھانے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ کہ یا امیر المومنین آپ چھوڑ دیں۔ ہم اُٹھا کر لے چلتے ہیں لیکن آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں بچوں کا باپ ہی ان کو اُٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔

آپ ہر شخص کے ساتھ کشادہ پیشانی سے پیش آتے اور کبھی بھی کسی ناگوار بات سے پیشانی پر بل نہ آنے دیتے تھے۔ آپ ہنس مکھ حلیم الطبع اور ہمیشہ متبسم رہا کرتے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے حلم کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مفضل ابن یسار سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے جان پدر کیا تو راضی نہیں ہے۔ کہ میں نے تیرا نکاح اپنی اُمت میں از روئے اسلام مقدم ترین از روئے علم عالم ترین اور از روئے حلم اوّل درجے کے حلیم شخص کے ساتھ کیا ہے امیر معاویہ نے کسی شخص سے پوچھا۔ کہ تم علیؑ کو کس لئے سب سے زیادہ محبوب سمجھتے ہو۔ اس نے کہا۔ کہ تین باتوں کے سبب سے اوّل ان کے حلم پر جبکہ وہ خفا ہوتے تھے۔ دوسرے ان کے سچ پر جبکہ وہ کوئی بات کہا کرتے تھے۔ اور تیسرے ان کے عدل پر جبکہ وہ حکم کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ اپنے ایک غلام کو پکارا۔ لیکن غلام نے جواب نہ دیا۔ دوسری دفعہ پکارا تب بھی نہ بولا۔ تیسری دفعہ پھر بلایا۔ لیکن اب بھی غلام خاموش رہا۔ تب اُٹھکر فوراً غلام کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ کیا تو نے میری آواز کو نہیں سُنا۔ غلام نے کہا۔ کہ سُنا ہے پھر آپ نے پوچھا کہ اگر سُنا ہے تو

کیوں نہیں جواب دیا۔ غلام نے عرض کیا کہ یا حضرت میں آپ کے حلم کے باعث آپکی عقوبت سے بے خوف تھا۔ اس لئے میں نے غفلت کی آپ نے فوراً غلام کو آزاد کر دیا ؏

آپ کی شفقت

آپ کی ذات ستودہ صفات جناب سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح سراپا شفقت تھی۔ بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آتے اور چھوٹوں پر بیشتر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی شفقت دینی اور دنیاوی امور کاموں میں یکساں تھی۔ خود تکلیف برداشت کر لینا پسند کیا کرتے تھے۔ مگر کسی دوسرے کو تکلیف دینا گوارا نہ فرماتے تھے۔ آپ کی بخشش و سخاوت ضرب المثل ہے۔ اور بے شمار واقعات آپ کی جود و سخا کے مشہور خاص و عام ہیں اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے کلام پاک میں اپنے محبوب کے حبیب یعنے آپ کی سخاوت کی تعریف فرماتا ہے غریبوں مسکینوں بے نواؤں قیدیوں اور یتیموں کی آپ پشت پناہ تھے قرض داروں کا قرض حتی المقدور خود ادا کر دیا کرتے تھے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاعدہ تھا۔ کہ جب آپ کسی جنازہ پر تشریف لے جاتے۔ تو آپ اس کے اعمال کی دریافت نہ کرتے تھے۔ بلکہ پوچھتے تھے۔ کہ کیا مرنے والے کے ذمے کوئی قرض تو نہیں ہے اگر اس کے ذمے کوئی قرض نکلتا۔ تو حضور خود اس کی نماز جنازہ کی امامت نہ فرماتے۔ بلکہ کسی دوسرے کو اشارہ کر دیتے تھے۔ اور اگر اس ذمے قرض نہ ہوتا۔ تو آپ امامت کراتے ایک دفعہ ایک جنازے پر تشریف لے گئے دریافت سے معلوم ہوا کہ میت کے ذمے کچھ قرض ہے۔ آپ نے کسی اور جنازہ پڑھانے کا ارشاد کیا۔ اتنے میں جناب علی ابن ابی طالب نے فرمایا۔ کہ اس کے قرض کے ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں۔ اور خالصتاً للہ اس کے قرض کو ذمے لیتا ہوں۔ جونہی کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا۔ کہ یا علی خداوند تعالےٰ

تمہیں جزائے خیر دے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جنازہ کی امامت فرمائی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔ جن سے آپ کی شفقت علی الخلق ثابت ہوتی ہے لیکن افسوس کہ ہم بوجہ کمی وقت اور بخوف طوالت ان واقعات کو حوالۂ قلم کرنے سے معذور ہیں ؛

آپ اپنے ایام خلافت میں عموماً بازاروں میں پھرا کرتے تھے تاکہ لوگوں کا حال معلوم ہوتا رہے۔ دوکانداروں سے اشیاء کا نرخ پوچھا کرتے تھے۔ اور ہر عام وخاص سے بلا تکلف ملاقات کر کے اپنے عاملوں کے حالات دریافت فرماتے اگر کسی عامل کی نسبت کوئی شکایت معلوم ہوتی تو فوراً انسداد فرماتے اور عامل سے جواب طلب فرماتے ایک دفعہ ایک بڑھیا عورت آپ کے حضور میں حاضر ہوئی۔ آپ نماز میں شاغل تھے جونہی کہ فراغت حاصل ہوئی۔ آپ نے نہایت حلیمی سے اس کے آنے کا سبب پوچھا۔ ضعیفہ نے عرض کی کہ یا امیر المومنین آپ کا عامل زکوٰۃ ہمیں بہت تنگ کرتا ہے آپ نے سنتے ہی آسمان کی طرف سر اقدس کو اٹھایا۔ اور کہا۔ کہ اے میرے پروردگار تجھے خوب معلوم ہے۔ کہ میں نے اپنے عاملوں کو تیری خلقت پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ ہی تیرا حق چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے عامل کے نام حسب ذیل حکم لکھا ؛

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط قد جاء تکم بینۃ من ربکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا الناس اشیاھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ذالکم خیر لکم ان کنتم مومنین اذا اتاک کتابی ھذا فاحفظ بما فی یدیک حتی یاتی من یقبضہ منک والسلام ؛ یعنی شروع ساتھ نام اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو بڑا بخشش والا اور مہربان ہے بے شک تمہارے اللہ کے ہاں سے تمہارے پاس کھلا نشان آیا ہے۔ پس تم ترازو اور پیمانے کو پورا رکھو۔ اور لوگوں کی چیزیں مت گھٹاؤ۔ اور زمین میں اصلاح یعنے امن ہو جانے کے بعد فتنہ وفساد مت ڈالو ؛ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔ جب میرا خط تجھ کو مل جائے تو جو کچھ کہ تیرے پاس ہو۔ اس کو احتیاط سے رکھ جب تک کہ کوئی دوسرا اس کا لینے والا تیرے پاس نہ پہنچ جائے۔ والسلام ؛

یہ حکم نامہ جو پہلے عامل کی معزولی کا حکم نامہ تھا۔ لکھ کر قاصد کے حوالے کیا۔ اور بڑھیا عورت کو تسلی اور تشفی دے کر رخصت فرمایا ؛

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عامل یمن جب واپس دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ تو اپنے ہمراہ کچھ شہد کی مشکیں لے کر آیا۔ جناب امیر علیہ السلام اس وقت کسی کام میں مصروف تھے۔ اس وقت حقداروں میں تقسیم نہ کر سکے اور آپ نے احتیاط سے رکھوا دیا۔ جب دوسرے دن آپ اس کو تقسیم فرمانے لگے۔ تو آپ کو شک پڑ گیا۔ کہ شاید کسی نے اس میں سے کچھ شہد لے لیا ہے۔ چنانچہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ جناب حسن علیہ السلام نے اس میں سے کچھ شہد بدیں خیال پہلے لے لیا۔ کہ آخر اس میں ہمارا حق تو ہے۔ تقسیم کے وقت اس قدر کم لے لیں گے۔ آپ نے جناب حسن علیہ السلام کو خفگی کے لہجہ میں فرمایا۔ کہ اگرچہ اس میں تمہارا حق بھی تھا۔ لیکن یہ حق تم کو نہیں ہے۔ کہ تم دوسرے مسلمانوں سے پہلے اس حق سے نفع حاصل کرو۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت اتنا ہی شہد خالص منگوا کر اس میں ڈال دیا اور تقسیم فرمایا۔ اسی اثنا میں آپ رو کر فرماتے تھے۔ کہ میرے پروردگار حسن کو بخش دے کہ وہ نہیں جانتا ہے۔ یہی واقعہ ایک دوسری روایت میں اس طرح مرقوم ہے کہ شہد جناب حسن علیہ السلام نے نہیں منگوایا تھا۔ بلکہ آپ کی صاحبزادی بی بی ام کلثوم نے منگوایا تھا ؛

ایک دفعہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مفلسی و محتاجی کو بیان کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ صبر کرو۔ میں تمہارا حصہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نکال دونگا۔ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے زیادہ اصرار کیا۔ تو آپ نے ایک دوسرے شخص سے ارشاد فرمایا۔ کہ اس کو ہمراہ لے جا۔ اور کہہ دے۔ کہ بازار کی مقفل دکانوں کو توڑ کر جو کچھ ان کے اندر ہے لے لے۔ آپ کا یہ نرالا ارشاد سنکر عقیل رض نے عرض کی یا امیر المؤمنین آپ مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھ سے چوری کرانا نہیں چاہتا۔ جو مجھ سے دوسرے مسلمانوں کی عدم موجودگی میں انکا مال لینا چاہتے ہو۔ اگرچہ اس میں تمہارا حق بھی ہے۔ لیکن تم کو اس طرح بغیر اطلاع پہلے دیدینا چوری کے مترادف ہے۔ ان ہر دو واقعات سے

آپ کی رعایت حقوق الناس ظاہر ہوتی ہے۔ کہ آپ اپنے بیٹے یا قریبی کو بھی باوجود ان کا حق ہونے کے پہلے چیز نہیں دیتے تھے۔

ابی طرف سے منقول ہے۔ کہ میں نے ایک دن جناب امیر علیہ السلام کو کپڑے کے بازار میں دیکھا۔ اگرچہ آپ کے ہاتھ میں دُرّہ تھا۔ لیکن آپ بالکل دیہاتی آدمی معلوم ہوتے تھے۔ آپ کے پاس تین درہم تھے۔ اور قمیص خریدنا چاہتے تھے۔ ایک دوکان پر آپ کھڑے ہوگئے۔ اور قمیص دیکھنے لگے۔ لیکن دُکاندار نے آپ کو پہچان لیا۔ اور آپکی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ آپ فوراً اس دوکان سے ہٹ کر دوسری دوکان پر تشریف لے گئے۔ لیکن دوسرے نے پہچان لیا۔ آپ فوراً ایک اور دوکان پر گئے لیکن وہاں بھی پہچانے گئے۔ آخر بہت سی دوکانیں پھر کر ایک دکان پر تشریف لے گئے۔ جہاں ایک چھوٹا سا لڑکا بیٹھا تھا۔ جس نے آپ کو نہ پہچانا۔ آپ نے تین درہم دے کر اس سے قمیص خرید لیا۔ اور گھر پر تشریف لے آئے تھوڑی دیر کے بعد وہی لڑکا ایک درہم لے کر حاضر خدمت ہوا۔ اور کہا کہ یا حضرت میرا والد کہتا ہے کہ قمیص دو درہم کا ہی تھا۔ آپ اپنا ایک درہم واپس لے لیں۔ آپنے فرمایا۔ کہ تم نے ہماری رضا حاصل کر لی ہے۔ اب ہم اس درہم کو واپس نہیں لیتے چنانچہ آپ نے درم نہ لیا۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کو لوگوں کا کس حد تک خیال تھا۔ واقف دوکاندار سے محض اس وجہ سے چیز نہیں خریدتے تھے۔ مبادا وہ رعایت کرے اور اس کا حق میرے پاس آجائے۔

آپ کا حُسنِ سلوک

اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں سے تو ہر شخص عموماً حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اور بعض خدا پرست لوگ بے تعلق اور اجنبی لوگوں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ لیکن جب جناب امیر علیہ السلام کے حُسنِ سلوک کو دیکھا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ آپ اپنے دشمنوں سے بھی ہمیشہ حُسنِ سلوک سے پیش آتے رہے۔ اور خصوصاً اس حالت میں بھی دشمنوں سے حُسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتے

جبکہ دشمن آپ کے قبضہ اختیار میں ہوتے رہے۔ جنگ جمل کے بعد جب آپ اہل بصرہ پر فتحیاب ہوئے تو حالانکہ اہل بصرہ نے آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ سے لڑائی بھی کی لیکن آپ نے کامل درگذر سے کام لیا۔ اور جس طرح فتح مکہ کے دن جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کو امان دی۔ اور ان کی سابقہ دشمنیوں کو اپنے خاطر سے محو کر دیا۔ یا جس طرح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بھائیوں کو یہ کہکر آج میں تم پر کوئی الزام نہیں دیتا۔ باوجود قدرت کے معاف کر دیا تھا۔ اسی طرح آپنے بھی اہل بصرہ کو نہایت دریادلی سے معاف کر دیا۔ اور دنیاوی فاتحین کی طرح مختلف قسم کے ناجائز دباؤ ڈالنے یا جبر و تعدی تو درکنار معمولی قصاص یا انتقام بھی نہ لیا۔ برخلاف اس کے آپ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ اور جتلا دیا کہ شیدائیان اسلام اور فدائیان سید خیرالانام کے اخلاق ایسے ہوتے ہیں۔ بعد فتح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چند عورتوں کی معیت میں جن کو کہ مردانہ لباس زیب تن کرایا گیا تھا۔ نہایت احترام اور عزت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اور ان ہمراہی عورتوں کو فرمایا کہ جب ام المؤمنین بخیریت مدینہ منورہ میں پہنچ جائیں تو اس وقت اپنا آپ ظاہر کرنا۔ اور میری طرف سے ان کی خدمت میں عرض کر دینا کہ آپ خفگی نہ فرماویں۔ میں نے دیدہ دانستہ بدیں خیال کہ آپ کو خدانخواستہ راہ میں کوئی مکروہ امر پیش نہ آئے عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر آپ کی معیت میں روانہ کیا ہے چنانچہ جب مدینہ شریف میں پہنچکر عورتوں نے اپنا آپ ظاہر کیا۔ کہ ہم بھی عورتیں ہی ہیں۔ تو ام المؤمنین نے فرمایا۔ کہ خدا کی قسم میں نے سمجھا تھا کہ علی ابن ابی طالب نے میری ہتک کی ہے۔ کہ مجھے مردوں کے ساتھ بھیجا ہے۔ لیکن اب مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ فی الحقیقت یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ آپ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے ؛

یہ تو آپ کے حسن سلوک کا ایک معمولی واقعہ ہے۔ کیونکہ بحیثیت حرم محترم جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہونے کے جناب امیر علیہ السلام کو ان کی عزت کرنی چاہیے تھی۔ سب سے بڑھ کر حسن سلوک آپ نے اپنے قاتل کے ساتھ کیا ؛ ؛

اور وہ اس طرح پر ہے کہ جب آپ کے قاتل ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا اور اس کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ اسے کھانا کھلاؤ۔ دودھ پلاؤ۔ جب قاتل نے کھانا کھانے اور دودھ پینے سے انکار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ افسوس ہے تیری قسمت پر اس کے بعد آپ نے حاضرین سے بالعموم اور جناب حسن علیہ السلام سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اگر میں فوت ہو جاؤں۔ تو تم قصاص میں اس کو بے شک قتل کر سکتے ہو۔ مگر یاد رہے کہ ایک ضرب سے زیادہ ضرب نہ لگانی۔ اور مثلہ یعنی ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا کیونکہ مثلہ کرنے سے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اور اگر میں زندہ رہا تو میں اپنا حق لینے کا مختار ہوں چاہے میں اسے چھوڑ دوں چاہے اپنا انتقام لے لوں لیکن پھر یاد رہے کہ اگر میں مر گیا۔ تو اس پر ہرگز زیادتی نہ کرنا۔ اور میری وفات کے وقت تک کوئی اس کو کچھ نہ کہے۔ اس پر ظلم نہ ہونے پائے۔ بلکہ جب تک میں زندہ رہوں اس کی خاطر تواضع کرو سبحان اللہ کیا حوصلہ اور کیا صاف دلی ہے۔ کہ اپنے قاتل پر بھی کسی ایذا کو پسند نہ کیا حقیقتاً اس قدر حوصلے اور صاف دلی کے آپ ہی مالک ہیں۔

ایک دفعہ عین جنگ میں حریف نے آپ سے کہا کہ یا علیؓ آپ اپنی تلوار دکھائیں چنانچہ آپ نے اپنی تلوار حریف کو دیدی جب دشمن تلوار لے چکا۔ تو اس نے کہا کہ اب آپ نہتے ہیں اور مجھ سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب بھیک مانگنے والوں کی طرح تو نے میرے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ تو میری مروت نے تقاضا کیا کہ اگرچہ ایک دشمن سوال کر رہا ہے اور لڑائی کا وقت بھی ہے۔ لیکن سائل کے سوال کو رد کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ گو وہ کافر ہی ہو۔ چنانچہ یہ ارشاد سنتے ہی حریف بہ صدق دل پکار اٹھا۔ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ ٭ اور آپ کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گیا۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے۔ جو اپنے مال کو غلام خریدنے پر صرف کرتے ہیں۔ اور افسوس ہے کہ وہ اپنے احسان سے آزاد لوگوں کو مول لیکر غلام نہیں بنا لیتے۔

کتبہٗ منشی غلام محی الدین ولد نور احمد قوم قریشی ساکنہ مرد یکے تحصیل نزیر آباد بقلم خود

آپ رضؓ کا عدل

اگرچہ آپؓ کے عدل کے متعلق احادیث وارد ہیں جن کو ہم آپ کی شان کے ضمن میں ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں اور اقوال بزرگان کی تحت میں بھی چند ایک اقوال لکھ چکے ہیں۔ اور دوست و دشمن آپکے عدل کے قائل ہیں لیکن تاہم اس جگہ بھی ہم تبرکاً ایک آدھ واقعہ جو آپ کے عدل و انصاف کو ظاہر کرتا ہے حوالہ قلم کرتے ہیں اور اخیر کتاب میں آپکے مختصر اقوال اور نصائح وغیرہ بھی لکھیں گے جن کے مطالعہ سے آپ کے عدل و انصاف کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جائیگی :

جب آپکے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوتا۔ تو آپ ہمیشہ بے رو رعایت اس کا حق فیصلہ کر دیتے ظالم کو اس کے ظلم کی سزا اسی قدر دیتے۔ جس قدر کہ اس کا ظلم ہوتا مظلوم کی دادرسی فرض جانتے تھے جب تک کہ آپ حقدار کو حق دلوا نہ لیتے اس وقت تک آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ آپ ہمیشہ لوگوں کو فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کسی معاملہ میں بوجہ بشریت مجھ سے غلطی ہو جائے تو مجھے فوراً مطلع کرو کیونکہ قیامت کی جوابدہی سخت مشکل ہے۔ آپ ہر ایک کو ایک آنکھ سے دیکھا کرتے تھے :

ایک دفعہ جب کہ آپ خلیفہ وقت تھے۔ اپنی ایک زرہ کو جو کہ جنگ حنین میں گم ہو گئی تھی ایک نصرانی کے پاس دیکھ کر اس کو فرمایا۔ کہ یہ زرہ میری ہے مجھے واپس کر دو لیکن اس نے واپس کرنے سے انکار کیا۔ چنانچہ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں جو آپ کی طرف سے قاضی مدینہ مقرر تھا۔ دعویٰ دائر کر دیا جب آپ نصرانی مدعا علیہ کے ہمراہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوئے تو بحیثیت مدعی کے مدعا علیہ کے برابر کھڑے ہو گئے قاضی نے آپ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ میرے بیٹے حسن حسینؓ شاہد ہیں قاضی نے کہا۔ کہ بیٹے کی باپ کے لئے اسلام میں شہادت معتبر نہیں ہے۔ کوئی اور گواہ پیش کریں۔ اس پر آپنے اپنے غلام قنبر کا نام لیا لیکن

قاضی نے اس گواہی کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ غلام کی گواہی آقا کے حق میں مفید نہیں ہو سکتی آپ نے فرمایا۔ کہ تعجب ہے۔ تم اہل جنت کی گواہی تسلیم نہیں کرتے قاضی نے کہا کہ بے شک یہ درست ہے۔ مگر اسلام اس گواہی کو تسلیم نہیں کرتا پھر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے چنانچہ قاضی نے آپ کا دعویٰ خارج کر دیا اور زرہ بدستور نصرانی کے پاس رہی۔ فیصلہ کے بعد جب کہ نصرانی چلا گیا۔ تو آپ بحیثیت خلیفہ وقت قاضی کی تعریف کر رہے تھے۔ کہ واقعی ایک مسلمان قاضی کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کہ کسی کی بے جا رعایت نہ کرے۔ اتنے میں وہی نصرانی زرہ ہاتھ میں لئے ہوئے پھر واپس آیا اور اپنے ہاتھ کو آپ کے دست حق پرست میں دے کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو کر آپ کی بیعت کی۔ اس کے بعد کہا۔ کہ یا امیر المؤمنین میری خطا معاف ہو میں اقرار کرتا ہوں کہ واقعی یہ زرہ آپ کی ہے اور آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ہی احکام ہیں۔ کہ امیر المؤمنین مجھے قاضی کی عدالت میں لائیں اور قاضی بے رو رعایت ان پر احکام قضا کو جاری کرے۔ چنانچہ آپ نے اس کی بیعت کو قبول کیا۔ اور اس کے اسلام لانے سے آپ کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ آپ نے نہ صرف زرہ ہی اس کو بخش دی۔ بلکہ ایک گھوڑا بھی عطا فرمایا۔ بعد میں یہی نصرانی خوارج کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام کی طرف سے جنگ کرتا ہوا شہید ہوا۔

یہ واقعہ آپ کے عدل و انصاف کی ادنیٰ سی مثال ہے۔ حالانکہ آپ خلیفہ وقت تھے۔ اور اپنی زرہ کو جبراً نصرانی سے لے سکتے تھے۔ مگر آپ نے عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور اس کو ایک فرد رعایا سمجھ کر اس پر کوئی سختی نہ کی۔ بلکہ اپنے ہی ماتحت قاضی کی عدالت میں باقاعدہ دعویٰ دائر کیا۔ اور جب قاضی نے آپ کے دعویٰ کو خارج کر دیا۔ تو آپ نے قاضی کی تعریف کی کہ اس نے خلیفہ وقت کی بے جا رعایت کرنے کا جرم نہیں کیا۔ اور احکام اسلام کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ایک بڑھیا نے آپ کی وفات پر مرثیہ کہا ہے۔ جس کا ایک شعر یہ ہے :-

صلی الالہ علی روح تضمنہ   قبرا فاصبح فیہ بالعدل مدفونا

یعنے خدا کی رحمت ہو اس روح پر کہ اس کو قبر نے بغلگیر کر لیا ہے اور کہ وہ عدل کرتا ہوا۔ اس میں دفن ہوا ہے:

آپ کی مہمان نوازی

آپؑ اپنے مہمانوں کو نہایت عزیز سمجھا کرتے تھے۔ اور اجنبی مہمانوں کی ازحد زیادہ خاطر و تواضع کیا کرتے تھے۔ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیطرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہمانوں کو کھانا کھلاتے اور خوش ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے قریباً سات روز گزر گئے کہ آپ کے ہاں کوئی مہمان نہ آیا۔ آپ افسردہ خاطر ہو گئے۔ اور رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کا باعث پوچھا۔ تو فرمانے لگے کہ آج سات دن ہونے کو آئے ہیں۔ میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا مجھے خوف ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے مجھے حقیر نہ کر دیا ہو۔

لباس اور طعام

۱۔ عمر بن قیسؓ سے روایت ہے۔ کہ لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ اپنی قمیص کو پیوند کیوں لگایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے آدمی کا دل نرم ہوتا ہے۔ اور مومن اس کی پیروی کر سکتا ہے۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی خدمت میں گیا۔ دیکھا کہ آپ جوتا سی رہے ہیں میں نے پوچھا۔ یا امیر المومنین آپ کا جوتا کس قیمت کا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ جوتا مجھے تمام دنیا سے پیارا ہے۔ مگر وہ امور کہ جسکی وجہ سے میں حق کو قائم اور باطل کو دور کر سکوں۔ جناب رسول خداؐ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتا سیا کرتے تھے۔ کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے۔

(۳) ہارون بن عنترہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ

جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں قصر خورنق میں گیا۔ دیکھا کہ آپ شدت سرما کے باعث کانپ رہے ہیں فقط ایک پرانا کپڑا اوڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ امیرالمومنین اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کے اہل بیت کے لئے بیت المال میں حصہ مقرر کیا ہے اور آپ اپنے نفس سے یہ سلوک کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں تمہارے مالوں میں سے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ یہ وہی میرا لباس ہے۔ جو میں مدینہ سے لایا ہوں ؛

۴۔ حسن بن حجز موزا اپنے والد سے ناقل ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو کوفہ کی مسجد سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ ان پر دو قطریہ ہیں۔ ایک سے تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور ایک اوڑھے ہوئے ہیں۔ ان کا تہ بند نصف ساق تک ہے اور وہ بازاروں میں دُرّہ ہاتھ میں لئے پھر رہے ہیں۔ اور لوگوں کو خدا کے خوف و سچ بولنے پورا اور کھرا سودا دینے پیمانوں اور ترازو کو پورا رکھنے کا حکم دیتے ہیں ؛

۵۔ ابی بحر اپنے کسی بزرگ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو موٹا تہ بند باندھے ہوئے دیکھا۔ جس کو رسی سے کس کر باندھا ہوا تھا۔ حالانکہ آپ اس وقت خلیفہ وقت تھے۔ آپ اپنے اونٹ کو خود ہی روغن ملا کرتے تھے ؛

(۶) سوید بن غفلہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن امیرالمؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ایک پرانے بوریئے پر تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا امیرالمؤمنین آپ خلیفہ وقت مسلمانوں کے بادشاہ اور بیت المال کے مختار ہیں۔ دوسری قوموں کے قاصد آپکے پاس آتے ہیں لیکن آپ کے گھر میں سوائے ایک پھٹے پرانے بوریئے کے اور کچھ نہیں ہے۔ اور نہ ہی آپ لباس عمدہ پہنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ عاقل شخص ایسے گھر سے کبھی الفت نہیں کرتا۔ جس کو چھوڑ دینا ہو۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ہر وقت وہ ہمیشگی کا گھر ہے۔ ہم اپنے سامان اور لباس کو اسی گھر میں بھیج چکے ہیں۔ اور عنقریب ہم خود بھی اس گھر میں جانے والے ہیں۔ راوی لکھتا ہے کہ میں آپ کا جواب سُنکر زار زار رو دیا ؛

یہ تو آپ کی سادگی لباس اور سامان کا حال ہے۔ اب ذرا آپ کی سادگی طعام کا بھی حال ملاحظہ ہو۔ جس طرح آپ صاف سادہ اس قسم کا لباس پہنتے تھے۔

جس سے نہ تو کسی قسم کے غرور کی بو آئے۔ اور نہ ہی کوئی جاہ و تمکنت ظاہر ہو اور نہ ہی کسی قسم کی آرام کی عادت پڑ سکے۔ اسی طرح آپ کی غذا بھی نہایت سادہ اور بے تکلف ہوتی تھی۔ اور ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ بیت المال سے اگرچہ آپ کو گزارہ کے موافق مال لینے کا حق تھا۔ مگر آپ نے نہ لیا۔ اور بیت المال کے مال پر ہمیشہ اپنی محنت مزدوری کی کمائی کو ترجیح دی ؂

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن آپ کے سامنے فالودہ رکھا گیا۔ مگر آپ نے نہ کھایا۔ عرض کیا کہ کیا حرام ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن میں اپنے نفس کو ایسی چیز کا عادی بنانا نہیں چاہتا۔ جس کو جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کھایا ہو۔

عبد اللہ بن ابی رافعؓ سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ میں عید کے دن جناب امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کی خدمت میں گیا۔ آپ نے میرے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا رکھ دیا۔ جب اس کو کھولا۔ تو اس میں سے جو کی روٹیوں کے خشک ٹکڑے نکلے۔ جس کو میں اور جناب امیر المؤمنین کھانے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا امیر المؤمنین آپ نے اس تھیلے کو سر بمہر کیوں کیا ہے۔ فرمایا کہ ڈرتا ہوں۔ میری عدم موجودگی میں کوئی شخص ان کو روغن سے چرب نہ کر دے ؂

آپ ہمیشہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح جو کے ان چھنے آٹے کی روٹی کو پسند کیا کرتے تھے۔ گھر میں ہدایت کر دی تھی۔ کہ میرے لئے اَن چھنے آٹے کی روٹی پکائی جایا کرے۔ آپ کھانے کو عموماً نمک اور سرکہ سے کھایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ اپنے پیٹوں کو حیوانوں کا مقبرہ نہ بناؤ ؂

آپؓ کا جہاد!

نصرت دین کا نام جہاد ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے نزدیک مجاہد کا بڑا بلند مرتبہ ہے۔ جو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جہاد بالعدو کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل جہاد بالنفس دوسرے جہاد بالعدو۔ پھر آگے جہاد بالعدو کی دو قسمیں جہاد بالدعوت اور جہاد بالسیف

جہاد بالنفس جسے شرع میں جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ نفس امارہ کو مغلوب کرنے اور اس کی خواہشوں کی مخالفت کرنے کا نام ہے۔ لیکن نفس امارہ اس وقت تک مغلوب نہیں ہوتا جب تک کہ زہد و تقوے کے زبردست حربوں سے اس کا استیصال نہ کر دیا جائے۔ چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے زہد و تقوے کے مہلک اسلحہ سے دشمن یعنے نفس امارہ پر زبردست چوٹیں لگائیں۔ یہاں تک کہ آپؑ نے اس پر کامل فتح پائی۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے اپنی کلام پاک میں آپ کے زہد و تقوے کی تعریف فرمائی۔ اوپر کی سطور اور احادیث و آیات سے جو آپ کی شان میں وارد ہیں۔ آپ کی نفس کشی اور ریاضت ظاہر ہو رہی ہے۔ اور صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ بالیقین امام المتقین تھے۔ زہد و تقویٰ کی اصل طہارت ہے اور اللہ تعالےٰ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطہیرا فرما کر آپ کو پاک کرتا ہے۔

جہاد بالدعوت میں بھی آپ دیگر صحابہ کرام سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ بلکہ بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی توحید اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے متعلق آپ کے بے شمار خطبات ہیں۔ جو اب تک گم گشتگان بادیہ ضلالت کے لئے مشعل ہدایت سے کم نہیں ہیں۔ بے شمار لوگ آپ کی دعوت سے سلک اسلام میں منسلک ہوئے۔ اور آپ کی دلائل و براہین نے بیشمار منکران خدا و رسول کو لاجواب اور ساکت کر دیا۔

جہاد بالسیف آداب حرب کے جاننے اسلحہ کے موجود ہونے اور شجاعت پر منحصر ہے۔ یہ تینوں باتیں جناب امیر علیہ السلام کو بدرجہ اتم حاصل تھیں۔ آپ اشجع ترین شخص تھے۔ خدا و رسول کے خوف کے سوا جو لازمہ فطرت ہے۔ آپ کسی اور طاقت سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ تمام عرب ہی نہیں۔ بلکہ تمام روئے زمین کے لوگ آپ کا لوہا مانتے ہیں۔ اور اس گئے گزرے زمانے میں بھی مخالف و موافق اقوام کے لوگ جب کسی میدان میں نکلتے ہیں۔ تو علی علی کہتے ہوئے نکلتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ مخالف لوگ آپ کے پیرو نہیں ہیں لیکن شجاعت و تہور اور آداب حرب میں آپ کو اپنا استاد۔ امام یا پیغمبر مانتے

ہیں۔ آپ کی شجاعت مشہور زمانہ ہے۔ جو کسی تشریح کی محتاج نہیں لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ آپ کی شان میں وارد ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔ لضربتہ علی خیر من عبادۃ الثقلین۔ یعنے جناب علیؑ کی ایک ضرب جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنے کلام پاک میں آپ کے جہاد کی تعریف فرماتا ہے۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سوائے تبوک کے آپ تمام غزوات میں شریک اور ثابت قدم رہے۔ اور کارہائے نمایاں کئے جن کا ذکر آگے اپنے موقع پر آئے گا۔ علم رسولی آپ ہی کے دست مبارک میں ہوا کرتا تھا۔ بڑے بڑے گردن کشوں اور شہسواروں کو آپ نے آناً فاناً تہ تیغ کیا۔ دشمنان خدا ورسول آپ کے نام تک سے کانپا کرتے تھے۔ اور کوئی شخص آپ کے مقابل آکر لڑنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ آپ اپنی زرہ ہمیشہ آگے کی طرف پہنا کرتے تھے۔ ایک دن کسی نے پوچھا کہ آپ زرہ آگے کی طرف ہی پہنتے ہیں پیچھے کیوں نہیں پہنتے ایسا نہ ہو۔ کہ دشمن پیچھے سے وار کر دے آپ نے فرمایا۔ کہ میں دشمن کو اس بات کا موقعہ ہی نہیں دیتا۔ کہ وہ پیچھے کی طرف سے حملہ کر سکے۔

افسوس کہ آپ کو خانہ جنگیوں سے ہی فراغت نہ ملی۔ ورنہ آپ کے عہد میں بھی خلفائے ثلاثہ کی طرح فتوحات کا تانتا بندھ جاتا۔ لیکن باوجود خانہ جنگیوں کے بھی آپ غافل نہ رہے۔ اور آپ نے سرزمین اور سے پر فوج کشی کی۔ سندھ میں بھی بغرض جہاد لشکر اسلامی کو بھیجا۔

سوانحات زندگی

آپؑ کی خلقت نور۔ پیدائش۔ اسماء۔ القاب۔ گود رسالت میں پرورش اور فضیلت علم وعمل کے جس قدر حالات کی اس کتاب میں گنجائش تھی لکھے جا چکے ہیں اب ہم آپ کے سوانحات زندگی کے باب کا افتتاح کرتے ہیں۔ اور جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے دو اہم باب ہیں۔ یعنی مکی زندگی اور مدنی زندگی اسی طرح ہم بھی آپ کی زندگی کے حالات کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں اوّل سوانحات قبل از خلافت اور دوسرے سوانحات بعد خلافت۔

واقعات قبل از خلافت

آپؓ کا ایمان لانا

ابتدائے پیدائش سے لیکر پانچ سال کی عمر تک آپ اپنے والدین کے سایۂ عاطفت میں تربیت پاتے رہے۔ اور اس کے بعد جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی پرورش اور تربیت کے متکفل ہوئے۔ ان دنوں میں بھی جبکہ آپ ظل پدری میں پرورش پاتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی نگہداشت کیا کرتے تھے۔ آپ کو کھلاتے۔ پلاتے۔ کپڑے پہناتے اور آپ کے جھولے کو جھولایا کرتے تھے۔ اکثر اوقات اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دیتے۔ جس کو آپ چوستے رہتے تھے۔ پانچ سال کی عمر سے لے کر جبکہ آپ کامل طور پر ظل رسالت میں آگئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک آپ ہر حال میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زیر نظر رہے۔ بارہ سال کی عمر میں اور بقول بعض نو یا دس سال کی عمر میں آپ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لائے

اگر عورتوں کو بھی شمار کیا جائے۔ تو آپ دوسرے ایمان لانے والے ہیں۔ کیونکہ سب سے اوّل ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کیا۔ آپ کے ایمان لانے کا واقعہ بالکل سادہ ہے۔ اور وہ اس طرح پر ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ آپ تشریف لے آئے۔ اور چپ چاپ بیٹھ کر آپ کو رکوع و سجود کرتے دیکھتے رہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے بھولے بھالے انداز میں پوچھا۔ کہ یا اخی آپ کیا کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں اپنے خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ تجھ کو بھی چاہیئے۔ کہ ہمارے ساتھ شریک ہو کر اسی طرح عبادت کیا کرے آپ نے فرمایا۔ کہ اس طرح عبادت کرتے تو میں نے سوائے آپ کے اور کسی کو نہیں دیکھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ دین ہمارے جد امجد سیدنا ونبینا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں کا دین ہے۔ تجھ کو لازم ہے۔ کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ؐ کہکر ہمارے ساتھ شریک ہو جائے ان الفاظ کے سنتے ہی نور اسلام جو کہ اپنے نرالے اور سادے طرز عبادت سے آپ کے دل کو ابھی ابھی مسخر کر چکا تھا۔ آپ کے دل میں جلوہ ریز ہوا۔ اور آپ نے اُسی وقت اور بقول بعض دوسرے دن اشہد ان لا الہ الا و اشہد ان محمد رسول اللہ پکار کر اسلام اختیار کر لیا۔ چنانچہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان فیض ترجمان سے فرماتے ہیں۔ کہ دو شنبہ کے دن میں رسالت سے مبعوث ہوا ہوں اور سہ شنبہ کے دن جناب امیر علیہ السلام مشرف باسلام ہوئے۔ غرض کچھ دنوں تک یہ تینوں نفوس قدسیہ یعنی جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب علی ؓ اور ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ اپنے اللہ تعالیٰ کی چھپ چھپا کر عبادت کرتے رہے۔ اور کوئی دوسرا ابھی شریک نہ ہونے پایا تھا۔ کہ ایک دن جبکہ یہ تینوں مقدس حضرات ایک پہاڑی کی اوٹ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اوپر سے جناب ابوطالب آپ کے والد ماجد تشریف لے آئے۔ ان کے دل پر بھی اسی طرح حیرت طاری ہوئی جیسے پیشتر ازیں حضرت علی پر ہو چکی تھی۔ فراغت کے بعد جناب ابوطالب نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفسار فرمایا۔ تو آپ نے اپنے دین کو اللہ اس کے فرشتوں اور جدامجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دین بتاتے ہوئے جناب ابوطالب کو بھی دعوت اسلام دی۔ لیکن اس وقت انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ پھر اپنے بیٹے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرمایا۔ تو آپنے بھی وہی جواب دیکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے چکے تھے۔ اپنے والد مکرم کو دعوت اسلام دی۔ تب جناب ابوطالب نے فرمایا۔ کہ یا علی اپنے ابن عم یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو۔ وہ تمہیں ہر حال میں نیکی کی دعوت دیگا۔

ہجرت

بارہ سال کی عمر سے لیکر جب کہ آپ نے اسلام قبول کیا پچیس سال کی عمر تک جبکہ آپنے ہجرت کی۔ کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے۔ یہ تیرہ سال کا عرصہ زہد و ریاضت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں صرف ہوا۔ جب توہین و تضحیک بتاں کے باعث قریش بداندیش کی طرف سے جناب سرور کائنات مفخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی مکروہ امر پہنچتا۔ تو آپ بے چین ہو جاتے بسا اوقات تلوار کھینچکر انتقام پر مستعد ہو جاتے۔ لیکن چونکہ اسلام کو ابھی تلوار اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے خدا و رسول کے حکم کے مطابق آپ کا جوش دب جاتا رہا اور آپ کو اپنی شجاعت و تہور کے دکھلانے اور جان نثاری کا موقع نہ مل سکا۔ ابھی آپ کے والد ماجد ابوطالب زندہ ہی تھے۔ کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر بہت سے بنی ہاشم کے ساتھ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمدرد تھے۔ کچھ عرصے تک ایک محدود حلقے میں محصور ہونا پڑا۔ قریش نے ہر قسم کے تعلقات محصورین سے منقطع کر لئے۔ ایام محصوری میں جناب ابوطالب کی طرح آپ بھی تلوار پکڑے ہوئے ساری ساری رات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوابگاہ کے گرد چکر لگاتے رہتے اور آنحضرت کی نہایت مستعدی کے ساتھ حفاظت کرتے مبادا کہیں خدانخواستہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قریش سے کوئی گزند پہنچے

جب توہین و تذلیل اصنام حد سے بڑھ گئی۔ اور قریش باوجود اپنی انتہائی ان تھک کوششوں کے اپنے خداؤں یعنی بتوں کی خدمت اور ترقی اسلام کو روکنے سے مجبور و معذور ہو گئے۔ تو جملہ اکابران قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ اور اسلام کا قطعی استیصال کر دینے کے لئے کوئی بہترین تجویز سوچنے لگے۔ تو اس وقت شیطان ملعون بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں مشفق بنکر دار الندوہ میں گیا۔ اول اول تو اس کو مجلس شوریٰ میں داخل ہونے سے روکا گیا لیکن جب شیطان ملعون نے جو اسوقت شیخ نجدی کی شکل میں تھا۔ اپنے آپ کو قریش کا ہم خیال بتایا۔ تو انہوں نے بزرگ سمجھ کر اپنی مشورت میں اس کو بھی شامل کر لیا۔ کوئی جناب سرور کائنات مفخر موجودات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید کر دینے کی صلاح دیتا تھا۔ اور کوئی جلاوطن کر دینے کی ؛ کسی نے کہا کہ قتل کر دینا چاہئے۔ غرض ہر ایک شریک مجلس اپنی اپنی عقل و ہمت کے مطابق رائے دیتا تھا جس پر جرح و قدح ہوتی تھی۔ آخر الامر ابوجہل بولا۔ کہ میں نہ تو محمد (صلعم) کو قید کرنے میں مصلحت دیکھتا ہوں۔ اور نہ ہی جلا وطنی میں کوئی بہتری ہے۔ اور نہ ہی کوئی شخص آپ کو قتل کر سکتا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو بنی ہاشم بالیقین مقابلے پر آئیں گے۔ اور زیادہ خونریزی ہو گی۔ بہتر یہی ہے کہ ہر ایک قبیلے میں سے ایک ایک آدمی انتخاب کر لیا جائے۔ اور سب آدمی مشترکہ طور پر جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو محصور کریں۔ اور جب وہ نماز کے لئے باہر نکلیں۔ تو متفقہ طور پر ایسی کاری ضرب لگائیں۔ کہ دشمن ان کا کام تمام ہو جائے اس طرح سے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خون کا الزام ایک شخص پر نہیں آئیگا۔ اور بنی ہاشم جملہ قبائل قریش سے لڑنے کی ہمت نہ دیکھکر خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اس طرح سے یہ خدشہ بآسانی مٹ جائیگا۔ اس تجویز کے سنتے ہی ہر طرف واہ واہ کا غل مچ گیا۔ اور آفرین و مرحبا کی صدائیں۔ بلند ہوئیں شیطان ملعون نے اس تجویز کو بہت کچھ سراہا ؛

الغرض ابوجہل کی تجویز پر اتفاق کرنے کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ اور ہر ایک قبیلے میں سے ایک ایک آدمی نامزد کر دیا گیا۔ کہ وہ سرِ شام سے ہی جا کر محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر کو محصور کر لیں۔ جونہی کہ قریش بد اندیش نے طیش میں آکر آنحضرت

صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دینے کی ٹھان لی۔ خدائے بزرگ و برتر نے بھی اپنے حبیب پاک کو سارے حالات سے خبردار کر دیا۔ اور ہجرت کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ اے میرے حبیب آج کی رات کو نکل جاؤ۔ اور حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا جاؤ۔ ان کی حفاظت کرنے والا میں ہوں۔

حسب قرارداد سرشام سے ہی قبائل قریش کے منتخب شدہ آدمیوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو محصور کر لیا۔ آنحضرت صلعم نے جناب علیؓ سے فرمایا کہ اے میرے بھائی مجھے ہجرت کرنے کا حکم آگیا ہے۔ آپ آج کی رات میرے بستر پر سو رہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دشمنوں کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ کوئی کسی طرح کا فکر نہ کرنا۔ وہ حافظ حقیقی سر پر موجود ہے۔ جو جو امانتیں لوگوں کی میرے پاس موجود ہیں وہ سب ان کے مالکوں تک پہنچا دینا اور بعد میں خود بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر آنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جناب علیؓ کو ہدایات دیکر اپنے بستر مبارک پر سُلا کر سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے اور ایک مٹی کی مٹھی بھر کر محاصرین پر ماری اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے محاصرین کی بینائی کو اس صورت میں سلب کر لیا۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔ چنانچہ آں حضرتؐ سلامتی کے ساتھ اپنے دشمنوں میں سے نکل گئے لیکن کسی نے ان کو نہ دیکھا۔ ان کی نگاہیں دروازے کی دراڑوں میں سے اندر کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اور وہ آپ کو اپنے بستر پر سوئے دیکھتے رہے وقت گزرتا گیا۔ اور محاصرین کے انتظار کی حد ہو گئی۔ وہ حیران تھے۔ کہ آج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسب معمول کیوں باہر نہیں نکلے۔ آخر تنگ آکر پہلے تو محاصرین نے پتھر مارے۔ لیکن جب کوئی آواز نہ آئی۔ تو دیوار پھاند کر اندر گئے۔ دیکھا کہ جناب امیر علیہ السلام ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود نہیں ہیں۔ کفار نے جناب امیر علیہ السلام سے دریافت کیا۔ کہ تمہارے دوست محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں۔ آپ نے نہایت استقلال حوصلہ اور دلیری سے فرمایا۔ کہ میں ان کا محافظ اور نگہبان تھوڑا ہی ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہاں ہیں۔ اس متہورانہ جواب کے سنتے ہی کفار بد کردار حیرت میں پڑ گئے۔ اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اپنے منصوبہ کی ناکامی دیکھ کر مایوس ہو گئے۔ اور نہایت ناامیدی ؎

کے ساتھ گھر سے نکل آئے۔ کفار کی اس آخری جدوجہد میں بھی ناکامی ہونے سے تمام مکہ میں ایک تہلکہ مچ گیا اور آنحضرت صلعم کی تلاش ہونے لگی۔ وشت تا وجبل کو چھان ڈالا۔ ادھر ادھر بہتیری ٹکریں ماریں۔ گرفتاری پر اکابرین مکہ نے گراں قدر انعام مشتہر کیے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالےٰ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حفاظت منظور تھی اس لیے کفار کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کچھ پتہ نہ مل سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد تین دن تک جناب امیر علیہ السلام مکہ میں رہے اس وقت سوائے آپ کی ذات ستودہ صفات کے مکہ میں اور کوئی مسلمان نہیں تھا۔ ہر طرف دشمن ہی دشمن موجود تھے اور وہ بھی خون کے پیاسے لیکن آپ کے دل میں کسی قسم کا خوف و ہراس پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کہ آپ کو دشمنوں سے کوئی مکروہ امر نہ پہنچیگا۔ اور دشمنوں کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے تم پر سے دور کر دے گا آپ کو کامل یقین تھا۔ کہ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی تاہم اکثر دیکھا گیا ہے۔ کہ نفوس بشری عام طور پر باوجودیکہ عدم موجودگی تکلیف کا یقین ہوتا ہے ایسے اوقات میں جبکہ خوف دلانے والے منظر آنکھوں کے سامنے ہوں مضطرب ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے باوجودیکہ ذات باری تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین دلایا۔ کہ یا موسیٰ آپ اپنے عصا کو پکڑلیں اگرچہ موجودہ صورت میں یہ ایک اژدہائے عظیم ہے۔ لیکن جونہی تمہارا ہاتھ لگے گا ہم فوراً اس کو وہی عصا بنا دیں گے۔ جو ہر وقت تمہارے ہاتھ میں رہا کرتا ہے لیکن موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس اژدہا کو ڈرتے ڈرتے ہاتھ ڈالا حالانکہ ان کا دل باوجودیکہ وہ ایک اولوالعزم مرسل تھے اور عدم تکلیف کا خوف خود ذات باریتعالیٰ نے دلادیا۔ اور نور نبوت سے بھی معمور تھے۔

بعد ہجرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم آپ کا تین دن تک مکہ میں رہنا آزادانہ چلنا پھرنا۔ آپ کی شجاعت کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ نے آپ کے دل کو قوی نہ کیا ہوتا۔ تو آپ ضرور مضطرب ہو جاتے۔ ان تین دنوں میں آپ نے اہل مکہ کی تمام امانتیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تھیں ان کے مالکوں کو ادا کیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کے تیرہویں سال

میں جب کہ آپ کی عمر پچیس سال کے قریب تھی دوشنبہ کے روز ربیع الاوّل کی تیسری یا چوتھی تاریخ کو علی الاعلان دن دہاڑے تن تنہا پاپیادہ عازم مدینہ منورہ ہوئے۔ اور راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے سفر کے باعث آپ کے پاؤں مبارک ورم کر گئے اور پاؤں میں چھالے پڑ گئے ۔

جنگ بدر!

یہ جنگ ۲ھ بمقام بدر جو کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مابین واقع ہے قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوا۔ اور یہ سب سے پہلا جنگ ہے جو مسلمانوں کو پیش آئی قریش مکہ کی طرف سے سالار لشکر ابوجہل تھا۔ اور مسلمانوں کے لشکر کے امیر خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ علم لشکر اسلامیہ جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا کفار کی تعداد قریباً ایک ہزار تھی۔ جو زائج الوقت ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح تھی مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی اور ان میں بھی اکثر غیر مسلح تھے جب فریقین آمنے سامنے صف بستہ ہوئے تو لشکر قریش میں سے عتبہ ابن ربیعہ مع اپنے بیٹے ولید اور اپنے بھائی شیبہ صفوں میں سے نکل کر میدان میں آئے عتبہ نے با آواز بلند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ اپنے لشکر میں سے ہمارے مقابلہ کے لیے آدمی بھیجیں چنانچہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار میں سے تین آدمی ان کے مقابلے کے لیے بھیجے۔ جب انصار نے میدان میں نکل کر حریف کو وار کرنے کی نسبت کہا تو عتبہ بولا۔ کہ آپ پہلے اپنے حسب نسب سے مطلع کریں انہوں نے کہا کہ ہم انصار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں خدا اور رسول پر جانوں کو نثار کرنا ہمارا ایمان ہے عتبہ نے کہا بے شک درست ہے لیکن ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم نے اپنے بھائی بندوں کو طلب کیا ہے جو ہمارے کفو ہیں۔ پھر پکار کر کہا کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے انصار کو طلب نہیں کیا تھا۔ ہم قریش کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں اس آواز کو سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو

بلا لیا۔ اور جناب امیر علیہ السلام حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ بن الحارث کو فرمایا۔ کہ تم جاؤ۔ اور اس صد آفت پر جس پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے رسول کو مبعوث کیا ہے ان باطل پرستوں سے مقابلہ کرو۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں یاد رکھو کہ ان پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کا نور بجھ نہیں سکتا اللہ تعالیٰ نور اسلام کی کرنوں کو دور دور تک عالم میں پھیلائے گا اور ظلمت کدۂ عالم کو منور کرے گا اگرچہ منکران خدا اور رسول کو برا ہی کیوں نہ لگے ۔

اس اشارہ کو سنتے ہی جناب امیر علیہ السلام حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضؓ مردانہ وار میدان میں نکلے ۔ تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی جولانی کو دیکھ کر کفار تھرتھرا گئے چونکہ ان ہر سہ جان نثاروں نے خود پہنے ہوئے تھے اس واسطے عتبہ اور اس کے ہمراہی ان کو نہ پہچان سکے اور حسب سابق ان سے بھی حسب نسب پوچھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جب تم لوگوں نے اپنے بھائی بندوں کو ہی طلب کیا ہے تو جان لو۔ کہ ہم تینوں تمہارے بھائی بند آل ہاشم کے چشم و چراغ ہیں میں علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ حضرت حمزہ نے فرمایا کہ میں حمزہ بن عبد المطلب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں حضرت عبیدہ رضؓ نے فرمایا کہ میں عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب ہوں ان الفاظ کے سنتے ہی عتبہ بن ربیعہ نے اپنے بیٹے ولید کو جناب امیر علیہ السلام اپنے بھائی شیبہ کو حضرت عبیدۃ بن الحارث سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور خود حضرت حمزہ کے مقابلے پر کھڑا ہوا ولید نے جناب امیر علیہ السلام کو کہا کہ آپ مجھ سے لڑتے ہیں اس واسطے پہلے تم وار کر لو۔ تاکہ تمہارے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جائے آپ نے فرمایا کہ میں پہلے وار کرنا نہیں چاہتا اس پر ولید نے جھپٹ کر نہایت پھرتی کیساتھ جناب امیر علیہ السلام پر وار کیا۔ لیکن آپ نے اپنے متحیر العقول فن حرب اور چستی سے اس کا وار خالی کر دیا اور پھر ولید کو کہا کہ لے اب سنبھل یہ کہتے ہی آپ نے تلوار کی ایک ضرب لگائی۔ کہ اس کا بایاں ہاتھ کٹ گیا۔ اس کے بعد دوسری ضرب کے ساتھ ہی اس کی گردن زمین پر تڑپتی نظر آئی اپنے مد مقابل ولید کو قتل کرتے ہی آپ نے اپنی نگاہ جناب حمزہ اور عبیدہ کی طرف اٹھائی

اور عبیدہ کو کچھ کمزور پاکر آپ ران کی مدد کو بڑھے اور ایک ایسا تلا ہوا ہاتھ حریف پر رسید کیا کہ راکب و مرکب اپنے ہمراہیوں کی طرح خاک و خون میں تڑپتے ہوئے نظر آئے ان کے گرتے ہی لشکر اسلام سے تکبیر کا پر زور نعرہ بلند ہوا لشکر قریش نے جب دیکھا کہ ہمارے تینوں آدمی قتل ہو گئے ہیں تو بڑے جوش و خروش اور غصے کے ساتھ چیدہ چیدہ شجاع آزمودہ کار مثل عاص بن سعید حنظلہ بن ابی سفیان نوافل بن خویلد۔ عدی عقیل بن الاسود وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے جناب امیرؑ کے مقابلے پر نکلے اگرچہ جناب امیر علیہ السلام کی عمر تمام متحاربین مخالف و موافق میں سب سے کم تھی یعنی ۲۷ سال کی لیکن پھر بھی آپ اپنی ایک ہی ضرب سے اپنے حریف کو جہنم کا پروانہ راہداری دیکر عدم آباد کی طرف بھیجتے رہے اور نہایت پامردی اور استقلال کیساتھ میدان میں جمے رہ کر ہل من مزید کا نعرہ لگاتے رہے ۔

اس لڑائی میں کل ستر کافر مقتول ہوئے جن میں سے نصف کے قریب جناب امیرؑ نے تن تنہا قتل کیئے آپ کی شجاعت اور استقلال کو دیکھ کر کفار کے پائے ثبات میں لغزش آئی اور دوسرے جس خدشہ کی بنا پر یہ جنگ وقوع میں آئی تھی وہ خدشہ بھی جاتا رہا اس لئے لشکر قریش میں بہت سا اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض لڑائی کو پسند کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارا قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا ہے اور جس غرض کے لیے ہم آئے تھے وہ پوری ہو گئی ہے اس لیے اب لڑائی کی ضرورت نہیں رہی الغرض کچھ تو اختلاف رائے کے باعث اور کچھ جناب امیر علیہ السلام کی شجاعت و پامردی سے اکابرین قریش کے قتل ہو جانے کے باعث ان میں بھاگڑ پڑ گئی اور میدان سے بھاگ نکلے۔ لشکر اسلام مظفر و منصور واپس مراجعت فرمائے مدینہ منورہ ہوا ۔

غزوہ الکدر ۲ھ

یہ غزوہ شوال ۲ھ میں جنگ بدر کے کچھ دن بعد واقع ہوا کدر ایک کوئیں کا نام ہے چونکہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بدر سے واپس

آتے ہی اطلاع ملی تھی کہ بنی سلیم مسلمانوں سے لڑائی کرنے کیلئے کدر پر جمع ہو رہے ہیں اس لئے آپ نے سے

سر چشمہ شاید گرفتن بہ بیل چو پر شد نشاید گزشتن بہ پیل

کے مطابق کفار کو جمع ہونے سے پیشتر ہی مرعوب اور منتشر کر دینا مناسب سمجھا۔ اور پیشتر اس کے کہ بنی سلیم لاؤ لشکر لے مدینۃ النبیؐ پر حملہ آور ہوں خود بنی سلیم پر لشکر کشی کی اس مختصر لیکن جان نثار لشکر اسلامیہ کے مقدمۃ الجیش کے افسر جناب امیرؑ تھے جو علم ہاتھ میں لئے ہوئے آگے آگے جا رہے تھے۔ بنی سلیم نے اطاعت کرنے جزیہ دینے یا قبول اسلام سے انکار کر کے لڑائی کی تیاری کی لیکن تاب مقابلہ نہ لا کر فرار ہو گئے اور اپنا بہت سا مال افرا تفری میں چھوڑ گئے۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ آیا بعد فتح لشکر اسلام بخیریت عازم مدینہ منورہ ہوا ؎

جنگ اُحد!

یہ لڑائی حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان ۳ھ میں ہوئی یہ لڑائی احد پہاڑ کے دامن میں ہونے کے باعث جنگ احد کے نام سے مشہور ہے چونکہ جنگ بدر میں بہت سے اکابر و امرائے قریش شمشیر اسلام کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ اور بہت سے مسلمانوں کی قید میں آ گئے۔ اس لئے قریش مکہ نے جذبہ انتقام سے متاثر ہو کر گرد و نواح کے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی رنگ آمیزیوں سے بھڑکانا شروع کیا آخر کار مال کثیر صرف کر کے ادہر ادہر کے قبائل کو جمع کیا اور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش کے حملہ کرنے کی اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے بھی اپنے جان نثاروں کو تیاری کا حکم دیا۔ اگرچہ منافقین نے مسلمانوں کو لڑائی سے بددل کرنے کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا لیکن ان کی مخالفانہ کوششوں کے باوجود قریباً ایک ہزار کی تعداد میں لشکر تیار ہو گیا۔ اور کفار کے استیصال کے لئے روانہ ہوا۔ منافقین کی

در پردہ کوشش بدستور جاری تھیں جن کا اثر اسقدر پڑا کہ قریباً ایک تہائی ڈھلمل لقین اور منافقین جو محض دکھاوے کے طور پر لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ قریش مکہ کے رعب داب سے مرعوب ہو کر علیحدہ ہو گئے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ صرف قریباً سات سو جان نثار طلبگاران شہادت رہ گئے۔ مقدمتہ الجیش کے افسر جناب امیرؑ علم محمدی اڑاتے ہوئے آگے آگے تھے۔ اور پہاڑ کے دامن میں فریقین کا آمنا سامنا ہوا اس جنگ میں خود جناب رسول مقبولؐ نے بھی اسلحے زیب تن فرمایا۔

مقابلہ ہونے سے پیشتر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ پہاڑ کے ایک درے پر مامور کر کے فرمایا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ فتح خواہ شکست ہو لیکن تم نے اپنی جگہ سے نہ ہلنا ہوگا۔ اور درہ پر قبضہ جمائے رکھنا جب لڑائی کا میدان گرم ہوا تو مشرکین نے علمدار اول طلحہ ابن ابی طلحہ نے صفوں سے آگے بڑھ کر کہا کہ اے مسلمانوں تمہارا خیال ہے کہ جو شخص ہماری تلوار سے قتل ہوگا۔ وہ جنت میں جائیگا۔ اور جو شخص تمہاری تلوار سے قتل ہوگا۔ وہ دوزخ میں گرایا جائیگا۔ پس کون تم میں سے میرا مقابلہ کرنا چاہتا ہے ان الفاظ کے سنتے ہی لشکر اسلام کے علمدار جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ سے اجازت پا کر مقابلہ کے لئے نکلے اور طلحہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تک میں اپنی تلوار سے تم کو دوزخ میں نہ پہنچا لونگا تجھ کو نہیں چھوڑوں گا۔ ان الفاظ کے سنتے ہی طلحہ نے وار کیا۔ جس کو آپ نے اپنی فطری چستی و چالاکی سے رد کر دیا اور خود حریف پر وار کیا جس کی تاب نہ لاکر وہ مجروح ہو کر زمین پر گر پڑا آپ نے اس کو مار ڈالنے کا قصد فرمایا۔ تو طلحہ نے کہا اے ابن عم خدا کے لئے رحم کر اور مجھے جان سے نہ مار ڈال چنانچہ آپ نے اس کو چھوڑ دیا لشکر قریش نے جب اپنے علمدار طلحہ ابن ابی طلحہ کو زمین پر گرا دیکھا۔ تو ابو الحکم بن الاخنش سابن عبدالعزی ابو امیہ بن المغیرہ ابوسعید طلحہ ابن ابو طلحہ وغیرہ وغیرہ یکے بعد دیگرے جناب امیر علیہ السلام کے مقابلہ پر نکلے۔ اور قتل ہو گئے۔ یہ حال دیکھ کر مشرکین نے اپنی مجموعی قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا جسکو مسلمانوں نے نہایت

استقلال کیساتھ روکا اور تکبیر کے نعروں سے مشرکین کو اس قدر دہلا دیا۔ کہ وہ بے اوسان ہو گئے گھمسان کی لڑائی ہونے لگی آخر مشرکین نے راہ فرار اختیار کی جب عبداللہ بن جبیر کے ہمراہیوں نے جو درہ پر مامور تھے۔ اپنی فتح کو دیکھا۔ تو مال غنیمت کو لوٹنے کی غرض سے بے تحاشا میدان میں آکودے اگرچہ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے اُن کو بہت سمجھایا۔ مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ صرف سات اور بقول بعض دس آدمی وہاں ٹھہرے رہے جب مشرکین بھاگے جا رہے تھے تو سپہ سالار قریش حضرت خالد بن ولید نے جو بعد میں اسلام لا کر تقویت اسلام کا باعث ہوئے اور سیف اللہ و فاتح ایران و شام کا لقب حاصل کیا درہ کو خالی دیکھ کر پلٹ کر مسلمانوں پر پشت کیطرف سے بے خبری میں نہایت جوش و خروش اور بے نظیر مستعدی کیساتھ حملہ کر دیا جس کو مسلمان نہ سنبھال سکے اور ایسی افراتفری پڑی کہ جدہر منہ آیا چلدیئے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم صرف چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں رہ گئے کسی شریر نے ایک پتھر اٹھا کر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کیطرف پھینکا جس سے آپ کا دندان مبارک شہید ہو گیا۔ اس واقعہ کو کسی شاعر نے کیا اچھے طور پر ادا کیا ہے سہ

لے لی امت کے گناہوں کی احد نے قیمت ۔ دیدیا جنگ احد میں دُرِ دنداں تو نے

ایسی حالت میں جبکہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے۔ اور آپؐ کا دندان مبارک شہید ہو گیا جناب امیر علیہ السلام نے کمال شجاعت و مردانگی سے مخالفین کے ہر حملے کو روکا اور جس نے بھی جناب رسول کریمؐ کی طرف رُخ کیا۔ ایک ہی ضرب سے اس کو داخل فی النار کر دیا۔ اس اثنا میں جناب امیر علیہ السلام کے بدن مبارک پر ستر زخم کاری لگ چکے تھے۔ اور سارا جسم اطہر لہولہان ہو رہا تھا مگر واہ رے شجاعت و استقلال کیا مجال کہ آپ نے ذرہ بھر بھی اپنی تکلیف اور درد کو ظاہر کیا ہو۔ آنحضرت صلعم کے آواز دینے اور جناب علی علیہ السلام کو دیگر چند جان نثاروں کے ساتھ میدان میں مقابلہ کرتے دیکھکر لشکر اسلام پھر سنبھلا اور پلٹ کر کفار پر حملہ کیا۔ اور ان کو میدان سے بھگا دیا اگر جناب امیر علیہ السلام اپنی بے نظیر شجاعت و استقلال کیساتھ ایسی افراتفری کی حالت میں

مقابلہ نہ کرتے اور میدان میں ثابت قدم نہ رہتے تو نہ مسلمانوں کا منتشر اور منہزم شدہ لشکر جمع ہوتا اور نہ اہل اسلام کو فتح نصیب ہوتی اسی اثنا میں جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی ایک تیز رفتار تند ہوا کا جھونکا آیا اور ہاتف غیبی نے بآواز بلند لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار پکارا جس کو ہر ایک نے سنا جس کا پیشتر ازیں آپ کی فضیلت کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے (یہ روایت غلط ہے) مؤلف۔

جنگ احزاب

یہ جنگ جو جنگ خندق کے نام سے بھی مشہور ہے ۵ھ المقدس میں واقع ہوئی عربوں کی کینہ توزی تو ضرب المثل تھی جنگ بدر و احد کی دندان شکن شکستوں کو وہ کب فراموش کر سکتے تھے چنانچہ ابو سفیان جو ایک مشہور فصیح قصہ گو تھا خفیہ خفیہ قریش اور دیگر اپنے زیر اثر قبائل عرب کو مسلمانوں کے استیصال پر ابھارتا رہا اور آخر کار دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینۃ النبیؐ کی طرف روانہ ہوا فوج کا سپہ سالار علینیہ بن حصین تھا جو خود بھی ایک مشہور شہسوار اور من چلا بہادر تھا اور بڑے بڑے نامور تازان عرب جوش انتقام سے بھرے ہوئے اپنے اپنے قبائل کے ہم رکاب تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قریش کی آمد کی اطلاع ملی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک طویل مدت تک مدینۃ النبیؐ کے محاصرہ کی نیت رکھتے ہیں تو وقت کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے اپنے جان نثاروں کو ساتھ لے کر ایک نزدیکی پہاڑی سلع پر قیام فرمایا اور پہاڑی و شہر کے گرداگرد خندق کھودنے کا حکم دیا تاکہ قریش یکایک حملہ آور نہ ہو سکیں اور خندق کے باعث ان کو رک جانا پڑے اگرچہ بے سروسامانی بھوک کا غلبہ دشمنوں کا خوف غرض ہر طرف سے مصائب کا نزول نظر آ رہا تھا لیکن وحق کے پکے اور جان نثار مسلمانوں نے دشمن کی آمد سے پہلے پہلے خندق کو تیار کر لیا۔ اور مقابلے کے لئے مستعد ہو گئے چونکہ مدینہ کے یہودیوں نے تو ایک دوسرے نے مخالف کو امداد نہ دینے کے لئے پہلے ہی سے عہد و پیمان ہو چکے تھے اس لئے آپ نے اپنے تین ۳ ہزار حلقہ بگوش کو ساتھ لے کر

سلع پہاڑی پر ڈیرے ڈال دیئے۔ اتنے میں کفار کا لشکر بھی بڑے جوش وخروش کے ساتھ آگیا۔ ان کو خیال تھا کہ بے خبری میں یکایک مدینۃ النبی میں داخل ہوکر مسلمانوں کو مغلوب کرکے اپنے جی کے ارمان نکالیں گے لیکن خندق کی موجودگی نے ان کی اُمیدوں پر بہت کچھ پانی پھیر دیا۔ اور مجبوراً ان کو وہیں ڈیرے ڈالنے پڑے دس دن تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ لیکن ان کو کوئی صورت ایسی نظر نہ آئی جس پر عمل کرنے سے ان کی حسرتیں پوری ہوسکیں۔ آخرکار بہت سی سوچ بچار کے بعد مدینہ کے یہودیوں کو رشوت کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا۔ اوّل اوّل تو یہودیوں نے اپنے عہد وپیمان کو مدّنظر رکھتے ہوئے رشوت لینے اور ان کے ساتھ ملنے سے انکار کردیا۔ لیکن بعد میں اس خیال سے کہ اگر مشرکین یکایک شہر میں داخل ہوگئے۔ تو مسلمان یقیناً مغلوب ہوجائیں گے۔۔ اور پھر وہ ہمارا کچھ نقصان نہ کرسکیں گے۔ اور ان پر ہمارا مفت کا احسان ہوگا۔ مشرکین کے ساتھ مل گئے۔ اور رات کو چوری چوری ہی شہر کا دروازہ کھول دینے کا عہد وپیمان ہوگیا +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر مسلمان اس خیال سے کہ یہودیوں کے ساتھ عہد وپیمان ہوچکا ہے۔ اس طرف سے دشمن شہر میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اپنے اہل وعیال اور مال واملاک کی طرف سے بالکل بے فکر تھے۔ جب یہودیوں کی نیّت بدلی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کو یہودیوں کی شرارت سے آگاہ کردیا جس سے مسلمانوں کو بہت سا فکر پیدا ہوگیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً کچھ فوج شہر کی حفاظت کے لئے بھیجدی۔ جنہوں نے جاتے ہی یہودیوں کے سربرآوردہ اشخاص کو بطور یرغمال اپنی حراست میں لے لیا۔ اور دروازوں پر خود پہرہ دینے کے لئے کھڑے ہوگئے +

مشرکین کو یہودیوں کے ساتھ مل جانے سے اپنی فتح کا کامل یقین ہوگیا تھا۔ چنانچہ انکا ایک مشہور سپہ سالار اور نامور شہسوار عمرو بن عبد ودعامری اپنے بیٹے اور چند دیتوں کے ساتھ خندق پر آیا۔ اور ایک تنگ گزرگاہ دیکھ کر گھوڑے کو مہمیز کرکے خندق کو پھاند آیا۔ اور اپنی بہادری اور شہسواری کی ڈینگیں مارنے لگا۔ یہ شخص عرب میں اکیلا ہزاروں سواروں کی مسلح فوج کے برابر گنا جاتا تھا۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے

دیکھا کہ عمرو بن عبدود خندق پھاند کر آ گیا ہے۔ اور ہل من مبارز کے نعرے لگا رہا ہے تو آپ فوراً جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن مقابلہ کے خواہاں ہوئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی اور اپنا عمامہ مبارک اتار کر جناب امیر علیہ السلام کے سر اقدس پر رکھ دیا۔ جب جناب امیر علیہ السلام عمرو بن عبدود کے پاس پہنچے تو اس وقت وہ یہ کہہ رہا تھا۔ میں تم کو ہل من مبارز کہتا کہتا تھک گیا۔ جب بہادر نامردی کرتا تھا۔ تو میں دلیروں کی قطار میں کھڑا تھا۔ اور میں ہمیشہ اسی طرح لوگوں کی طرف دوڑتا تھا کیونکہ جوانمرد کیلئے شجاعت ہی سب سے اچھی چیز ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے عمرو بن عبدود کے ان رجزیہ الفاظ کو سنتے ہی فرمایا۔ کہ اے عمرو تجھ پر افسوس ہے۔ یاد رکھ اور سن لے کہ تیری پکار کا جواب دینے کے لئے وہ شخص آ گیا ہے۔ جو صاحب بصیرت ہے اور تجھ کو جواب دینے میں عاجز نہیں ہے۔ حق ہر ایک کو نجات دینے والا ہے۔ اور میں اسی حق کی بدولت امید رکھتا ہوں کہ تجھ پر بوڑھی عورتوں کے بین ایک ایسی ضرب سے برپا کراؤں گا جس سے تو فنا فی النار ہو جائیگا۔ اور قیامت تک تاریخ میں نام رہیگا۔ عمرو بن عبدود کو جناب امیر علیہ السلام کے ان الفاظ کو سنکر سخت حیرت ہوئی۔ کہ کیا عرب میں کوئی دوسرا میرا ثانی پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے اسی حیرت میں حسب و نسب پوچھا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں علی ابن ابی طالب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا ابن عم اور داماد ہوں عمرو نے کہا۔ کہ تمہارا باپ ابوطالب میرا دوست تھا۔ مجھے تمہارے ساتھ جنگ کرنا ناگوار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس قصہ کو چھوڑو۔ یہاں حق و باطل کا مقابلہ ہے۔ تین باتوں میں سے ایک بات کو قبول کر لے۔ عمرو نے کہا۔ کہ وہ کون کون سی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے پہلی اور بہتر بات یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہکر حلقہ بگوشان اسلام کی سلک میں منسلک ہو جاؤ۔ عمرو نے کہا مجھے مسلمان بننے کی ضرورت نہیں پھر آپ نے فرمایا۔ کہ اگر یہ منظور نہیں ہے۔ تو چپ چاپ واپس چلا جا اور اس لشکر کو بھی واپس لے جا۔ عمرو نے اس بات کے ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اور کہا کہ اس بات پر عمل کرنے سے بھی بدنامی ہے۔ جس کا داغ ابدالآباد تک نہیں جائیگا پھر آپ نے فرمایا۔ کہ اچھا اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو مجھ سے مقابلہ کر اور پہلے اپنا

دار کر کے اپنے ارمان نکال لے۔ اس نے کہا۔ کہ میں اپنے دوست کے بیٹے کے ساتھ لڑنا نہیں چاہتا۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ماننی پڑے گی۔ ورنہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ جناب امیر علیہ السلام نے یہ الفاظ کچھ اس جوش کے ساتھ کہے کہ عمرو بن عبدود بھی جوش میں آگیا۔ اور باہم لڑائی ہونے لگی۔ اور پے در پے ایک دوسرے پر وار ہونے لگے۔ عمرو بن عبدود کے دوسرے ہمراہی یعنی اس کا بیٹا حسل اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ وغیرہ سب علیحدہ کھڑے رہے اور نتیجہ کا انتظار کرنے لگے۔ آخر کار جناب امیر علیہ السلام نے اپنی قوت خداداد کے ساتھ عمرو بن عبدود کو مغلوب کر لیا۔ اور اس کی چھاتی پر بیٹھ کر اس کے بدن کو بار سر سے سبکدوش کر دیا۔ اور سر کو اس کے ہمراہیوں کی طرف پھینکدیا۔ یہ حال دیکھتے ہی عمرو کا بیٹا حسل جناب امیر علیہ السلام کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ وار بھی نہ کرنے پایا تھا۔ کہ اس کا سر بھی زمین پر لڑھکتا نظر آیا۔ اس منظر کے دیکھتے ہی عکرمہ بن ابوجہل اور دوسرے ہمراہی سر پر پاؤں رکھ کر بے تحاشا پیچھے کی طرف بھاگے۔

عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی مشرکین کے حوصلے پست ہو گئے۔ خندق کی موجودگی ان کے طول امل کو اور المناک بنا رہی تھی۔ رہی سہی۔ امید جو یہودیوں کی امداد سے بر آنے والی تھی۔ وہ بھی خاک میں مل گئی اور رشوت کا مال کثیر جو ان کو دے چکے تھے۔ مفت میں گیا کہ نقد ان مایہ و دوم شماتت ہمسایہ کے مصداق بن گئے۔ اور سارے دم خم بھول گئے۔ اتنے میں باد و باراں کا طوفان نازل ہوا۔ جس نے اور بھی پریشان کر دیا۔ خیمہ و خرگاہ اونٹ اور گھوڑے لاؤ لشکر سب تباہ ہو گیا۔ اور بچے کھچے آدمی اپنا سامنہ لیکر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ اور دشمنوں سے مطلع صاف ہو گیا۔

جب جناب امیر علیہ السلام عمرو بن عبدود کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ تو جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا۔ کہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ پر نکلا ہے اور جب آپ عمرو بن عبدود اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے مظفر و منصور خدمت نبوی صلعم میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ جناب علی کی ایک ضرب تمام مسلمانوں کی ضربوں سے بڑھ کر ہے۔ اور بعض روایات میں اس طرح آیا ہے۔ کہ جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا۔ کہ جناب علی کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا جن و انس کی عبادت سے افضل و بالا تر ہے

ایک روایت میں یہ ذکر بھی آیا ہے۔ اور بہت سے مؤرخین نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ کہ جب عمرو بن عبدود کے قتل کی خبر اس کی ہمشیرہ کو ملی۔ تو اس نے پوچھا کہ میرے بھائی کو کس نے قتل کیا ہے لوگوں نے کہا کہ علی ابن ابی طالبؑ تو اس کی ہمشیرہ نے کہا کہ اے بنی عامر علی سے زیادہ اور کوئی شخص قابل فخر نہیں ہے۔ اور اگر میرے بھائی کا قاتل علی کے سوا کوئی اور ہوتا۔ تو میں ہمیشہ اپنے بھائی پر رویا کرتی لیکن اس کا قاتل ایسا ہے جس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اور ہمیشہ سے سردار کر کے پکارا جاتا ہے۔ میرا بھائی ایک بہادر اور بے عیب سردار کے ہاتھوں مارا گیا۔

صلح حدیبیہ

سنہ ۶ ہجری المقدس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغرض حج و عمرہ مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ تمام جان نثار مسلمان ساتھ تھے۔ جب آپ مکہ معظمہ کے نزدیک مقام حدیبیہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ غلط فہمی کا شکار ہو کر مسلمانوں سے جنگ کا سامان کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے۔ اس خبر کے معلوم ہوتے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند مسلمانوں کو قریش مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ کہ ہم محض بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کیلئے آئے ہیں۔ لڑائی کی غرض سے نہیں آئے۔ ہماری راہ میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے طواف کے بعد ہم چپ چاپ بغیر کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کے مکہ معظمہ سے نکل جائیں گے۔ جب اکابرین قریش کو مسلمانوں کی آمد کی وجہ معلوم ہوئی۔ تو وہ اور بھی خوش ہوئے اور کہنے لگے۔ کہ اس سے بہتر موقع مسلمانوں کو مغلوب کرنے کا اور کوئی نہیں مل سکے گا۔ چونکہ وہ لڑائی کی غرض سے نہیں آئے۔ اس لئے عموماً بے ہتھیار آئے ہونگے اس حالت میں ان کا مغلوب کر لینا آسان ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے سفرا کو تو قید کر لیا۔ اور لڑائی کا پیغام بھیجدیا۔ آپ نے بکرر چند آدمیوں کو آپ کی ماتحتی میں اکابرین قریش کی طرف بھیجا۔ کہ ان کو اپنی آمد کی غرض و غایت سے اچھی طرح آگاہ کر دیں۔ لیکن

مشرکین نے ان کو بھی قید کرلیا۔ اور لڑائی کا سامان کر کے کہ معظمہ سے باہر نکلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اطلاع مل گئی اور یہ افواہ بھی مشہور ہو گئی کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید بھی کر دیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے بھی لڑائی کا سامان کیا۔ اور اپنے جان نثاروں سے لڑائی کی بیعت لینے لگے۔ چونکہ حضرت عثمانؓ جو اکابر صحابہ میں سے تھے موجود نہیں تھے آپ نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ تصور کر کے ان کی طرف سے بھی بیعت لے لی۔ اور قریش کے پیغام جنگ کو منظور کر کے ان کو پھر کہلا بھیجا۔ کہ بہتر یہی ہے کہ ہمیں طواف کعبہ سے نہ روکا جائے۔ اور جس غرض سے ہم آئے ہیں ہم وہ کام کر کے چپ چاپ واپس چلے جائیں گے۔ اور ہمارے قیدیوں کو رہا کر دو۔ ورنہ ہم بھی جنگ کے لئے تیار ہیں۔ اور تمہارے پیغام جنگ کو منظور کرتے ہیں۔

جب قریش کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ملا۔ تو وہ فکر میں پڑ گئے۔ کیونکہ ان کا خیال تو یہ تھا۔ کہ مسلمان نہیں لڑیں گے۔ اور ہم آسانی کے ساتھ ان کو مغلوب کرلیں گے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دگرگوں ہو گیا۔ بدر۔ احد اور خندق کے واقعات یاد آ گئے۔ چنانچہ انہوں نے قیدیوں کو فوراً رہا کر دیا۔ اور صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی۔ چونکہ اسلام صلح کو رد نہیں کرتا۔ اسلئے آنحضرت صلعم نے ان کے پیغام صلح کو منظور کرلیا۔ اور چند مغلوبانہ شرائط پر صلح ہو گئی۔ قریش کیطرف سے سہیل بن عمر رکن معاہدہ قرار پایا۔ اور جناب امیر علیہ السلام کاتب صلحنامہ مقرر ہوئے۔

جب عہد نامہ لکھا جانے لگا۔ تو جناب امیر علیہ السلام نے سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا۔ لیکن قریش نے کہا۔ کہ ہم نہیں جانتے رحمان اور رحیم کون ہے۔ اس کی بجائے باسمک اللھم لکھا جائے۔ جناب امیر علیہ السلام بسم اللہ کو محو کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ کو کاٹ دیا۔ اس کے بعد جب یہ الفاظ لکھے گئے۔ کہ یہ عہد نامہ ہے۔ قریش مکہ اور جناب رسالتمآب صلعم کے درمیان تو قریش نے پھر اعتراض کیا۔ کہ ہم آپ کو رسول خدا تسلیم نہیں کرتے۔ رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ کا لفظ لکھا جائے جناب امیر علیہ السلام رسول اللہ کے لفظ کو قلمزن کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یا علی تو رسول اللہ کا

لفظ محو کردو۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرا جی تو نہیں چاہتا۔ اور نہ میں رسول اللہ کے محبوب لفظ کو قلمزن کرونگا۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول اللہ کے لفظ کو محو کر دیا۔ اور اس کی جگہ صرف محمد بن عبد اللہ لکھوایا۔ اور فرمایا۔ کہ یا علی تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئیگا۔ تمہارے مخالف بعض الفاظ کو عہدنامہ سے محو کرانا چاہینگے۔ اور تمہارے جان نثار ان الفاظ کو قلم زن نہ کرینگے لیکن جسطرح آج میں نے رسول اللہ کے لفظ کو خود قلمزن کیا ہے۔ اسی طرح ان الفاظ کو تم خود قلمزن کروگے۔ چنانچہ یہ مذکور امیر معاویہ کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام کے صلح کرنے کے بیان میں آئیگا۔

فتح خیبر

یہ جنگ ۷ھ ہجری المقدس میں حب کہ جناب امیر علیہ السلام کی عمر مبارک اکتیس سال کی تھی۔ بمقام خیبر جو مدینہ منورہ کے شمال کی طرف واقع ہے۔ یہودیوں کے ساتھ ہوئی۔ اس لڑائی کی وجہ یہودیوں کی اسلام اور مسلمانوں کے برخلاف وہ درپردہ سازشیں اور کوششیں تھیں۔ جو وہ نت نئے دن کرتے رہتے تھے۔ اور اسلام کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکاتے تھے۔ خیبر جنگی نقطہ نگاہ سے ایک مضبوط اور اور ناقابل تسخیر مقام تھا۔ بڑے قلعہ کے اردگرد سات اور مضبوط و مستحکم قلعے بنے ہوئے تھے۔ جو قلعہ فتح کرنے والے غنیم کی راہ میں حارج ہوتے تھے۔ جب مسلمانوں نے خیبر پر حملہ کیا۔ تو اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے اردگرد کے سارے قلعے ایک ایک کر کے فتح کر لئے۔ اب صرف ایک بڑا قلعہ القموص نامی رہ گیا۔ جہاں یہودیوں کی تمام قوت مجتمع تھی مسلمانوں نے بہت زور لگایا لیکن القموص فتح نہ ہوسکا۔ نامور صحابہ کرام علم لے کر آتے حملہ کرتے۔ بہادری کے جوہر دکھاتے۔ لیکن آخر کار نقصان کثیر کے ساتھ شام کو پسپا ہو جانے پر مجبور ہو جاتے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فاتح خیبر کہلانے کے لئے جناب امیر علیہ السلام کو مخصوص کیا ہوا تھا۔

اثنائے محاصرہ میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہم علم ایک ایسے شخص کو دینگے۔ جو اس وقت تک واپس نہیں آئیگا۔ جب تک

کہ وہ قلعہ کو فتح نہ کر لے سب صحابہ کرام منتظر تھے۔ اور کہتے تھے۔ دیکھیں وہ کون خوش نصیب ہے جس کو جناب رسول مقبولؐ علم عطا کرنے والے ہیں۔ اور کون افضل و اکمل بزرگ ہے۔ جو فاتح خیبر کہلانے والا ہے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ خدمت میرے ہی سپرد ہو۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی۔ اور سارے جان نثار شوق شہادت میں سرشار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن جناب امیر علیہ السلام بوجہ آنکھیں بیمار ہونے کے حاضر نہ ہوئے۔ آپ نے اپنے ارد گرد ایک متجسسانہ نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ علیؑ ابن ابی طالب کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھیں بیمار ہیں۔ آپ نے فوراً ایک آدمی کے ہاتھ آپ کو بلا بھیجا جب آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو آپ نے اپنا لعاب دہن جناب امیر علیہ السلام کی آنکھوں پر لگایا۔ قدرت الٰہی سے آنکھیں فوراً تندرست ہوگئیں اور بعد ازیں بہ برکت لعاب دہن جناب سرور کائنات پھر تا زندگی آپ کو آنکھوں کا عارضہ نہیں ہوا۔

لعاب دہن لگانے کے بعد آپ نے علم جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں دیا۔ اور فرمایا کہ جاؤ قلعہ پر حملہ کرو۔ انشاء اللہ خداوند کریم تمہیں فتح و نصرت عطا فرمائے گا۔

جب آپ علم لیکر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تو یہودیوں کا سردار مرحب جو اپنے بادشاہ وقت کا وزیر تھا۔ میدان میں ہل من مبارز کے نعرے لگا رہا تھا۔ اور کہ رہا تھا کہ تمام خیبر کو معلوم ہے کہ میں لڑائی میں دلیر اور تجربہ کار ہوں۔ میرے اسلحہ بڑے بھاری اور کاٹ کرنے والے ہیں اور میں مرحب ہوں۔ جو بہادر لوگ میدان میں دلیری دکھاتے ہیں وہ میرے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور میری تندی و چالاکی اور آزمودہ کاری سے خوف کھا کر مجھ سے مقابلہ نہیں کرتے۔ میدان سے بھاگ جاتے ہیں۔ میں ہر ایک پر غالب ہوں۔ میرے سامنے میرا حریف خون میں تربتر نظر آتا ہے۔ اور میں کبھی نیزے کا وار کرتا ہوں۔ اور کبھی تلوار کے جوہر دکھاتا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض اسی قسم کی اور بے شمار ڈینگیں مار رہا تھا۔ اور جو منہ میں آتا تھا۔ بکتا جاتا تھا۔ اپنی شہ زوری تجربہ کاری اور بادشاہ کا حاجب ہونے کا اس کو بے حد غرور تھا۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے اس کی یہ بے جا تعلیاں اور شیخیاں سنیں۔ تو فوراً فرمایا۔ کہ میں وہ ہوں جس کا نام میری والدہ نے حیدرؑ یعنی شیر رکھا ہے۔ اور میں تم پر ایک ضرب لگاؤنگا

کہ تو اس کی تاب نہ لا کر فی النار والسقر ہو جائیگا۔ اور تیرے بدن کا بند بند جدا ہو جائیگا میں بہادری کے میدان کا شیر ہوں اور جسطرح شیر سے تمام جنگل کے جانور کانپتے اور ڈرتے ہیں۔ اسی طرح کافر لوگ بھی میری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ ایک بزرگ قوم کے زور میں بھرے ہوئے نوجوان کی تلوار ہے۔

ان الفاظ کے سنتے ہی مرحب گھوڑا بڑھا کر آپ کے نزدیک آیا۔ اور نہایت چستی و تندرستی کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام پر وار کیا۔ آپ نے اپنی فطری قوت اور متحیر العقول چالاکی کے ساتھ حریف کے وار کو رد کر دیا۔ اور ایک ایسا تلا ہوا ہاتھ رسید کیا۔ کہ مرحب کا سر کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ جونہی کہ مرحب کا سر زمین پر لڑھکتا نظر آیا۔ لشکر اسلام نے پورے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہودی بھی قلعہ میں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ مرحب کے قتل ہوتے ہی اوسان خطا ہو گئے۔ اور نہایت پھرتی کے ساتھ قلعہ کا دروازہ بند کر کے مضبوط کر دیا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ قلعہ ناقابل تسخیر ہے مسلمان خود بخود محاصرے کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ جناب امیر علیہ السلام نے مرحب کو قتل کرنے کے ساتھ ہی مسلمانوں کو دفعتہً حملے کا اشارہ کر دیا۔ اور خود بھی مسلمانوں سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور اپنے نیزے کو زمین میں گاڑ دیا۔ اور اپنی خداداد قوت و مردانگی کے ساتھ دروازے کو توڑ ڈالا۔ اور اسی تختے کو اٹھا کر بطور سپر استعمال کیا اتنے میں مسلمان بھی پہنچ گئے۔ اور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ اور بزور شمشیر قلعہ کو فتح کر لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ اس دروازے کو جس کو توڑ کر آپ نے حالت جوش میں سپر بنا لیا تھا۔ بعد از جنگ چالیس آدمیوں کے زور سے ہل نہ سکا جب یہ خبر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سمع مبارک تک پہنچی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس خداوند قدوس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں تمام کائنات کی ڈور ہے چالیس فرشتے اس وقت جناب امیر علیہ السلام کی مدد کر رہے تھے۔ غرض آپ بفضل خدا قلعہ کو فتح کر کے واپس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

دوران جنگ خیبر میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آفتاب کو بعد غروب ہونے کے پھر واپس کیا۔ اور جناب امیر علیہ السلام نے اپنی عصر کی نماز کو جو فوت ہو گئی

تھی۔ اور جس کا ذکر آپ کے فضائل کی بحث میں آچکا ہے مقررہ وقت پر ادا کی ؛

اخراج اصنام از بیت الحرام

جب مکہ معظمہ ۸ھ ہجری القدس میں فتح ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظفر ومنصور مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے آپ نے بیت الحرام کا رخ کیا اور اپنے تمام جان نثاروں کے ساتھ اللہ تعالٰے کا شکر ادا کرتے ہوئے طواف کعبہ مکرم کیا۔ اس کے بعد آپ نے ان تمام اصنام کو جو مکہ معظمہ میں رکھے ہوئے تھے توڑ کر باہر نکال دیا اور قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔ فرماکر جس بت کی طرف چھڑی سے اشارہ کرتے۔ وہ اوندھے منہ زمین پر گرتا۔ اور چور چور ہو جاتا۔ اس کے بعد ان تمام تصاویر کو جو دیواروں پر بنی ہوئی تھی محو کرایا اور جن تصاویر تک ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا ان تصاویر کو جناب امیر علیہ السّلام نے حضور سرور کائنات صلعم کے دوش اقدس پر سوار ہو کر محو کر دیا

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کی تیاریاں کر رہے تھے تو عمرو بن صیفی بن ہشام کی لونڈی مکہ سے آکر خدمت نبوی میں حاضر ہوئی آنحضرت صلعم نے اس سے پوچھا کہ تو مسلمان بن کر آئی ہے یا کسطرح لونڈی نے کہا کہ میں مسلمان بنکر تو نہیں آئی البتہ اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں کہ آپ میرے اہل اور میرا کنبہ ہیں میں غریب اور محتاج ہوں مجھے کچھ دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس کی امداد کرنے کا حکم دیا اس کے جانے کے بعد حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور فرمایا اور حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خط اہل مکہ کی طرف لکھ کر اس عورت کے حوالے کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ عنقریب حضرت محمدؐ تم پر فوج کشی کرنے والے ہیں تم اپنا بچاؤ کر لو اس خبر کے سنتے ہی آپ نے جناب امیر علیہ السّلام اور مقداد اور زبیر کو اس خط کے گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ تینوں حضرات اس عورت کے عقب میں چلے اور اس مقام پر جہاں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا اس عورت کو گرفتار کر لیا اور حاطب کا خط طلب کیا۔ لیکن عورت

نے کسی قسم کے خط سے اپنی قطعی لاعلمی بیان کی اگرچہ اس کی تلاشی لی گئی۔ لیکن خط برآمد نہ ہوا۔ اور اس کو چھوڑ کر چلنے لگنے۔ تو جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں فرمایا۔ بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ خط نکال کر دیدے ورنہ تجھے قتل کر دیا جائے گا جب عورت نے آپ کی ضد کو دیکھا تو قتل سے ڈر کر اپنے بالوں میں سے خط نکال کر حوالے کر دیا جس کو لے کر آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اس خط میں وہی لکھا تھا جو کچھ جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اگر آپ بہ ضد نہ ہوتے۔ تو خط کبھی دستیاب نہ ہوتا ۔

اس کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حنین کا رخ کیا کیونکہ وہاں کفار کا اجتماع ہو رہا تھا۔ تاکہ مسلمانوں سے تذلیل اصنام کا انتقام لیا جائے ابھی مسلمان کفار سے دوبدو نہ ہونے پائے تھے کہ پہاڑ کی گھاٹیوں میں نکل نکل کر کفار نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر کے حواس باختہ کر دیا چونکہ رات کا اندھیرا پہاڑ کا منظر۔ دشوار گزار اور تنگ راستہ تھا۔ افواج اسلامیہ منتشر ہو کر گزر رہی تھیں۔ اس لئے مسلمان گھبرا گئے۔ اور فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔ اور سب سے پہلے ان نو مسلموں نے راہ فرار اختیار کی جو فتح مکہ میں اسلام لائے تھے ایسے نازک وقت میں سوائے جناب امیر علیہ السلام اور دیگر چند ایک مقتدر صحابہ کرام کے باقی سب فرار ہو گئے جناب امیر علیہ السلام اور دیگر گنتی کے مستقل مزاج صحابہ کرام نے کمال شجاعت و بسالت سے کفار کا مقابلہ کیا۔ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچنے دی اور بڑی مشکل سے منتشر شدہ مسلمانوں کو پھر جمع کیا اور حنین کے مقام پر کفار کو شکست فاش دیکر تعاقب کرتے ہوئے طائف تک پہنچے۔ جہاں مشرکین پناہ گزین ہو رہے تھے کچھ مدت تک طائف کا محاصرہ جاری رہا۔ لیکن بعد از صلاح و مشورہ محاصرہ چھوڑ کر واپس عازم مدینہ منورہ ہوئے ۔

غزوہ تبوک

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہنشاہ روم کی مدینہ پر حملہ آور ہونے کی

انوا ہیں سن سن کر جن کا مفصل و مشرح بیان اپنی کتاب سیف اللہ میں کر چکے ہیں ۹ سنہ ہجری میں معہ لشکر کے شام کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے جناب امیر علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ لیکن لشکر اسلامیہ کی روانگی کے بعد منافقین لوگ طعنے دینے لگے۔ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر مہاجر و انصار کو تو اس سخت گرمی کے موسم و دور دراز کے سفر صدیوں کی پشتینی طاقت ور اور باقاعدہ سلطنت سے مقابلہ کرنے کے لئے ساتھ لے گئے ہیں۔ لیکن اپنے عزیز یعنی مہاجر جناب امیر علیہ السلام کو اس لئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں مبادا ان کو کوئی چشم زخم پہنچے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل قرین الضاف نہیں ہے چونکہ رسول اللہ کو اپنی شکست کا زیادہ یقین ہے اس لئے وہ ڈر گئے ہیں اور کہ اس جنگ میں مسلمان یقیناً تباہ ہو جائنگے غرض اس قسم کی اور بے بیشمار مزخرافات بکنے لگے اور جناب امیر علیہ السلام کو کہنے لگے۔ کہ اب تم چوڑیاں پہن کر بیٹھ جاؤ۔ شیر بیشہ شجاعت سر دفتر ولایت جناب امیر علیہ السلام کو یہ طعنے بہت ناگوار گزرے اور فوراً ہتھیار پہن کر لشکر اسلامیہ کے عقب میں نہایت تیز رفتاری سے روانہ ہوئے دن اور رات برابر سفر کرتے ہوئے راہ میں ہی لشکر اسلام کو جا لیے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر جملہ حالات سے مطلع کیا اور عرض کیا کہ میں ضرور آپ کے ہمراہ جاؤں گا۔ میری غیرت تقاضہ نہیں کرتی کہ میں آپ کے بعد مدینہ میں رہ کر اغیار و منافقین کی طعنے سنوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ یعنی تو مجھ سے ایسا ہے جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اغیار کی باتوں کی مطلق پرواہ نہ کرو اور واپس مدینہ منورہ میں جا کر فرائض خلافت کو ادا کرو غرض جناب امیر علیہ السلام واپس مدینہ منورہ میں پہنچ گئے۔

اس حدیث شریف یعنی "انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ" کو متعدد راویوں نے روایت کیا ہے اور اس کے درست اور صحیح ہونے میں کسی کو ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگرچہ اس حدیث کو راویوں نے مختلف طور پر بیان کیا ہے

اور اس کے وارد ہونے کی زیادہ تر وجہ منافقین کی طعنہ زنیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ جو کہتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ابن عم کو تو چھوڑ دیا ہے۔ اور باقی مہاجر و انصار کو ساتھ لے کر گئے ہیں تذکرۃً اس حدیث کے چند ایک ورق ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور بخوف طوالت ہم روایات کی عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔

(۱) جناب امیر علیہ السلام سے روایت ہے کہ یا علی کرم اللہ وجہہ ہم نے تجھکو اس لئے اپنے پیچھے چھوڑا ہے کہ تو ہمارا خلیفہ ہو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم (فداہ روحی) کیا میں آپ کے پیچھے رہوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں ہے کہ تیرا مرتبہ ایسا ہو جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسٰی علیہ السلام سے تھا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے (المتقی فی کنز العمال)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلعم جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر عازم تبوک ہوئے تو منافقین لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے آنحضرتؐ جناب علی سے ناراض ہیں اس لئے ان کو چھوڑ گئے ہیں جناب امیر علیہ السلام نے ساری باتیں سرور عالم صلعم کے حضور میں بیان کیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو راضی نہیں ہے کہ تیرا مرتبہ مجھ سے ایسا ہو جیسے کہ حضرت ہارون کا حضرت موسٰی علیہ السلام کا تھا۔

(ابو نعیم فی حلیۃ الاولیا)

(۳) زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک کی طرف تشریف لے جانے لگے تو جناب امیر علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ تم ہمارے پیچھے مدینہ میں رہو چنانچہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے بعض لوگ کہنے لگے۔ کہ آنحضرت کو جناب علی سے کوئی بات بری معلوم ہوئی ہے تب ہی ان کو ساتھ نہیں لے گئے یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام لشکر اسلام کے عقب میں چلے اور راہ ہی میں جا ملے۔ سارا ماجرا خدمت نبوی میں بیان کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنس کر فرمایا کہ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے کہ حضرت ہارون حضرت موسٰی علیہ السلام سے تھے لیکن تو نبی نہیں ہے چنانچہ جناب

امیر علیہ السلام واپس چلے آئے (الطیفات الکبیر ا ؎

۴۔ سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف چلنے لگے۔ تو آپ نے جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ منورہ میں ہی رہنے کا حکم دیا۔ آپ نے عرض کہ یا رسول اللہ آپ مجھے عورتوں اور لڑکیوں میں چھوڑے جاتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو راضی نہیں ہے۔ کہ تیرا مرتبہ مجھ سے ایسا ہے۔ جیسے کہ حضرت ہارون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا۔ لیکن میرے بعد نبی نہیں ہے۔ الصحیح البخاری ؎

علاوہ غزوہ تبوک کے عقد مواخات حضرت حسن علیہ السلام کی پیدائش اور کئی ایک دیگر مواقعات پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے جسکا ذکر تمام مستند اور معتبر کتب میں پایا جاتا ہے اور جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہوئے صرف چند ایک ائمہ حدیث کے نام لکھ دیتے ہیں جنہوں نے اس حدیث شریف کی تخریج کی ہے ابن اسحاق محمد بن کاتب الواقدی۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد بن حنبل۔ ابن ماجہ ابن حبان۔ سلیم امام نسائی طرانی ابو نعیم حاکم۔ ابو اللیث۔ الدیلمی۔ ابن عساکر۔ ابن الغازی ابن قیم ابن طلحہ۔ بزاز حافظ عبداللہ بن احمد۔ ابن ابن اثیر ابن حجر عسقلانی۔ المتقی جلال الدین سیوطی وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ علیہم ؎

جنگ وادی الرمل

اسی ۹ سنہ ہجری میں جنگ وادی الرمل پیش آیا سب سے اول جناب رسالتمآب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخالفین کے مقابلے پر بھیجا۔ لیکن چونکہ علاقہ دشوار گزار تھا۔ وادی پتھریلی اور گھنے جنگلوں سے پر تھی جس میں بے شمار کمین گاہیں تھیں جن میں دشمن چھپے بیٹھے تھے جب لشکر اسلامیہ اس تنگ وادی میں سے گذر رہا تھا تو غنیم نے اچانک حملہ کر کے مسلمانوں کو منتشر ہونے پر مجبور کر دیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سپاہ دیکر بھیجا لیکن ان کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اور مسلمان لپا ہونے

پر مجبور ہو گئے پھر آں حضرت نے عمرو بن العاص کو بھیجا۔ لیکن اب کی بار بھی نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا آخر آپ نے جناب امیر علیہ السلام کو مامور فرمایا۔ آپ اپنی سپاہ کو کبھی اور خفیہ راہ سے راتوں رات ایسی خاموشی کے ساتھ لے کر گزرے کہ غنیم کو لشکر اسلامیہ کی آمد کا اس وقت تک علم نہ ہو سکا۔ جب تک تکبیر کے دل ہلا دینے والے نعروں کے ساتھ دشمن پر اچانک حملہ نہ کر دیا گیا۔ غنیم تو صرف کمین گاہوں کے باعث نازاں تھا۔ میدان میں آنے کی جرأت ان کو کیونکر ہو سکتی تھی آخر کار شمشیر اسلام کی تاب نہ لا سکا راہ فرار اختیار کی بیشمار قید اور قتل ہوئے اور مسلمان شاد کام مظفر و منصور واپس لوٹے۔ صاحب کشف الغمہ کہتے ہیں کہ سورۂ والعدیات اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

جب آنحضرت صلعم نے اسلام لشکر کی بخیریت مظفر و منصور واپسی کی خبر سنی تو اپنے صحابہ کرام کے ساتھ استقبال کے لئے روانہ ہوئے جب جناب امیر علیہ السلام نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ تو از راہ ادب سارا لشکر امیر علیہ السلام کی متابعت میں سواری چھوڑ کر پیادہ ہو گیا۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یا علی رضی اللہ عنہ آپ بدستور سوار رہیں۔ یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جاری ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یا علی کرم اللہ وجہہ اگر مجھے اس امر کا خوف نہ ہو کہ میری امت کے لوگ تجھ کو ایسا کہنے لگیں گے جیسے کہ عیسائی مسیح کو کہتے ہیں تو میں تمہارے حق میں آج ایسے الفاظ استعمال کرتا جو آج سے پیشتر کسی کے حق میں استعمال نہیں کئے گئے۔

سورۂ برأت کی تبلیغ

آخر سنہ ۹ ہجری المقدس میں سورۂ برأت کی ابتدائی چالیس آیات نازل ہوئیں حج کا وقت قریب آرہا تھا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سورہ برأت کی چالیس ابتدائی آیات دیکر فرمایا کہ جاؤ اور حج کے بعد لوگوں کو سُنا دینا۔ چنانچہ ارشاد پاتے ہی حضرت صدیق اکبر رض صحابہ کرام کی خاصی جمعیت کیساتھ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اس حدیث کے بعد حضرت جبرائیل امین تشریف لائے اور فرمایا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم (فداہ روحی) حق سبحانہٗ تعالیٰ بعد تحفہ درود سلام فرماتے ہیں کہ اس سورہ شریف کو یا تم لے جاؤ اور یا وہ آدمی لے جائے جو تمہارا ہو۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس فرمان کے ملتے ہی امیر علیہ السّلام کو طلب فرما کر ارشاد ربانی سے مطلع کیا اور فرمایا کہ صدیق اکبر رض کے عقب میں روانہ ہو جاؤ اور ان سے سورہ برآت لے کر معہ ان ہدایات کے لوگوں کو سُنا دو:۔

۱) کوئی شخص جنّت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ وہ ایمان نہ رکھتا ہوگا ؛

۲۔ کوئی شخص برہنہ[1] ہو کر طواف نہ کرے (۳) اس سال کے بعد مشرکین اور کفار کا داخلہ بیت الحرام میں بند کیا گیا ہے۔ آئندہ کوئی مشرک یا کافر طواف نہ کرنے پائے چنانچہ جناب امیرؑ اس ارشاد کے سنتے ہی تیز رفتاری کیساتھ صدیق اکبر رض کے عقب میں چلے اور راہ میں ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جا ملے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ امامت کے لئے آگے بڑھے کہ اتنے میں ناقہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچی ہم نے فرط اشتیاق سے بدیں خیال کہ شاید جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خود تشریف لائے ہیں نماز میں توقف کیا کہ آپ کی معیت میں نماز ادا کریں گے اتنے میں ناگاہ جناب علی کرم اللہ وجہہٗ ناقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سوار نظر آئے ان کے پہنچنے پر جناب ابوبکر رض نے عرض کیا کہ یا علی کرم اللہ وجہہٗ آمر ہو کر تشریف لائے ہو یا مامور جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آمر ہو کر تو نہیں آیا۔ لیکن سورہ برأت آپ مجھے واپس کر دیں کیونکہ سورہ برأت کی تبلیغ کے لئے جناب رسول اللہ صلّی علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھے بھیجا ہے چنانچہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سورہ برأت جناب امیر علیہ السّلام کو

---

[1] ایام جاہلیت میں بعض مشرک مادہ زاد برہنہ ہو کر طواف خانہ کعبہ کیا کرتے تھے ؛

واپس کردی جب ہم مکہ میں پہنچے تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھنے کے بعد مناسک حج لوگوں کو تعلیم کیئے اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام کھڑے ہوئے اور سورہ برأت معہ ان ہدایات کے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی تھیں لوگوں کو سنائی۔ اثنائے حج میں جہاں کہیں ٹھہرتے صدیق اکبرؓ کے خطبے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کھڑے ہو کر اپنے اس فرض کو انجام دیتے جس کے لیئے مامور ہو کر آئے تھے ؂

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ حج سے فراغت پاکر واپس مدینہ منورہ میں پہنچے تو خدمت نبوی میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا وجہ تھی کہ آپ نے سورۂ برأت مجھ سے لے کر جناب علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کی کیا مجھ سے کوئی مکروہ امر خدانخواستہ آپ کو پہنچا ہے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ کہ اس سورہ کو تم لے جاؤ یا وہ آدمی لے جائے جو تمہارا ہو تم سے مجھے کوئی مکروہ امر نہیں پہنچا تو میرا رفیق اور صدیق ہے اور قیامت کے دن میرے ساتھ حوض کوثر پر تم بھی ہو گے ؂

۱۰ سنہ ھ

اس سال میں نجران کے عیسائیوں کیساتھ مباہلہ کی صورت پیش آئی اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغرض مباہلہ حسنین علیہم السلام جناب علی اور حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کو لیکر نکلے۔ لیکن عیسائی ڈر گئے اور مباہلہ سے انکار کر دیا جس کا مفصل ذکر ہو چکا ہے ؂

اسی سال میں آنحضرت صلعم نے جناب امیر علیہ السلام کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا جناب امیر علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ناتجربہ کار ہوں لوگوں میں اکثر جھگڑے وغیرہ ہوں گے میں کسطرح ان کا فیصلہ کر سکوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپکے حق میں دعائے خیر کر کے آپ کے سینے پر ہاتھ

پھیرا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینے کو کھول دیگا جیسے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ؂
آپ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ یمن کی طرف تشریف لے گئے مخالفین نے لشکر اسلام
کو دیکھ کر لڑائی کی تیاری کی جناب امیر علیہ السلام نے قبل از آغاز جنگ غنیم کو دعوت
اسلام دی اور خداوند کریم کے فضل سے تمام لوگ مشرف باسلام ہو گئے اور آپ
نے اپنے لشکر کو مختلف دستوں کی صورت میں تبلیغ اسلام اور امن وامان قائم کرنے
کی غرض سے تمام یمن میں منتشر کر دیا صرف ایک جگہ پر کچھ مقابلہ پیش آیا لیکن معمولی سی
جھڑپ کے بعد دشمن نے راہ فرار اختیار کی اور بہت سے قید و قتل ہوئے اور بقیتہ
السیف مشرف باسلام ہو گئے

جب سارا یمن مشرف باسلام ہو گیا تو آپ نے ترویج شریعت محمدیہ اور انتظام
ملک کی طرف توجہ کی اور چند دنوں میں سارے ہی ملک میں امن وامان اور
انتظام کی لہر دوڑ گئی اور کامل اطمینان کے بعد آپ مظفر ومنصور وشادکام واپس
مدینہ منورہ ہوئے ؂

اسی سال میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج ادا کیا اور
واپسی میں جب آں حضرت خم غدیر کے مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ من کنت مولا
فعلی مولاہ یعنی جس کا میں مولا ہوں علی بھی اس کا مولا ہے جناب امیر علیہ السلام
کی شان میں حضور سرور کائنات مفخر موجودات کی زبان فیض ترجمان سے سن کر جناب علی
کرم اللہ وجہہ کو حضرت بن الخطاب نے مبارک دی اور یہ واقعہ اٹھارہ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ
ہجری المقدس کو ہوا ؂

وفات نبی کریم صلعم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ ہجری المقدس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال
فرمایا اثنائے بیماری میں تمام اہل البیت آپ کی تیمارداری میں مصروف ہوئے۔
جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپنے اپنے غسل
تجہیز وتکفین وغیرہ کے متعلق جناب امیر علیہ السلام کو وصیت فرمائی چنانچہ آپ نے ہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل اور کفن دیا اور جہاں آپ نے وفات پائی تھی اسی جگہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ میں آپ کو دفن کیا۔

وبائے ارتداد کا انسداد!

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین عرب نے مدینہ منورہ کو آگھیرا اور اپنی جمعیت کثیر پر نازاں ہو کر مخلص مسلمانوں کو دھمکیاں دینے لگے۔ اور بعض کمی زکوٰۃ و معافی نماز کے طلبگار ہو کر بصورت نامنظوری درخواست مرتدین سے مل جانے کا بے سود دباؤ مسلمانوں پر ڈالنے لگے۔ تو خلیفہ رسول مقبول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جناب امیر علیہ السلام، خالد بن ولید اور دیگر چند ایک مقتدر شجاع صحابہ کرام کو مرتدین اور ڈھلمل یقین مسلمانوں کی سرکوبی پر مامور فرمایا چنانچہ آپ نے اپنی مافوق العادت چستی اور شجاعت سے کفار اشرار کو نواح مدینہ سے بھگا کر اس خطرے کو جو اچانک لاحق ہو گیا تھا دور کر دیا۔ اس کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عساکر اسلامیہ کا خالد بن ولید کو افسر مقرر کر کے اطراف عرب میں بھیج دیا۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت قلیل مدت میں سارے عرب کو مطیع و منقاد کر کے از سر نو حلقہ بگوش اسلام بنا دیا اور جناب امیر علیہ السلام کو واپس بلا لیا جناب امیر علیہ السلام اس وقت سے لیکر اپنی خلافت کے وقت تک اسلامی مجلس شوریٰ کے ایک سرگرم رکن رہے اور اپنی اصابت رائے اور احکام خدا اور سنت رسول کے مطابق خلفائے ثلاثہ کو بہترین رائے دیتے رہے جب کوئی مشکل امر دنیا کا ہو یا دین کا خلفاء کو پیش آتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتے جیسے کہ آپ کے فضائل کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے۔

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یا امیر المومنین آپکے عہد میں اسقدر فسادات ظہور پذیر ہوئے ہیں کہ پہلے خلفاء کے وقت میں ان کا نام و نشان تک نہ تھا اسکی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ ان کے صلاح کار و مشیر ہم تھے جو ہر حال میں بیا رائے صائب دیتے تھی لیکن ہمارے مشیر و صلاحکار تم ہو یہ فسادات محض اچھے صلاح کار نہ ملنے کی باعث ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق ہم پہلے اقتباساً ذکر کر چکے ہیں اس لیے انہی واقعات کو دہرانا نامناسب سمجھکر حضرت عثمان رضؓ کی خلافت اور شہادت کا ذکر کر کے جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا ذکر کریں گے اور پھر اس کے بعد آپ کے واقعات بعد خلافت قلم بند کریں گے کیونکہ خلافت اور واقعات بعد خلافت سے پیشتر خلافت وشہادت حضرت عثمان رضؓ کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کے عہد کے واقعات کی وجوہات بآسانی ناظرین کی سمجھ میں آسکیں ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تو خود خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بنایا اور وفات سے پیشتر ان کی بیعت کی نصیحت فرمادی چنانچہ ان کی وفات کے بعد جب جناب بغیر کسی قسم کے جھگڑے کے حضرت عمر رضی اللہ تعؓ کی بیعت وقوع میں آئی۔ اور تمام مہاجرو انصار اور مفتوحہ ممالک نے بالاتفاق آپ کی بیعت کرلی آپ کے عہد میں اسلام نے بیشمار ترقی حاصل کی اور اسلام ایک مستقل عظیم سلطنت کا مالک بن گیا روم ایران کامل طور پر مفتوح ہو کر سلطنت اسلام میں شامل ہوگئے ۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی حیات مستعار کی امید باقی نہ رہی تو آپ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ میں تم کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں لیکن حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا کہ آپ ہی مجھے مشورہ دیں کہ کیا میں اس بھاری بوجھ کو برداشت کروں یہ جواب سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ حضرت عثمان رضؓ حضرت علی حضرت طلحہ ابن عبدالرحمان حضرت سعد بن وقاص اور حضرت زبیرؓ بن عوام یہ پانچ شخص ایسے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے بہت خوش تھے تم ان پانچوں کو بلاؤ اور آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ان میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لو چنانچہ ان پانچوں حضرات کو بلایا گیا سوائے حضرت طلحہ رضؓ بن عبدالرحمن کے جو کہیں باہر گئے ہوئے تھے باقی چاروں آگئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے ان کے سامنے ایک تقریر کی اور فرمایا کہ میں تم سے کسی ایک کو اپنا جانشین بنانا چاہتا ہوں لہٰذا تم کو واجب ہے۔ کہ آپس کے صلاح و مشورے سے کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کرلو اور پھر فرمایا۔ کہ جو شخص تم میں سے خلیفہ مقرر ہو اس کو لازم ہے کہ انصار کی ہر حال میں دل جوئی کرے کیونکہ ان کے بہت سے احسان ہم پر اور ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہیں علاوہ ازیں ہونے والے خلیفہ کو میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ وہ قرآن حکیم اور سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مطابق عمل کرے غیر مسلم رعایا کے ساتھ خاطر و مدارات کا سلوک کرے اور جو وعدے ان کے ساتھ جناب رسول مقبول یا خلیفہ اول یا میں نے کیے ہیں ان کا احترام کرے اور یہ یاد رہے۔ کہ جو شخص تم میں سے خلیفہ ہو وہ اپنے خاندان کو دوسرے مسلمانوں پر مسلط نہ کرے یا علی کرم اللہ وجہہ اگر آپ خلیفہ ہوں تو آپ کو لازم ہے کہ بنی ہاشم کو زیادہ اقتدار نہ دے دینا تاکہ دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی نہ ہو۔ یا عثمان رضا اگر تم خلیفہ ہو تو بنی امیہ کو فروغ نہ دے دینا تاکہ بنی ہاشم اور دیگر خاندان کو تکلیف نہ پہنچے میں دیکھ رہا ہوں کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں قدیمی عداوت اور رقابت چلی آتی ہے اسی طرح دیگر امیدواروں سے فرمایا کہ تم نے اپنے خاندان بنی زہرہ کو نہ بڑھا دینا بلکہ سب کے حقوق کی یکساں نگہداشت کرنا اور برابر سمجھنا میری نگاہوں میں تم سب کی وقعت برابر ہے میں تم میں سے کسی ایک کو دوسرے سے فضیلت نہیں دیتا تم تین دن کے اندر اندر آپس میں فیصلہ کرکے ایک کو خلیفہ بنالو مگر انتخاب خلیفہ میں تین دن سے زیادہ دیر نہ لگے ۔

ابھی آپ تقریر سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ ہی کسی کو اپنا جانشین مقرر کرجائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت عبیدہ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں خود ہی ان کو خلیفہ مقرر کردیتا کیونکہ دربار رسالت سے امین الامت کا خطاب ان کو حاصل تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلافت کیوں نہیں دیتے آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ کہ چپ رہو۔ یہ صلاح تم نے مجھے خوش کرنے کے لیے دی ہے کیا تو اتنا نہیں جانتا کہ جو شخص (عبداللہ بن عمر) اپنی منکوحہ کو طلاق دینے میں فیصلہ نہیں کرسکتا وہ مسلمانوں کا فیصلہ کرنے کی کہاں تک اہلیت رکھتا ہوگا ۔

تقریر ختم کرنے کے بعد آپ نے حضرت طلحہ انصاری رضؓ کو بلا کر فرمایا۔ کہ جب تک کوئی ایک خلیفہ منتخب نہ ہو جائے۔ تم پچاس انصار کے ساتھ بیت المال کی حفاظت کرو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو خطاب فرما کر حکم دیا کہ میں تم کو ان مشورہ کرنیوالوں پر نگران مقرر کرتا ہوں اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ جبتک کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو جائے۔ تم مسلمانوں کی نماز میں امامت کرو ؎

جب یہ سب انتظامات ہو گئے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر انتخاب خلیفہ کے لئے جلسہ ہوا سارا دن بحث ہوتی رہی سوائے حضرت عبدالرحمن بن عوف کے ہر ایک اپنا اپنا حق فائق جتلا کر خلیفہ بننا چاہتا ہے شام تک بحث کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور سب اٹھ کر اپنے گھروں کو چلدیئے دوسرا دن بھی اسی حیص بیص میں گذر گیا۔ اور کوئی یکسو فیصلہ نہ ہو سکا جب تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی تو عبدالرحمن بن عوف رضؓ نے کہا کہ تین دن مفت قیل وقال میں گذر گئے کوئی فیصلہ ابھی تک نہیں ہو سکا مسند خلافت خالی ہے اور کوئی نہ کوئی بہت جلد خلیفہ بن جانا چاہیئے تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے حقوق و فضائل بیان کر کے دعویدار ہے تو اس حالت میں فیصلہ کیونکر ہو سب نے کہا۔ کہ پھر تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے آخر عبدالرحمان بن عوف نے کہا کہ کیا جو فیصلہ میں کروں گا وہ تم سب کو منظور و قبول ہے اس پر سب نے متفقہ طور پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم کو تمہارا ساختہ پرداختہ بیشک منظور و قبول ہے بشرطیکہ تم اس بات کا حلف اٹھاؤ کہ اپنے متعلقین کی بے جا رعایت نہیں کرو گے چنانچہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے بے جا رعایت نہ کرنے کا حلف اٹھایا ؎

حلف اٹھانے کے بعد ابن عوف رضؓ ایک الگ حجرے میں بیٹھ گئے اور دعویداران خلافت کو الگ الگ جگہ بٹھا دیا اور سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پاس بلا کر پوچھا کہ تمہارا دعویٰ بجا ہے۔ واقعی تم داماد رسول مقبول بنی ہاشم کے سردار اور شیر خدا ہو بے شک درست ہے کہ آپ کی شان میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار احادیث بیان فرمائی ہیں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اگر خدا نخواستہ منصب خلافت تم کو نہ مل سکے۔ تو تم اپنے خیال میں کس کو منصب جلیلہ کا

اہل سمجھتے ہو جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر یہ حق مجھے نہ ملے تو میں حضرت عثمان رض کو باقیوں کی نسبت زیادہ حقدار سمجھتا ہوں انہی کو ملنی چاہیئے۔ اس کے بعد ابن عوف رض نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے بھی یہی سوال کیا تو حضرت عثمان رض نے فرمایا کہ اگر خلافت مجھے نہ ملے۔ تو جناب علی رض کو ملنی چاہیئے پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو طلب کر کے اُن سے بھی یہی پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان کو پھر حضرت سعد رض کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ حضرت عثمان رض کو۔

فرداً فرداً علیحدگی میں ہر ایک سے پوچھنے کے بعد عبدالرحمن بن عوف مجلس میں آ گئے اور فرمایا کہ اس پوشیدہ گفتگو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی رض یا حضرت عثمان رض دونوں میں سے ایک کسی کو خلافت ملنی چاہیئے آج کی رات تم لوگ مجھے مہلت دو کل میں خوب سوچ سمجھ کر ان دونوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا۔ چنانچہ جلسہ برخاست ہو گیا۔ اور ہر ایک اپنے اپنے گھر چلا گیا۔ رات کو عبدالرحمن بن عوف رض نے دیگر سرداران قبائل عرب سے جو خلافت کا فیصلہ سننے کو آ گئے تھے۔ علیحدہ علیحدہ مشورہ کیا اور کہا کہ اب معاملہ صرف دو آدمیوں علی رض اور عثمان رض پر آ گیا ہے ان سرداروں میں ابوسفیان والد امیر معاویہ اور عمرو[1] بن العاص تھے ابوسفیان ابن عوف سے یہ بات سنتے ہی عمرو بن العاص کے پاس گیا اور کہا کہ تھوڑی دیر ہوئی عبدالرحمن بن عوف رض مجھ سے ابھی ملے ہیں میں نے حضرت عثمان رض کے حق میں رائے دی تھی ان کا میلان طبع بھی حضرت عثمان رض کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ عثمان رض نرم دل اور بھولے آدمی ہیں۔ لہٰذا ایسا نہ ہو کہ بات بگڑ جائے۔ اور خلافت علی رض کو مل جائے۔ یہ سنتے ہی عمرو بن العاص نے کہا۔ کہ میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ کہ خلافت علی کو نہ ملنے پائے یہ کہہ کر عمرو بن العاص سیدھے جناب علی رض کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ علی رض آپ میرے پرانے دوست ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ خلافت تم ہی کو ملے عبدالرحمن بن عوف اور دیگر سرداروں کی رائے بھی آپ ہی کی طرف معلوم ہوتی ہے لیکن میں آپکو ایک دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔ اگر آپ اس مشورے پر عمل پیرا ہوں گے۔ تو یقیناً آپ کو کامیابی ہو گی جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ کہو میں تمہارے مشورہ کے

[1] ناظرین کرام! عمرو بن العاص کا نام خاص طور پر یاد رکھیں۔

مطابق عمل کرونگا۔ تب عمرو بن العاص نے کہا کہ کل جب ابن عوف تم سے کہیں گے۔ کہ اقرار کرو عہد باندھ کر میں حکم خدا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت ہر دو خلفاء کے مطابق عمل کرونگا۔ تو جھٹ پٹ فوراً اقرار نہ کر لینا۔ ورنہ حاضرین پر بُرا اثر پڑے گا۔ اور وہ کہیں گے۔ کہ تم خود خلافت کے طلبگار ہو۔ بلکہ یوں کہنا۔ کہ میں ان شرطوں کو پورا کرنے کا عہد نہیں باندھ سکتا۔ انسان سے غلطی کا ہو جانا ممکن ہے البتہ میں یہ اقرار کرتا ہوں۔ کہ اپنی بساط اور ہمت کے موافق ان سب شرطوں کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ تمہارے ان الفاظ سے حاضرین پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اور ابن عوف بھی تمہاری راست بیانی سے خوش ہو کر تمہیں کو خلافت دے دیں گے ؛

عمرو بن العاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ پٹی پڑھا کر اب حضرت عثمان رض کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اکابرین مہاجر و انصار کی رائے آپ کی طرف ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ خلیفہ آپ ہی ہوں لہذا میں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ کل خلافت دیتے وقت اگر آپ سے کوئی شرط بیان کی جائے۔ تو بلا تامل شرط کو مان لینا اور کسی قسم کا پس و پیش نہ کرنا۔ ورنہ خلافت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ حضرت عثمان رض نے فرمایا کہ اچھا میں ایسا ہی کروں گا ؛

اب عمرو بن العاص حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس گئے اور کہا۔ پیشتر اس کے کہ آپ کل کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنائیں یہ ضروری ہے کہ بننے والے خلیفہ سے اس امر کا اقرار لیا جائے کہ وہ کتاب خدا سنت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت ہر دو خلفاء کے مطابق عمل کریگا بغیر عہد کے کسی کو خلافت نہ دی جائے۔ اگر تم عہد نہ لوگے تو ممکن ہے کہ وہ من مانی کاروائیاں کرے اور بعد میں پھر فساد پیدا ہو اور ہاتھوں کی دی ہوئی گرہیں دانتوں سے کھولنی پڑیں۔ چنانچہ ابن عوف نے کہا۔ کہ میں ایسا ہی کرونگا ؛

عمرو بن العاص تینوں حضرات یعنی جناب علی کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رض امیدوار ان خلافت اور حکم یعنی حضرت ابن عوف رض کو مختلف قسم کی پٹیاں پڑھا کر واپس آئے اور نتیجہ کا اظہار کرنے لگا۔ اس کو یقین تھا۔ کہ چونکہ تینوں حضرات کا ظاہر و باطن

یکساں ہے اس لئے وہ بالضرور میرے مشورے پر عمل کرینگے اور چونکہ ہر سہ اصحاب ان مختلف مشوروں سے بے خبر تھے اس لئے وہ عمرو بن العاص کے مشورے کو دوستانہ مشورہ سمجھتے رہے ؎

اگلی صبح جب کہ فیصلہ کا دن تھا عبدالرحمان بن عوف رض نے صبح ہی صبح سعد و زبیر رض کو بلایا اور ان سے کہا کہ انتخاب خلیفہ کا جو بوجھ مجھ پر پڑا ہے اس کے باعث مجھے رات بھر نیند نہیں آئی یہ تو تم کو معلوم ہے کہ اب معاملہ صرف دو شخصوں یعنی جناب علی ابن ابی طالب اور حضرت عثمان رض پر آچکا ہے یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک خلیفہ مقرر ہونا چاہیئے اب تم دونوں یہ بتاؤ کہ تم اپنا حق کس کو دیتے ہو؟ کیونکہ تم بھی امیدواران خلافت میں سے ہو اگرچہ پہلے ان دونوں حضرات نے جلسہ خلوت میں حضرت عثمان رض کے حق میں رائے دی تھی لیکن اب جو ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو ان دونوں نے جناب علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں رائے دی۔ اور کہا کہ ہم اپنا حق علی کرم اللہ وجہہ کو دیتے ہیں ابن عوف کی ذاتی رائے بھی جناب علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں تھی اور اگرچہ وہ بھی امیدواران خلافت میں سے تھے۔ لیکن ابتدا سے ہی انہوں نے اپنا حق جناب امیر علیہ السلام کے مقابلے میں چھوڑ دیا تھا۔ جیسے کہ پیشتر ازیں لکھا جاچکا ہے کہ سوائے ابن عوف رض کے ہر ایک اپنے حقوق و فضائل بیان کرکے خلیفہ ہونے کا حق جتلاتا تھا ؎

حضرت سعد و زبیر رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے بعد ابن عوف رضی اللہ عنہ نے عامۃ الناس کو بلانے کا حکم دیا جب سب مہاجر و انصار جمع ہو گئے تو ابن عوف رض نے کھڑے ہو کر کہا کہ یا معشر المسلمین جلسہ خاص ہو چکا ہے اب فیصلہ مشورہ عام سے ہوگا معاملہ صرف دو آدمیوں جناب علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان رض پر آگیا ہے اب آپ لوگ بتائیں۔ کہ ان دونوں میں سے کس کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے ہو چنانچہ حضرت عمار ابن یاسر رض کھڑے ہوئے اور کہا کہ خلافت جناب علی ابن ابی طالب کو ملنی چاہیئے ان کا حق بسبب قربت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سردار بنی ہاشم ہونے کے سب سے زیادہ ہے حضرت مقداد رض نے اس کی تائید کی۔ اور کہا کہ خلافت ضرور علی ابن ابی طالب کو ملنی چاہیئے ؎

عمار بن یاسر اور مقداد رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان ؓ کا بھانجا عبداللہ بن سعد بن سرح کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ میں حضرت عثمان ؓ کے حق میں رائے دیتا ہوں۔ یہ عبداللہ بن سعد ایک زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشی تھا۔ لیکن بعد میں مرتد ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل کرنے کا حکم دیا لیکن کسی نہ کسی طرح یہ بچ نکلا۔ اب جو اس نے تمام صحابہ کبار کے سامنے یہ جرأت کی۔ تو عمار بن یاسر ؓ نے کہا کہ اے مردود تجھ کو مسلمانوں کے معاملہ میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس پر بنی مخزوم کا ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اور اس نے حضرت عمار بن یاسر کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ بنی مخزوم کی اس جرأت سے بنی ہاشم کو طیش آگیا۔ قریب تھا کہ عرب کی جنگجوئی اور کینہ وری اپنا رنگ لاتی۔ اور فساد مچ جاتا۔ لیکن حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ نے جو امیدوار تھے۔ اور اپنا حق جناب علی ؓ کو دے چکے تھے کھڑے ہوکر لوگوں کو صبر و سکون سے کام لینے کی ہدایت کی۔ اور عبدالرحمان ابن عوف سے کہا۔ کہ یہ تاخیر کا موقع نہیں ہے۔ اپنا کام جاری کرو۔ ایسا نہ ہو کہ فساد زیادہ پیدا ہوجائے۔

حضرت ابن عوف ؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ کہ لوگو صبر کرو۔ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی کرتا ہوں صبر و سکون سے کام لو۔ اور خاموش ہوجاؤ۔ یہ وقت فساد کا وقت نہیں ہے۔ تعجب ہے۔ کہ اسلام جیسی نعمت حاصل ہونے اور جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی بابرکت صحبت کے بعد بھی ابھی تک تمہاری تیزی طبع اور کینہ وری دور نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کا یہ شیوہ نہیں ہے۔ یہ کیا اور جناب علی ؓ ابن ابی طالب کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر کہا کہ یا علی ؓ میں آپ کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ آپ اقرار کریں کہ میں مسلمانوں کی خلافت احکام خدا و رسول اور سیرت ہر دو خلفاء کے مطابق کرونگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواباً عمرو بن العاص کے مشورے کے مطابق فرمایا۔ کہ میں یہ اقرار نہیں کرسکتا۔ انسان سہو و خطا کا پتلا ہے۔ غلطی کا ہوجانا ممکنات میں سے ہے۔ البتہ میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنے علم اور مقدور کے موافق ان تینوں شرطوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے توفیق

طلب کروں گا۔ کہ وہ مجھے ان تینوں شرطوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جناب امیر علیہ السلام کے اس جواب سے تمام مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ اور سب حیران و ششدرر رہ گئے۔ خود حضرت عبدالرحمان بن عوف رض حیران تھے۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے آخر کار انہوں نے جناب علی کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اور عثمان رض کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر وہی الفاظ دہرائے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کہے گئے تھے عمرو بن العاص کے مشورے کے مطابق حضرت عثمان نے بلا تامل صاف صاف ہر شرط کو قبول کر لیا۔ اور کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام احکام خدا و رسول اور سیرت ہردو خلفاء کے مطابق کرونگا۔ چنانچہ ان کے اقرار کرنے پر حضرت عبدالرحمان ابن عوف نے حضرت عثمان رض سے بیعت کر لی۔ اس کے بعد جملہ حاضرین نے جناب عثمان رض سے بیعت کی۔ اس حال کو دیکھ کر جناب امیر علیہ السلام کی زبان سے مکر مکر دھوکا اور فریب کے الفاظ نکل گئے۔ مگر چال چلنے والا شخص اپنی چال چل چکا تھا اب کیا ہو سکتا تھا۔ جناب امیر علیہ السلام وہاں سے اٹھ کر جانے لگے۔ تو عبدالرحمان بن عوف نے کہا۔ کہ یا علی آپ نے عہد کیا تھا۔ کہ میں تمہارے فیصلے کو قبول کروں گا۔ جو شخص عہد توڑتا ہے۔ وہ اپنے آپ پر وبال لاتا ہے۔ چنانچہ علی کرم اللہ وجہہ نے بھی بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔

شہادت حضرت عثمان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں اسلام نے خاصی ترقی حاصل کی اور فتوحات کا دریا امڈتا رہا۔ لیکن آخری سالوں میں بنی امیہ کے شریر آدمیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نوجوان کے بھولے پن کے قابو پا لیا تھا۔ اور خوب فائدے اٹھانے شروع کئے اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تاکید کر دی تھی کہ جو شخص خلیفہ ہو۔ اسکو لازم ہے۔ کہ وہ اپنے قبیلے کی بے جا طرفداری اور رعائت نہ کرے۔ تاکہ دوسرے مسلمانوں کو تکلیف نہ پہنچے اور فسادات کا ظہور نہ ہونے پائے۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بوجہ اپنے بھولے پن

اور بڑھاپے کے اس وصیت پر عمل نہ کر سکے۔ اس وجہ سے لوگوں کے دلوں میں حضرت عثمانؓ کی نسبت ناراضگی پیدا ہو گئی۔ اور مفسدہ پردازوں کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ چونکہ بنی امیہ نے جناب عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے قابو میں کر لیا ہوا تھا۔ انہوں نے مختلف صوبوں کے عمال کو معزول اور ان کی جگہ بنی امیہ کے آدمیوں کا تقرر کرانا شروع کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام میں اور عبداللہ بن سعد بن سرح کو مصر میں عامل مقرر کیا گیا۔ اس عزل و نصب سے بدگمانی اور بڑھ گئی۔ اس عام ناراضگی کے دوران میں عبداللہ بن سبا نومسلم یہودی نے جو بوجہ اپنی علمیت کے مسلمانان مصر میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ ایک نیا شگوفہ چھوڑا اور کہا کہ ہر پیغمبر کا ایک نہ ایک وصی ہوا کرتا ہے۔ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی جناب علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ خلافت الٰہی کا حق تھا نہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لیکن چونکہ مصر میں عبداللہ بن سعد بن سرح حاکم تھا۔ جو پہلے مرتد ہو گیا تھا اور جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ اور مسلمان رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مغضوب کی عزت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے اس لئے مسلمانان مصر نے اس عقیدے کو بلا تامل قبول کر لیا۔ اور جناب علی رضؓ کے حامیوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ انہی دنوں میں ایک لڑائی میں عبداللہ بن سعد بن سرح نے عین اثنائے جنگ میں بعض صحابہ کرام کی توہین کی۔ اور ان کے حق میں سخت سست کلمات کہے۔ جس سے عبداللہ بن سعد حاکم مصر کے خلاف چرچے ہونے لگے۔ اور مسلمانان مصر نے حاکم مصر کو کہہ دیا۔ کہ تمہارا اس معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب خطا تمہیں عامل مقرر کرنے والے کی ہے ہم ابھی سے سمجھیں گے۔ چنانچہ مسلمانان مصر مشورہ عام کرنے کے بعد عازم مدینۃ النبی ہوئے تاکہ یا تو عبداللہ بن سعد بن سرح کو معزول کرائیں۔ اور ساتھ ہی جناب عثمانؓ کو بھی معزول کروا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنائیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس عقیدے کی جس کو مسلمانان مصر نے عبداللہ بن سبا نومسلم یہودی کے کہنے پر قبول کیا تھا مطلقاً خبر نہیں تھی۔ اور نہ ہی مدینۃ النبی میں کوئی شخص ان عقائد سے واقف تھا۔ غرض مسلمانان مصر عبداللہ بن سعد بن سرح کی حکومت سے تنگ اور

ناراض ہو کر عبد اللہ بن سبا نو مسلم یہودی کے عقیدے کو دل میں جگہ دیگر نواحِ مدینہ میں آ پہنچے۔ چونکہ بصرہ اور کوفہ وغیرہ صوبوں کے لوگ بھی عاملوں سے نالاں تھے اسلئے مصری جماعت کی آمد آمد سُن کر وہ بھی مدینہ کی طرف آ گئے۔ عبد اللہ بن سعد حاکم مصر نے بھی اس مصری جماعت کی روانگی پر اپنے معتبر قاصد کے ذریعے جناب عثمان رضؓ کو اطلاع دیدی۔ امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے اطلاع ملنے پر اپنے دو جاسوس مصری قافلے میں بھیجے۔ جب اُنہوں نے واپس آکر قافلہ کی آمد کی علت غائی سے حضرت عثمانؓ کو مطلع کیا۔ تو امیر المؤمنین نے جناب علی کرم اللہ وجہہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر حالات سے اطلاع دی اور مدد طلب کی۔ تاکہ یہ جماعت کوئی شور و شر نہ کرنے پائے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ کہ یہ ساری بلا آپ نے خود طلب کی ہے۔ آپ غلطی پر غلطی کرتے چلے جا رہے ہیں جس کا لازمی نتیجہ سوائے اسکے کہ آپ کے برخلاف عام ناراضگی پھیلے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے۔ کہ جو غلطی آپ سے سرزد ہوتی ہے۔ وہ آپ خود نہیں کرتے۔ بلکہ شریر آدمی جنہوں نے آپ کو اپنے بس میں کر رکھا ہے آپکو بہلا پھسلا کر کراتے ہیں۔ اور آپ بوجہ اپنی بھولی طبیعت کے آسانی کے ساتھ انکے بس میں آجاتے ہیں۔ لیکن ہر حال میں الزام آپ پر ہی آئیگا اور ان شریر آدمیوں کا کوئی نام نہیں لیگا۔ آپنے بیت المال میں بیجا تصرف کیا جس سے دوسرے مسلمانوں کا حق تلف ہو گیا۔ غریبوں اور مسکینوں کی امداد سے ہم نہیں روکتے۔ کیونکہ بیت المال انہی لوگوں کی امداد کے لئے قائم ہوا ہے لیکن ان کو بھی صرف اسی قدر دینا جائز ہے۔ جس سے ان کی حاجت روائی ہو سکے آپنے مروان بن الحکم کو پندرہ ہزار اور خالد بن وسید کو پچاس ہزار درہم دیدیئے۔ جو صریح تصرف بے جا ہے۔ اور احکام خدا و رسول اور سیرت ہر دو خلفا کے خلاف ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ کہ اچھا اگر آپ کی نظروں میں میرا یہ فعل تصرف بیجا تک جا پہنچتا ہے تو میں اس کی تلافی اب اس طرح کر دیتا ہوں۔ کہ یہ رقم اپنی گرہ سے بیت المال میں داخل کر دونگا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے پینسٹھ ہزار درہم اپنی گرہ سے بیت المال میں داخل کر دیئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دیگر اصحاب نے فرمایا کہ ....

چونکہ ہمارے اختلافات اب رفع ہو گئے ہیں اس لئے اب ہم آپ کی ہر ممکن امداد کرنے پر کمربستہ ہیں کیونکہ آپ ہمارے امیر اور خلیفہ ہیں ؎

اس مختصر سی مجلس کے بعد حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی میں ایک عام جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کرایا۔ جس میں ان مصری۔ بصری اور کوفی لوگوں کو بھی جو حضرت عثمانؓ کو معزول کرنے کی نیت سے آئے تھے مدعو کیا۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے ممبر پر کھڑے ہو کر اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور رسول مقبول صلعم پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا۔ کہ یہ مصری بصری اور کوفی لوگ فساد برپا کرنے اور مجھے معزول کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور اپنے اس بیان کی تصدیق میں اپنے انہی دو جاسوسوں کو بطور شہادت کے پیش کیا جنہوں نے دریافت حال کے بعد حضرت عثمانؓ کو مطلع کیا تھا۔ جب جاسوسوں کی گواہی ہو چکی تو جناب امیر علیہ السلام کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ چونکہ یہ لوگ فساد پیدا کرنے کی غرض سے آگئے ہیں اور مفسد کو اللہ تعالےٰ باغی قرار دے کر قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی سزا قتل ہے۔ تاوقتیکہ یہ لوگ اپنے اس بدارادے سے توبہ نہ کریں جب ان اجنبی لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے جن کو خلافت دلوانے کے لئے آئے تھے۔ اپنے حق میں قتل کا فتویٰ سُنا۔ تو دم بخود ہو گئے۔ اور چپ چاپ واپس چلے گئے کسی قسم کا فساد ظہور میں نہ آنے پایا۔ لیکن جب حج کا موسم آیا۔ تو مفسد لوگ پھر جمع ہونے شروع ہوئے اور اب کی دفعہ لڑائی کا سامان کر کے آئے حج سے فراغت پاتے ہی مدینۃ النبیؐ کی طرف آئے اور مدینۃ النبیؐ کے باہر تھوڑے فاصلے پر ڈیرے لگا دیئے۔ اہل مدینہ کو بالکل خبر نہیں تھی۔ کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں۔ اور کسی قسم کے فساد کے ظہور کا مطلق اندیشہ نہیں تھا۔ کہ یکایک ان مفسدوں کے چند آدمی جناب علی کرم اللہ وجہہٗ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ہم امیر المؤمنین کے اعمال کی پرستش کرنے آئے ہیں یا تو وہ توبہ کر کے اپنی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ ورنہ ہم ان کو معزول کر کے جائیں گے ؎

جب امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کو ان حالات کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے جناب امیرؑ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دیگر صحابہ کرام کو طلب فرمایا۔ اور ان سے امداد طلب کی جنہوں نے

بطیب خاطر سرتسلیم خم کر کے مفسدوں کو سمجھا بجھا کر فساد کو روک دیا۔ مروان جو ایک فطرتی شخص تھا۔ اور جس کو جناب عثمانؓ نے اپنا میر منشی بنایا ہوا تھا۔ ایسے موقع پر کب خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کان بھرنے شروع کئے۔ اور کہا کہ مدینہ والے اس بات پر مغرور ہو گئے ہیں۔ کہ ہم نے فساد کو روک کر امیر المؤمنین پر بڑا احسان کیا ہے۔ اور ان کی نظروں میں آپ کی وقعت بہت کچھ گھٹ گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ آپ ایک جلسہ کریں جس میں اپنی بے گناہی کے بعد قوت کا اظہار کریں چنانچہ ایک عام جلسے کا اعلان ہو گیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے۔ تو حضرت عثمانؓ نے تقریر کی جس میں اپنی بے گناہی اور قوت کا اظہار کیا۔ اور مفسدوں پر بری طرح لے دے کی۔ اس تقریر کا سننا تھا۔ کہ لوگ بھڑک اٹھے چنانچہ عمرو بن العاص نے کہا۔ کہ عثمانؓ ایسے خیالات سے توبہ کر۔ امیر المؤمنین نے فرمایا۔ کہ تمہیں کیا حق ہے۔ کہ مجھے توبہ کا حکم دیتے ہو۔ اس پر سر چہار اطراف سے شور و غل مچ گیا۔ کہ عثمانؓ توبہ کر۔ ہر شخص نام لے کر پکارتا تھا۔ اور امیر المؤمنین کو کوئی نہیں کہتا تھا۔ مخالفت کا یہ عام جوش و خروش دیکھ کر جناب عثمانؓ زار زار رونے لگ پڑے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے۔ اور پھر اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ جناب امیر علیہ السلام آپ کی خدمت میں گئے۔ اور فرمایا۔ کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ بار بار فساد کو دبایا جاتا ہے۔ لیکن آپ نیا شاخسانہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ بھلا فرمایئے تو سہی کہ اس تقریر کی آپ کو کیا ضرورت تھی۔ انسان سہو و خطا کا پتلا ہے اگر آپ کو ضرور تقریر ہی کرنی تھی۔ تو آپ کو واجب تھا کہ آپ یہ کہہ دیتے۔ کہ انسان سے خطا کا ہونا ممکن ہے۔ میں بھی آپ لوگوں کی طرح ایک انسان ہوں اگر مجھ سے کوئی خطا ہو جایا کرے تو میرے بڑھاپے کو دیکھ کر نظر انداز کر دیا کرو۔ اگر میرا خیال غلط نہیں تو میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ یہ ساری اکساہٹ شریر مروان کی نظر آتی ہے۔ اور میں آپ کو بزور مطلع کئے دیتا ہوں۔ کہ اگر آپ مروان کے کہنے پر چلتے رہے۔ تو ضرور وہ ایک نہ ایک دن خدانخواستہ آپ کی جان پر کوئی آفت لا کر رہے گا۔ اس کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ لیکن ہم مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جائیگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابا الحسن آئندہ میں ایسا نہ کرونگا۔

چنانچہ دوسرے دن پھر ایک عام جلسے کا اعلان کیا گیا۔ جس میں حضرت عثمانؓ نے جناب امیر علیہ السلام کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے۔ تو معاف کر دیا کرو۔ اور مجھے جتلا دیا کرو۔ تاکہ اس کی اصلاح کی جایا کرے۔ اور تفرقہ نہ پڑ سکے۔ اس تقریر کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ یا معشر المسلمین امیر المؤمنین بوڑھے آدمی ہیں۔ اوّل تو انسان سے ہر وقت غلطی کا ہونا ممکن ہے۔ لیکن بڑھاپے میں انسان سے عموماً غلطیاں زیادہ سرزد ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر امیر المؤمنین سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو۔ جو آپ کو ناگوار گزری ہو۔ تو تم کو ایسا جوش و خروش نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تمہارا یہ فعل ہم میں تفرقہ ڈال دے گا۔ اور ہماری طاقت گھٹ جائیگی۔ دشمن دلیر ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں جو نقصان ہم کو پہنچے گا۔ اس کا اندازہ اچھی طرح سے لگایا جا سکتا ہے۔ ہم سب کو لازم ہے۔ کہ اپنے امیر المومنین خلیفہ کی اطاعت کریں۔ تاکہ دوسرے لوگ مرعوب رہیں۔ چنانچہ ان تقاریر سے خلقت مطمئن ہو گئی۔ اسی اثنا میں مصری مسلمانوں کی ایک اور جماعت عبد اللہ بن سعد بن سرح حاکم مصر کی شکایات لیکر مدینہ منورہ میں پہنچی۔ جب ان کو معلوم ہوا۔ کہ اب عامۃ الناس امیر المؤمنین سے خوش ہیں۔ تو وہ بھی خوش ہو گئے۔ اور وہ تمام ناراضگی جو عبد اللہ بن سعد بن سرح کے تقرر مصر کے متعلق تھی۔ مٹ گئی۔ ان کو اُمید ہو گئی تھی۔ کہ اب جناب امیر المؤمنین عبد اللہ بن سعد کو ضرور معزول کر دیں گے غرض وہ لوگ انہی خیالات کو لے کر شہر میں داخل ہونے کو تھے۔ کہ مروان کو خبر ہوئی۔ وہ سیدھا حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہا۔ کہ آپ نے غضب کیا۔ آپ کو معذرت کی کیا ضرورت تھی۔ علیؓ آپ کو ذلیل و رسوا کرنا چاہتے ہیں۔ اب ایک اور باغیوں کی جماعت دروازہ پر کھڑی ہے۔ اور آپ کو معزول کرنا چاہتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بات کے سنتے ہی بغیر سوچے سمجھے حکم دے دیا۔ کہ ان کو شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ مروان یہ سنتے ہی فوراً دروازہ پر آیا۔ اور سخت سُست الفاظ میں ان مصری مسلمانوں کو دھمکیاں دینے لگا۔ وہ لوگ حیران ہو گئے۔ اور انہوں نے ۔۔۔۔

اپنا آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی خدمت میں بھیجا کہ یہ کیا معاملہ ہے ہم حکومت عبداللہ بن سعد بن سرح حاکم مصر سے نالاں فریادی آئے ہیں۔ اور ہمیں دھکے دیکر نکالا جاتا ہے۔

اس بات کے سننے سے جناب امیر علیہ السلام کو سخت رنج پہنچا۔ اور آپ فوراً حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ نہیں معلوم آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں۔ کہ کم بخت مروان آپ کی جان لیکر چھوڑے گا۔ مگر آپ ایک نہیں مانتے ایسی حالت میں آپ جانیں اور آپ کا کام میرا اب آخری سلام ہے۔ میں آپ کے معاملے میں ہرگز دخل نہیں دوں گا۔ اور نہ ہی آپ کے مکان پر آؤنگا یہ الفاظ کہکر جناب امیر علیہ السلام تو واپس چلے آئے۔ امیر علیہ السلام کے چلے آنے کے بعد آپ کی بیوی حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے بھی آپ کو سمجھایا کہ جناب علی کرم اللہ وجہہ کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیئے۔ لوگوں میں ان کا رسوخ ہے ان سے آپ کو بھاری امداد حاصل ہوسکتی ہے۔ مروان بچارا کون ہوتا ہے۔ اس کو کون پوچھتا ہے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ سچ فرماتے ہیں۔ بیوی سے یہ الفاظ سنکر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پھر بلا بھیجا۔ لیکن جناب امیر علیہ السلام نے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں آپ کے گھر پر نہ آنے کا عہد کر چکا ہوں۔ چنانچہ جناب عثمانؓ خود جناب علیؓ کے دولت کدے پر تشریف لے گئے۔ اور کہا کہ یا ابا الحسن مجھے دشمنوں میں تنہا نہ چھوڑیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس حالت میں جب کہ مروان جیسا شریر آدمی آپ کا نفس ناطقہ بنا ہوا ہو۔ اور عبداللہ بن سعد جیسا مرتد حاکم مصر ہو کسی معاملے میں میرا دخل دینا بے سود ہے۔ غرض آپ مغموم واپس تشریف لے آئے۔

ادھر مسلمانوں نے شور مچا رکھا تھا۔ جو لوگ پہلے آ چکے تھے اور جن کو راضی کر لیا گیا تھا۔ وہ بھی انہی کے ساتھ مل گئے۔ اور دھمکیاں دینے لگے۔ جس سے خطرہ دمبدم بڑھنے لگا۔ بالآخر مفسدوں کے چند سرکردہ آدمیوں کو بلایا گیا۔ جنہوں نے حاکم مصر کے متعلق اپنی شکایات بیان کیں۔ اور کہا۔ کہ ہم لوگ اس کے ظلم سے نالاں ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا۔ کہ اچھا ہم عبداللہ بن سعد کو معزول

کئے دیتے ہیں۔ بتاؤ کہ اب تم کس کو اپنا حاکم بنانا پسند کرتے ہو چنانچہ سب نے اتفاق رائے سے حضرت محمد بن ابوبکر رضؓ کو حاکم مصر بنانا پسند کیا۔ اور حضرت عثمان رضؓ نے فوراً حکم مصر کے متعلق محمد بن ابوبکر کے تقرر اور سعد بن سرح کے عزل کا فرمان لکھ کر محمد بن ابوبکر کے حوالے کر دیا جس کو محمد بن ابوبکر لیکر معہ تمام مصری مسلمانوں کے مصر کی طرف روانہ ہوگئے مروان ان سب حالات کو سن اور دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہا تھا آخر کار اس نے چوری چوری عبداللہ بن سعد بن سرح حاکم مصر کے نام جناب امیرالمومنین کی طرف سے ایک حکم نامہ لکھا جس میں تحریر کیا۔ کہ محمد بن ابوبکر اور دیگر تمام وہ لوگ جوان کیساتھ ہیں جب مصر میں پہنچیں تو ان سب کو عبرت ناک سزائیں دے کر قتل کر دینا اور تمہاری معزولی کا جو حکم حضرت محمد بن ابوبکر رضؓ کو دیا گیا ہے۔ وہ بالکل مہمل سمجھنا۔ کیونکہ وہ محض دباؤ کی حالت میں لکھا گیا ہے۔ مروان نے یہ خط لکھ کر چوری سے جناب امیرالمومنین جناب عثمان رضؓ کی مہر لگا کر امیرالمومنیں کے خاص غلام کے ہاتھ مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ اور زود تر پہنچنے کی ہدایت کر دی امیرالمومنیں حضرت عثمان رضؓ اور دیگر تمام مسلمان اس خط سے بالکل بے خبر تھے جب محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں نے راہ میں قاصد کو اس تیز رفتاری کے ساتھ جاتے دیکھا اور انہوں نے پہچان لیا کہ قاصد بھی جناب امیرالمومنین کا خاص غلام ہے۔ تو ان کو شبہ پیدا ہوا۔ چنانچہ قاصد کو گرفتار کر کے اس سے مقصد سفر دریافت کیا لیکن اس نے بتانے سے انکار کر دیا آخر کار اس کی تلاشی لینے پر خط برآمد ہوا جس کو پڑھ کر سب لوگ حیران ہو گئے اور نہایت غصے کی حالت میں واپس مدینہ منورہ کی طرف پلٹے اور آتے ہی امیرالمومنین کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ لوگ حیران و ششدر رہ گئے کہ یہ کیا بلا آئی۔ ابھی کل تو ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر اور ان کے مطالبات پورے کر کے مصر کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور آج یہ لوگ پھر پلٹ آئے ہیں۔ اور فساد پر آمادہ ہیں اور جب محمد بن ابوبکر رضؓ کو بھی انہی لوگوں میں دیکھا تو اہل مدینہ کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی لوگوں نے محمد بن ابوبکر سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے وہ خط اور قاصد جو راہ میں گرفتار کیا تھا۔ پیش کیا اور کہا کہ عثمان رضؓ نے

ہمارے ساتھ دغا کیا ہے جب وہ خط حضرت عثمان رضؓ کو دکھایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ واللہ نہ مجھے اس خط کا علم ہے نہ میں نے لکھا۔ نہ میں نے بھیجا ہے مہر اللہ اُس پر میری ہے اور غلام بھی میرا ہے تب لوگوں نے کہا کہ یہ اور غلطی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری شرارت مروان کی ہے آپ مروان کو ہمارے حوالے کردیں تاکہ اس کو قتل کرکے کیفر کردار کو پہنچایا جائے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان کو حوالے کرنے میں کچھ تامل کیا اور فرمایا کہ اے لوگو اللہ اور اس کے رسول سے ڈرو۔ اور فساد نہ کرو فساد کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتھر مارنے شروع کیے جن کے صدمے سے نڈھال ہو کر آپ گر پڑے۔ جب جناب امیر علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت امام حسن رضؓ کی مدد سے بمشکل تمام لوگوں کے اس جوش و خروش کو عارضی طور پر ٹھنڈا کیا۔ اور حضرت عثمان کو مسجد سے اٹھوا کر ان کے گھر پہنچا دیا دوسری طرف بنی امیہ کے لوگ جمع ہو کر حضرت علی کی طرف چلے اور کہا کہ سب کچھ آپ ہی کرا رہے ہیں لیکن آپ نے اُن کو کچھ جواب نہ دیا۔ اور چپ چاپ گھر کی طرف چلے گئے۔

مفسدوں نے حضرت عثمان رضؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور آخر انہوں نے گھر کے اندر دانہ پانی بھیجنا بند کر دیا تھا جس سے سخت تکلیف ہونے لگی۔ جب جناب امیر علیہ السلام کو اس حال کی خبر ہوئی تو آپ خود حضرت عثمان رضؓ کے گھر پر تشریف لائے اور دانہ پانی بھجوایا محاصرین کو بھی بہت کچھ سمجھایا لعنت ملامت کی مگر انہوں نے تلوار پر ہاتھ رکھنے کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا جب جناب امیر علیہ السلام حضرت عثمان رضؓ کے سامنے ہوئے تو امیر المومنین نے سارے حالات بے کم و کاست آپ کو سنا دیے جناب امیر علیہ السلام نے پوچھا کہ وہ خط کیسا ہے جو اس دبے ہوئے فساد کے پھر ظہور پذیر ہونے کا موجب بنا جناب عثمان نے حلفاً بیان کیا۔ کہ مجھے اس خط کے متعلق کسی قسم کی واقفیت نہیں ہے مروان نے جو پاس ہی بیٹھا تھا۔ کچھ بولنا چاہا۔ مگر جناب عثمان نے دھمکا کر خاموش کرا دیا چنانچہ وہ چپ چاپ وہاں سے نکل کر چلتا بنا جناب امیر علیہ السلام نے مفسدوں کے چند سرکردہ اشخاص کو

اندر طلب فرما کر پھر سمجھایا کہ اس فساد سے باز آجاؤ لیکن انہوں نے کہا ہم تو انتقام لیں گے۔ اور بس چنانچہ جب اس فہمائش سے کوئی بہتر نتیجہ نہ نکلا۔ تو جناب امیرؑ وہاں سے واپس اپنے گھر تشریف لے آئے اور آتے ہی اپنے صاحبزادوں جناب حسنینؑ کو امداد عثمانؓ کے لیے بھیج دیا اور فرمایا کہ بیٹا خود قتل ہو جانا۔ لیکن امیر المومنین پر آنچ نہ آنے دینا اس کے بعد حضرت طلحہ اور زبیر کی طرف امداد کے لیے کہلا بھیجا چنانچہ انہوں نے بھی اپنے فرزندوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیے بھیجدیا ؛

جب محاصرہ کی حالت میں مفسدوں کو کوئی بہتر نتیجہ ظاہر ہوتا نظر نہ آیا اور محاصرہ نے طول کھینچا تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے کوئی اور تجویز سوچنے لگے۔ اسی اثنا میں مروان کے ایک غلام نے محاصرین کی طرف تیر پھینکا جس سے ایک آدمی مارا گیا بس پھر کیا تھا مروان کے غلام کا تیر چلانا۔ بارود کو دیا سلائی دکھانا تھا۔ لڑائی کا بازار گرم ہو گیا مروان بھی نہایت چستی کے ساتھ گھر کے اندر صف بندی کر کے لڑائی کرنے لگا مگر کب تک آخر زخمی ہو کر گر پڑا اور دوسرے لوگ بھی اکثر کٹ کر رہ گئے اتنے میں چند لوگ موقع پاکر دیوار کو پھاند کر جناب امیر المومنین کے خاص حجرے میں داخل ہو گئے محمد بن ابو بکر نے امیر المومنین کی داڑھی پکڑ لی۔ اور کہا کہ اب آپ کو عبد اللہ بن سعد بن سرح حاکم مصر مدد نہیں دے سکتا۔ جناب عثمانؓ نے فرمایا کہ اے ابن ابو بکرؓ تمہارا باپ اس حالت کو کبھی نہ دیکھ سکتا۔ جو تم میری کر رہے ہو ان الفاظ کے سنتے ہی محمد بن ابو بکرؓ نے آپ کی ریش مبارک کو چھوڑ دیا اور گھر سے باہر نکل گیا اتنے میں مصر کا ایک آدمی کنانہ نامی اندر آیا۔ اور آتے ہی آپ کے کانوں کی جڑھ میں چھری بھونک دی دوسرے لوگ کہتے ہی رہ گئے کہ ہمیں قتل کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس نے دوسرا وار پھر کیا۔ اور جناب امیر المومنین زخمی ہو کر گر پڑے اس وقت آپ کی بیوی حضرت نائلہ رضہ جو پاس بیٹھی تھیں آپ کی حمایت کے لیے اٹھیں مگر وہ بھی زخمی ہو گئیں جس وقت آپ پر مفسدوں نے وار کیا آپ تلاوت قرآن مجید میں مشغول تھے وار ہوتے ہی جب خون کا فوارہ نکلا تو اس آیت شریف پر پڑا :-

فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۵

دوسرے دار میں آپ نے جان شیریں جان آفریں کے سپرد کی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ امیرالمومنین کے شہید ہو جانے کی خبر سنتے ہی جناب امیرؑ اور دیگر صحابہ کرام دوڑ کر آئے آپ نے اپنے صاحبزادوں حسنین علیہم السلام کو خفا ہو کر فرمایا اور ایک ایک طمانچہ بھی رسید کیا۔ اور فرمایا کہ جب میں نے تاکید کر دی تھی کہ خود قتل ہو جانا۔ مگر جیتے جی امیرالمومنین پر آنچ نہ آنے دینا پھر تم کیوں نہ قتل ہو گئے مگر وہ ابھی بچے تھے۔ کیا معلوم کہ دشمن عقب کی طرف سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہو گیا ہے۔ وہ بیچارے لڑے اور زخمی بھی ہوئے۔ ان کا کیا قصور ؟

صحابہ کا باہمی خلوص

تنبیہ۔ جب شیعہ حضرات خلفائے ثلاثہ پر اپنی ناعاقبت اندیشی اور کج فہمی سے (خاکم بدہن) لعن طعن (نعوذ باللہ من ذالک) کی بوچھاڑ کرتے ہیں تو بعض ناعاقبت اندیش بے سمجھ اہل سنت والجماعت جناب امیر علیہ السلام پر یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ انہوں نے دیدہ دانستہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید ہونے دیا چپ چاپ اپنے گھر میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے اور برائے نام حسنین علیہم السلام کو جو بچے تھے امداد کے لئے بھیج دیا ہم ایسا خیال رکھنے والے اہل سنت جماعت بھائیوں کی خدمت میں باادب عرض کرنا چاہتے ہیں کہ وہ براہ کرم ان بیہودہ خیالات کو اپنے خاطر صافی سے نکال دیں خواہ مخواہ ایسے لغو عقیدے کو دل میں جگہ دیکر اپنے ایمان کو متزلزل نہ کریں۔ یہ وسواس شیطانی ہیں جہاں ہمیں عثمان رضی کا ادب واحترام واجب ہے وہاں ہمیں جناب علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ادب واحترام لازم ہے چاروں حضرات کی شان میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت کچھ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ بھی ان بزرگوں کی تعریف فرماتا ہے پھر ہم کون ہیں جو ان کی شان میں ذرہ بھر گستاخی کر سکیں۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

یہ واقعات کچھ اس قسم کے پیچیدہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک مسلمان شخص کو ان حالات کے لکھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے ایک طرف وہ دیکھتا ہے۔ کہ جناب عثمان رضی اللہ عنہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے داماد ذوالنورین کے لقب سے ملقب مقرب صحابی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ کہ ان کو اپنے پاس نہ دیکھ کر میدان حدیبیہ میں اپنے ہاتھ کو جناب عثمان کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں اور خود بخود ان کی طرف سے بیعت قبول فرماتے ہیں۔ دوسری طرف جناب عثمان رضی اللہ عنہ کی سیاسی کمزوریاں بھی نظر آتی ہیں ادبر کئی دن ہوئے مفسد لوگوں نے جناب امیر المومنین کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ لیکن اہل مدینہ چپ چاپ اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ خود جناب علی کرم اللہ وجہہ اپنے گھر بیٹھے ہیں اور حسنینؑ کو ایسے نازک موقع پر بھیج رہے ہیں اور جب امیر المومنین شہید ہو جاتے ہیں تو سارے صحابہ کرام جمع ہو جاتے ہیں جناب امیر علیہ السلام بھی آتے ہیں اور حسنین علیہم السلام پر عتاب کرتے ہیں۔ غرض یہ حالات اور جناب امیر علیہ السلام کے عہد کے جمل و صفین کے واقعات کچھ اس قسم کے پیچیدہ ہیں کہ ان پر رائے زنی کرنا اپنا ایمان کھونے کے مترادف ہے اصل حقیقت خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ہمارے لئے صرف یہی واجب ہے کہ ہم صرف واقعات لکھ دیں۔ اور کسی قسم کی رائے زنی نہ کریں۔ تاکہ ان دو حضرات یعنی جناب عثمان رضؓ اور علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کسی قسم کی سوء ادبی نہ ہونے پائے اور ایمان سلامت رہے ؎

عہدِ خلافت کے واقعات

انتخابِ خلافت

آپ ۳۵ ہجری المقدس میں خلیفہ ہوئے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگ بے قرار ہو رہے تھے چنانچہ مصری مسلمانوں کا ایک گروہ جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ آپ منصبِ خلافت قبول فرمائیں لیکن آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ افراتفری اور اختلاف کی حالت میں میں خلافت قبول نہیں کر سکتا۔ بصرہ کے لوگ حضرت طلحہؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں کوفہ کے لوگ حضرت زبیرؓ کو خلیفہ دیکھنا چاہتے ہیں جناب امیر نے فرمایا تم لوگ جلدی نہ کرو۔ بلکہ ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اختلافات دور کرو۔ اور کسی ایک کو اپنا خلیفہ بنا لو۔ لیکن مجھے معذور رکھو۔ اسی اثنا میں انصار مدینہ اور اکابر مدینہ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یا علی کرم اللہ وجہہٗ ہاتھ لائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں جہان بے امام ہو گیا ہے اور سوائے آپ کے اور کوئی شخص مستحق خلافت نظر نہیں آتا لیکن آپ نے ان کو بھی وہی جواب دیا جو مصری مسلمانوں کو دیا تھا۔ اور فرمایا کہ جس شخص کو تم نے انتخاب کرو گے سب سے پہلے میں اس کی بیعت کرونگا۔

جناب امیر علیہ السلام سے یہ کورا جواب سن کر اور مایوس ہو کر لوگ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ مسلمانوں کی امارت قبول فرمائیں مسلمان بے امام ہیں ایسی حالت میں خدا نخواستہ کوئی فساد پیدا ہو گا۔ تو مسلمانوں کا کوئی امیر نہ ہونے کی وجہ سے نہ معلوم مسلمانوں اور اسلام کو کن کن مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔ لیکن ان دونوں حضرات نے بھی صاف انکار کر دیا۔ آخرکار تمام لوگ پلٹ کر انصار مدینہ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ آپ لوگ ہی اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیں ہم اس کی بیعت کرنے کو تیار ہیں لیکن انصار نے

بھی صاف جواب دیا۔ اور کہا کہ سوائے جناب امیر علیہ السلام کے کسی اور شخص کو اس وقت مستحق خلافت نہیں سمجھتے اس لیے ہم کسی اپنے آدمی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ چلو ہم پھر تمہارے ساتھ جناب علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض معروض کرتے ہیں اب کی دفعہ پردیسی مسلمان اور انصار سب مل کر جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ سوائے آپ کے اور کسی کو اس وقت خلافت کا اہل نہیں پاتے اس لیے آپ ہماری عرض قبول فرمائیں اور ہاتھ بڑھائیں تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں ؛

جب جناب امیر علیہ السلام نے لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ اچھا مسجد میں چلو وہیں سب کو مل کر مشورہ کر کے امیر منتخب کرنا چاہیے چنانچہ سب لوگ جوق در جوق مسجد میں جمع ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگ اصرار کرتے ہیں کہ میں اس منصب جلیلہ کو قبول کر لوں۔ لیکن میں آپ لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں خلیفہ بننا پسند نہیں کرتا۔ یہ منصب کسی اور شخص کو دینا چاہیے اور جس کو تم صلاح و مشورہ سے امیر منتخب کرو گے۔ مجھے اس کی بیعت کرنے میں ہرگز کوئی تامل نہیں ہو گا آپ ابھی تقریر کر ہی رہے تھے کہ پردیسی مسلمانوں نے کہا۔ کہ خواہ آپ خلیفہ بنیں یا کسی اور کو بنائیں۔ ہماری صرف اس قدر عرض ہے کہ جس کو خلیفہ بنایا جائے ہماری موجودگی میں بنایا جائے تاکہ ہم اس کی بیعت کر کے جائیں اور بعد میں کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو سکے۔ اگر آپ نے ہمارے چلے جانے کے بعد کسی کو اپنا امیر بنایا تو اس حالت میں فساد کے مکرر پیدا ہونے کا احتمال ہے چنانچہ باہر کے مسلمانوں کی یہ عرض سن کر جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جملہ اصحاب جناب رسالت مآب کو جمع ہو کر آج مشورہ کرنا چاہیے اور اکابر صحابہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنا لینا چاہیے ؛

جناب امیر علیہ السلام کی یہ بات سن کر لوگ باری باری سعد ابن ابی وقاص رضؓ سعید بن زید عبداللہ بن عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست کی لیکن سب نے صاف انکار کر دیا۔ آخر منادی کی گئی۔ کہ جملہ صحابہ یکبار مسجد میں جمع ہوں۔ اور مشورہ کر کے کسی کو اپنا خلیفہ بنائیں۔ چنانچہ منادی

ہوتے ہی سوائے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کے باقی سب ممتاز صحابہ کرام مسجد میں آگئے اور حضرت طلحہؓ و زبیر نے کہلا بھیجا کہ مسلمان جس شخص کو اپنا خلیفہ منتخب کریں گے ہمیں اس کی بیعت کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ لیکن جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس لیے ان دونوں کا آنا ضروری ہے چنانچہ حضرت طلحہ اور زبیر کی خدمت میں کچھ پیغام بھیجا گیا لیکن انہوں نے کہلا بھیجا کہ آج عام لوگ بیعت کرلیں کل ہم کریں گے ہمیں لوگوں کا انتخاب منظور ہوگا لیکن لوگوں نے کہا کہ کل جمعہ کا دن ہے لہٰذا جو کچھ کرنا ہو آج ہی کریں تاکہ کل جمع کی نماز ہم اپنے نئے خلیفہ کے ساتھ ادا کریں لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ جب تک طلحہ و زبیر نہیں آئیں گے انتخاب نہیں ہو سکتا۔ آخر کار حضرت مالک اشتر اور حکیم بن جبلہؓ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ کہ ادھر تو اختلاف مسلمانوں کا کام خراب کر رہا ہے۔ اور ادھر آپ ہیں۔ کہ مفت میں ٹال مٹول کر رہے ہیں۔ آپ کو خلیفہ بنانے کی التجا کی گئی۔ مگر آپ نے منظور نہ کیا اور نہ ہی آپ خلیفہ انتخاب کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ خدانخواستہ مسلمانوں میں زیادہ اختلافات اور فساد ڈلوانے کے خواہشمند ہیں اسلئے یا تو براہ کرم چپ چاپ مجلس مشاورت میں تشریف لے چلیں ورنہ تلوار ہماری ہو گی۔ اور آپ کی گردن ہم آپ کو قتل کر دیں گے چنانچہ اس تقریر کو سن کر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ مسجد میں تشریف لائے جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو خلافت نہیں چاہتا آپ اکابر صحابہ کرام میں سے ہیں۔ اور آپ اس کام کو بہتر طور پر نبھا سکنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یہ سن کر حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ ابوالحسن جہاں آپ ہوں وہاں ہم خلافت کا دم نہیں مار سکتے ہاتھ لائیے تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں ان الفاظ کا نکلنا تھا۔ کہ چاروں طرف سے آوازیں آئیں کہ یا علیؓ ہاتھ پھیلائیں تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں

ان آوازوں کو سن کر جناب امیر علیہ السلام نے ہاتھ بڑھایا اور لوگوں نے جوق درجوق بیعت کرنی شروع کی اور اگلے دن جمعۃ المبارک کی صبح تک آپ کی بیعت ہوتی رہی سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے آپ کی بیعت کی حضرت طلحہؓ

کا دایاں ہاتھ جو جنگ احد میں بیکار ہو گیا تھا جس وقت سب سے پہلے حضرت طلحہؓ نے
اپنا دایاں بیکار شدہ ہاتھ بیعت کے لئے بڑھایا تو ایک شخص بولا اللہ تعالیٰ خیر کرے یہ
بیعت پوری ہوتی نظر نہیں آتی سب سے پہلے شل اور بیکار ہاتھ بیعت کیلئے آگے
بڑھا ہے دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے

شہادت عثمانؓ کی اطلاع معاویہؓ کو

ادھر لوگ کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں مصروف تھے اور
ادھر بنی امیہ بھاگ رہے تھے ایک آدمی نعمان بن بشیر جناب عثمانؓ کے شہید
ہوتے ہی ان کا خون بھرا کرتہ اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں اٹھا کر
دو چار ساتھیوں کے ساتھ شام کی طرف چلا گیا۔ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے سارا قصہ بڑی رنگ آمیزی اور رقت کے ساتھ بیان کیا جس
میں جناب امیر علیہ السلام کے برخلاف بہت کچھ زہر اگلا۔ چونکہ بنی ہاشم
اور بنی امیہ میں قدیمی خاندانی عداوت چلی آتی تھی اور بنی امیہ بنی ہاشم
کو زک دینے میں ہمیشہ توڑ جوڑ میں مصروف رہا کرتے تھے اس لیے امیر معاویہ نے ان
حالات سے مطلع ہو کر جناب عثمانؓ کے خون بھرے کرتے اور ان کی بیوی کی کٹی
ہوئی انگلیاں کو دمشق کی مسجد کے منبر پر رکھوا دیا تاکہ ہر خاص و عام کی نگاہ
اس پر پڑتی رہے ہر روز اہل شام کے سامنے جناب عثمانؓ کی مظلومیت اور شہادت
کا بیان کیا جانے لگا۔ اور لوگوں کو جناب امیر علیہ السلام سے حضرت عثمانؓ کا
قصاص طلب کرنے پر ابھارنا شروع کیا واقعات شہادت اس طرح بیان
کئے جاتے تھے کہ سننے والے کو خواہ مخواہ یقین ہو جاتا تھا۔ کہ واقعی جناب امیر علیہ
السلام نے جناب عثمانؓ کو محض خلافت حاصل کرنے کے لیے دیدہ دانستہ
شہید کروایا ہے چنانچہ اسی قسم کی روزانہ متواتر تقاریر سے عثمانؓ کا قصاص لینے
کا ایک خاص جذبہ اہل شام کے سینوں میں پیدا ہو گیا اور سب کے سب جناب امیر
کے برخلاف ہو گئے معاویہ نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اندر ہی اندر
جناب امیر علیہ السلام کے عمال سے ساز باز کرنا شروع کیا اور ان میں سے اکثر

عمال کو اپنے ساتھ ملا لیا جس کا مفصل تذکرہ آگے آئیگا ۔

عمال عثمانؓ کا عزل

جب امیر علیہ السلام مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت عثمان رضؓ کے چند رشتہ داروں کے سوا باقی سب نے آپ کی بیعت برضا و رغبت کر لی آپ نے سب سے پہلے کام یہ کیا کہ حضرت عثمان رضؓ کے عاملوں کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے عامل بھیجدیئے تمام عمال عثمان رضؓ میں سے صرف امیر معاویہ رضؓ حاکم شام ہی ایک ایسے عامل تھے جس کے بگڑنے کا آپ کو اندیشہ تھا چنانچہ امیر معاویہ رضؓ کی طرف آپ نے اس مطلب کا خط لکھا کہ عثمان رضؓ رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث کی شہادت کے بعد تمام مہاجرو انصار اور دیگر بلاد و امصار اسلامیہ کے لوگوں نے باتفاق مجھے اپنا امیر تسلیم کر کے میری بیعت کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بار گراں میری گردن پر ڈالا ہے چونکہ عاملوں کے ساتھ ابھی تک میرا کوئی عہد نہیں ہے اس لیے کہ جو بار کہ میری گردن پر پڑا ہے اس کو عاملوں پر بھی ڈالنا چاہتا ہوں (یعنی ان سے اپنی بیعت لینی چاہتا ہوں؟) کیونکہ مجھے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے چنانچہ میں نے دوسرے صوبوں کے عمال کی طرف بھی لکھ بھیجا ہے اور تم کو بھی لکھا جاتا ہے کہ میرے اس خط کو دیکھتے ہی اپنے شریف دوستوں کے ساتھ میرے پاس چلے آؤ ۔

ابھی آپ معاویہ رضؓ کو خط لکھ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ مغیرہ بن شعبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا امیر المومنین یہ خط کیسا ہے ۔ اور کس کی طرف لکھا گیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ خط معاویہ حاکم شام کی طرف لکھا ہے اور ان کو تاکید کی ہے کہ اس خط کے دیکھتے ہی فوراً میرے پاس چلے آؤ ۔ مغیرہ نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین گستاخی معاف! اگر آپ میری نصیحت پر عمل کریں تو میں عرض کروں آپ نے فرمایا شوق سے کہو مغیرہ نے کہا ۔ کہ معاویہ حضرت عثمان رضؓ کا ابن عم اور ایک زرخیز صوبہ شام کا عامل ہے جہاں کے لوگ اس

کو چاہتے ہیں۔ اور سوائے معاویہ رضہ کے آپ کی اطاعت سے کسی اور کے انحراف کا اندیشہ بھی نہیں ہے اس لئے لازم ہے کہ آپ سر دست یک لخت معاویہ کو معزول نہ کریں اور ان کو اپنے عہدے پر بحال رہنے دیں جب وہ آپ کی بیعت کرلے اور آپ کے پاؤں خوب جم جائیں اس وقت جس طرح رائے عالی میں آئے عمل کریں آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ امر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے منافی ہیں اور میں کبھی احکام خدا و رسول سے انحراف نہیں کروں گا اگر معاویہ نے میرا کہا مان لیا اور اس خط کو دیکھ کر چلا آیا۔ تو بہتر ورنہ میرا اور اس کا انصاف اللہ تعالےٰ کرے گا۔ مغیرہ نے جب آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو عرض کیا کہ یا امیر المومنین آپ آج کا دن انتظار کریں میں کل آپ سے پھر عرض کرونگا۔ کہ کیا کرنا چاہیئے یہ کہہ کر مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلا آیا اور دوسرے دن پھر حاضر ہوا اور کہا کہ یا امیر المومنین جو کچھ آپ کی رائے ہے وہ ٹھیک ہے اگر معاویہ رضہ آپ کے پاس چلا آئے تو بہتر ورنہ اس کو معزول کردیں آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

جب دوسرے دن مغیرہ بن شعبہ آپ کی رائے سے موافقت کرنے کے بعد اٹھ کر چلا گیا اور ابن عباس رضہ نے آپ سے دریافت کیا کہ مغیرہ آپ سے کیسی باتیں کر رہا تھا۔ آپ نے سارا قصہ بیان کیا ابن عباس نے عرض کیا کہ یا امیر المومنین پہلی دفعہ تو مغیرہ بن شعبہ نے واقعی آپ کو نصیحت کے طور پر کہا تھا اور اس کی نصیحت عامۃ الناس کی بہتری اور آپ کی ہمدردی کے باعث تھی لیکن دوسری دفعہ اس نے آپ کی رائے سے موافقت کرکے آپ کو دھوکا دیا ہے اور آپ کے ساتھ دشمنی کی ہے آپ نے پوچھا۔ کس طرح ابن عباس رض نے عرض کیا کہ معاویہ رضہ اور اس کے دوست صاحب دنیا ہیں۔ دوسرے وہ اس وقت شام کے علاقہ کا حاکم ہے جہاں کے لوگ خود بھی دنیا دار ہیں اور معاویہ رضہ کو چاہتے ہیں اگر آپ معاویہ رضہ کو سر دست اس کے حال پر رہنے دیں گے تو وہ لوگ آپ سے کسی قسم کی پرخاش نہ رکھیں گے اور فساد پیدا نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ اس کو معزول کر دیں گے تو وہ بالضرور آپ کے مخالف ہو جائیں گے آپ بنی امیہ کے توڑ جوڑ

ہے بھی اچھی طرح واقف ہیں وہ لوگ بسرو چشم اور مروان کی باتیں بنا کر شہادت عثمانؓ کا الزام آپ پر عائد کریں گے اور کہیں گے کہ آپ نے خلیفہ کو قتل کرا کر خود خلافت سنبھالی ہے اس طرح سے سارا شام کا علاقہ جہاں اس وقت معاویہ رض کا کافی اثر و رسوخ ہے آپ کے مخالف ہو جائے گا جس کا نتیجہ سوائے فساد اور بد نظمی کے اور کچھ نہیں ہوگا علاوہ ازیں اگرچہ حضرت طلحہ رض اور زبیر رض نے آپ کی بیعت کر لی ہے لیکن میں ان سے بھی مطمئن نہیں ہوں۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ آپ سردست معاویہ رض کو معزول نہ کریں جب وہ آپکی بیعت کر لے تو پھر آپ کا اختیار ہے لیکن جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا تم میرا یہ خط لے کر شام میں چلے جاؤ میں تم کو وہاں کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا کہ یا ابا الحسن آپ کی یہ رائے درست نہیں ہے معاویہ رض جناب عثمان رض کا چچا زاد بھائی ہے میں اس سے ہرگز مطمئن نہیں ہوں۔ وہ حضرت عثمان رض کے عوض مجھے قتل کرا دے گا۔ اور اگر کچھ رحم کیا تو قید کرے گا۔ اور چونکہ میں آپ کا قرابت دار ہوں اور آپ کی طرف سے عامل ہو کر جاؤں گا اس لئے اس کا مجھ پر ہاتھ ڈالنا خود آپ پر ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہے بہتر تو یہی ہے کہ سردست آپ اس کو معزول نہ کریں اور اگر آپ میری عرض کو شرف قبولیت نہیں بخشنا چاہتے تو آپ اپنا خط کسی اور قاصد کے ہاتھ بھیج دیں چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت سبرۃ الجہنی کو طلب فرمایا۔ اور خط دیکر حضرت معاویہ کی طرف بھیج دیا ✦

جب جناب امیر علیہ السلام کا خط معاویہ رض کے پاس پہنچا تو اس نے مطلق کوئی جواب نہ دیا۔ اور جیسے کہ تذکرۃ پہلے ذکر ہو چکا ہے چپ چاپ آپ کے عمال کے ساتھ اندر ہی اندر ساز باز کرتا رہا اور اہل شام کو عثمان رض کا قصاص طلب کرنے پر برانگیختہ کرتا رہا جب اس نے دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں جناب علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت گھر کر گئی ہے اور قصاص عثمان رض کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے تو امیر علیہ السلام کا خط پہنچنے کے تین ماہ بعد بنی عبس نے ایک آدمی کو طلب کیا اور سادہ کاغذوں کا ایک پلندہ دے کر کہا۔ کہ مدینہ منورہ میں دن کے وقت داخل ہو کر دیگر لوگوں کے

سامنے یہ پلندہ جناب امیر علیہ السلام کے حوالے کر دیا چنانچہ معاویہ رض کا قاصد حسب الحکم دن کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور سادہ کاغذوں کا پلندہ دوسرے لوگوں کے سامنے جناب امیر علیہ السلام کے آگے رکھ دیا آپ نے کھول کر دیکھا تو سب کے سب کاغذ سادہ پائے پھر قاصد سے دریافت فرمایا۔ کہ اہل شام کا کیا حال ہے قاصد نے عرض کیا اگر جان کی امان ہو تو عرض کروں آپ نے فرمایا کہ قاصد کا قتل کسی مذہب وملت اور قانون میں جائز نہیں ہے۔ تم بلاخوف بیان کرو قاصد نے کہا کہ میں نے ساٹھ ہزار آدمیوں کو جناب عثمان رض کے خون بھرے کرتے کے نیچے روتے ہوئے دیکھا ہے اور کہتے تھے کہ ہم ضرور عثمان رض کا قصاص لیں گے آپ نے فرمایا کہ کیا وہ مجھے قاتل عثمان رض سمجھتے ہیں قاصد نے عرض کیا کہ ہاں ایسا ہی ہے آپ نے فرمایا۔ خدا قاتلانِ عثمان رض کو خراب کرے اس کے بعد آپ نے قاصد کو رخصت کر دیا۔ اور معاویہ نے لڑائی کرنے کا سامان کرنے لگے ؎

جنگ جمل

افسوس ناک جنگ ۳۶ھ ہجری المقدس میں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم اور جناب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوئی۔ جب حضرت عثمان رض رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اس وقت جناب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ادائے حج کے لئے مکہ معظمہ میں فروکش تھیں اور ان کو مدینہ منورہ کے متعلق کوئی خبر نہیں تھی کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ادائے حج کے بعد آپ مدینہ منورہ کی طرف تشریف لے جا رہی تھیں کہ راستہ میں جناب عثمان رض کے شہید ہو جانے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ مقرر ہونے کی خبر ملی خبر دینے والے نے کچھ ایسی رنگ آمیزی سے واقعات کو بیان کیا کہ جس سے حضرت علی علیہ السلام پر تمام الزام آتا تھا چنانچہ اس خبر کے سنتے ہی آپ واپس مکہ معظمہ کی طرف تشریف لے گئیں۔ اور اگرچہ حضرت طلحہ رض اور زبیر رض نے جناب علی رض کی بیعت کر لی تھی

اور سب سے پہلے کی تھی لیکن وہ دل سے کچھ خوش نہیں تھے دوسرے لوگوں کے بہکانے نے بھی بہت کچھ اثر کیا۔ اور یہ دونو حضرات اور برگشتہ ہو گئے۔ اور جب انہوں نے یہ سنا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ راہ سے پلٹ کر واپس مکہ معظمہ میں چلی گئی ہیں اور جناب عثمان رضہ کا انتقام لینا چاہتی ہیں تو یہ دونو بھی جناب امیر رضہ سے اجازت حاصل کر کے مکہ معظمہ میں چلے گئے لیکن درحقیقت جناب امیر رضہ کو علم نہیں تھا۔ کہ یہ دونو حضرات کیوں مکہ معظمہ جا رہے ہیں ورنہ آپ ہرگز اجازت نہ دیتے۔ جب یہ دونو مکہ میں پہنچ کر ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ مدینہ طیبہ کا کیا حال ہے انہوں نے عرض کیا کہ یا ام المومنین وہاں شور و غوغا مچا ہوا ہے لوگ نہ تو حق کو جانتے ہیں اور نہ باطل سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم وہاں سے چلے آئے ہیں اسی اثنا میں مروان بن الحکم بھی جو شہادت عثمان رضہ کے دن زخمی ہو گیا تھا بنی امیہ کے چند آدمیوں کے ساتھ مکہ معظمہ میں آ پہنچا اور شہادت عثمان رضہ کا واقعہ اس قدر رقت اور رنگ آمیزی سے بیان کیا کہ جناب ام المومنین کو یقین ہو گیا کہ درحقیقت علی رضہ ہی شہادت عثمان رضہ کا باعث ہیں اور وہ جناب امیر رضہ سے قصاص عثمان رضہ طلب کرنے پر تل گئیں ؛

حاکم مکہ کو جب خبر ملی کہ جناب ام المومنین قصاص عثمان رضہ طلب کرنے پر مائل ہیں تو وہ خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ مادر مہربان خاکسار آپ کے قدموں پر نثار ہونے کے لئے تیار ہے سب اہل مکہ نے بھی عہد کر لیا۔ کہ ہم جناب علی کرم اللہ وجہہ سے ضرور عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقام لیں گے۔ چنانچہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں روز جلسے منعقد ہوتے اور لڑائی کی تجاویز سوچی جاتی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ہمیں شام جا کر معاویہ رضہ سے مل جانا چاہیئے اور ہمیں پوری اجتماعی قوت سے جناب امیر علیہ السلام سے مطالبہ کرنا چاہیئے کوئی کہتا تھا۔ کہ نہیں ہمیں معاویہ رضہ سے ملنے اور شام جانے کی احتیاج نہیں ہے ہم خود ہی فیصلہ کریں گے غرض ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہونے پایا تھا کہ کوفہ اور بصرہ کی طرف سے چند آدمی مکہ معظمہ میں پہنچے جب اُن کو حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کہا شام جا کر معاویہ سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے تم سب کو بصرہ کی طرف چلنا چاہیے شام

میں اکیلا معاویہ ہی کافی ہے بصرہ کے لوگ حضرت طلحہ رضہ کی طرف مائل ہیں وہاں سے ہم کو کافی مدد مل سکے گی اور ہم اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے چنانچہ اس صلاح کو سب نے منظور کر لیا لیکن ام المؤمنین نے بصرہ کی طرف جانا پسند نہ کیا۔ جب حضرت طلحہ رضہ وزبیر رضہ کو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین رضہ بصرہ کی طرف جانا پسند نہیں کرتیں۔ تو دونوں حضرات ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے مادر مہربان لڑائی ہی عورتوں کا کام نہیں آپ صرف بصرہ میں ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو قصاص عثمان رضہ کے لئے آمادہ کر دیں بقیہ سارا انتظام ہم خود کر لیں گے۔ اور آپ اطمینان سے بیٹھی رہیں چنانچہ سمجھانے بجھانے کے بعد آپ بصرہ جانے پر رضامند ہو گئیں آپ کے ہمراہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضہ بھی تیار ہوئیں لیکن جب آپ کے بھائی عبداللہ بن عمر رضہ کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضہ کو بصرہ جانے سے روک دیا اور باقی قافلہ بصرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ادھر مکہ معظمہ میں تو جناب امیر علیہ السلام کے برخلاف لڑائی کے منصوبے ہو رہے تھے اور لڑائی کی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد قافلہ بصرہ کی جانب روانہ بھی ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف جناب امیر علیہ السلام ان حالات سے بالکل بے خبر تھے اور وہ مدینہ طیبہ میں معاویہ رضہ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اتنے میں اچانک آپ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے برخلاف ہو جانے اور بصرہ کی طرف روانگی کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے فوراً اہل مدینہ کو طلب کر کے سارا حال سنایا اور فرمایا کہ معاویہ رضہ کے فتنے سے یہ فتنہ بہت بڑا ہے پہلے اس کا تدارک کرنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے جھٹ پٹ تیاری کا حکم دے دیا۔ اور فوراً بصرہ کی طرف لشکر لے کر روانہ ہو گئے تاکہ ام المؤمنین کے بصرہ پہنچنے سے پیشتر ان کو راہ میں ہی جا لیں۔ لیکن جب آپ اس مقام پر پہنچے جہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بصرہ کی طرف جانے والے راستے ملتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین آگے نکل چکی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں قیام فرمایا اور مزید مکمل تیاریاں کرنے کیلئے اپنے آدمی مکہ اور کوفہ کیطرف بھیجے لیکن کوفہ کے حاکم ابو موسیٰ اشعری نے کسی قسم کی امداد دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ عثمان رضہ کا انتقام ضروری ہے

آپ نے پھر کوفہ میں اپنے صاحبزادے حضرت امام حسنؑ علیہ السلام کو بھیجا مگر ابو موسیٰ اشعری نے پھر نہ مانا اور وہی جواب دیا جو پہلے محمد بن ابوبکر کو دے چکا تھا آخر کار آپ نے عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ مالک اشترؓ کو بھیجا عمار یاسر اور مالک اشتر نے ابو موسیٰ اشعری کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا مالک اشتر نے جب دیکھا کہ حاکم کوفہ کسی طرح سیدھا نہیں ہوتا۔ تو فوراً دارالامارۃ میں گئے۔ اور وہاں اپنا قبضہ جما دیا ملازموں اور غلاموں کو مار مار کر نکال دیا جب ابو موسیٰ اشعری کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے آکر مالک اشتر کو اس مداخلت بے جا پر بہت کچھ سخت سست کہا لیکن مالک اشتر نے جواب دیا کہ ابو موسیٰ یہ مکان مسلمانوں کے امیر حضرت علیؓ کا ہے اور تو اس کا نوکر اور عامل ہے چونکہ تو نے اپنے خلیفہ سے سرکشی کی ہے اس لئے میں نے تیرے مال و متاع اور دارالامارۃ پر قبضہ کر لیا ہے۔ مالک اشتر کے اس جواب سے ابو موسیٰ اشعری دب گیا اور آناً فاناً میں سارا کوفہ مطیع ہو گیا۔ جہاں سے خاصی فوجی امداد لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آملے۔ دیگر اطراف سے بھی امداد آجانے پر آپ نے بصرہ کی طرف کوچ کا حکم دے دیا اور ۱۵ جمادی الآخر ۳۶ھ کو آپ بصرہ میں پہنچ گئے۔

اب ذرہ کچھ حال بصرہ کا بھی سنئے! جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ معہ لشکر بصرہ میں داخل ہوئیں تو وہاں ہل چل سی مچ گئی کوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حق پر کہتا تھا۔ کوئی جناب ام المومنین کو حاکم بصرہ بھی گومگو میں تھا۔ فریقین کو دیکھتا اور حیران رہ جاتا تھا ایک طرف خلیفۂ وقت اور دوسری طرف آقائے نامدار جناب رسول مقبول صلعم کی محبوب زوجہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور دونو کے ہمراہ اصحاب رسول اللہ جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی غرض حاکم بصرہ کے لئے ایک عجیب کشمکش کا عالم تھا آخر اس نے اپنے دل سے فیصلہ کر کے اُم المومنین کی مخالفت کا ارادہ کیا۔ اور بیشتر اس کے خود جناب امیر المومنین بصرہ پہنچکر ام المومنین سے مقابلہ کریں خود مقابلہ پر کھڑا ہو گیا اور لڑائی شروع ہو گئی جس میں طرفین کا بہت سا نقصان ہو گیا اُم المومنین یہ حالت دیکھ کر گھبرائیں اور فرمایا میں خون بہانے کے لئے نہیں آئی بلکہ

خون کا انتقام لینے آئی ہوں چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی۔ لیکن عثمانؓ ابن حنیف حاکم بصرہ نے کہا کہ آپ کا فرمان بسر و چشم منظور ہے۔ لیکن چونکہ طلحہؓ اور زبیر نے خلیفہ وقت کی بیعت کو توڑا ہے حالانکہ سب سے پہلے انہی نے ان کی بیعت کی تھی اس واسطے جب تک یہ دونو حضرات آپ سے جدا نہ ہوں گے میں صلح نہیں کر سکتا۔ ام المومنین نے فرمایا کہ بیشک تم سچ کہتے ہو لیکن انہوں نے برضا و رغبت علیؑ کی بیعت نہیں کی۔ بلکہ مالک اشتر کے مجبور کرنے سے ڈر کر بیعت کی تھی میں اس بات کی تصدیق کے لئے مدینہ طیبہ سے دریافت کرتی ہوں اگر یہ ثابت ہو گیا کہ انہوں نے بخوشی خاطر بیعت نہیں کی تب تمہیں بصرہ خالی کرنا پڑے گا اور اگر یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنی خوشی سے بیعت کی ہے تو تم بے قصور ہو گئے اور ہم بصرہ خالی کر دیں گے اور میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں گی اس عرصے میں جب تک کہ قاصد مدینہ منورہ سے واپس نہ آئے آدھا بصرہ ہمارے قبضہ میں رہے گا اور آدھے پر تم اپنا قبضہ رکھو چنانچہ حاکم بصرہ اس بات پر رضامند ہو گیا اور ام المومنین نے کعب بن سواد کو دریافت حال کے لئے مدینہ منورہ کی طرف بھیجا ؛

قاصد نے مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمانوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی طلحہؓ اور زبیر نے برضا و رغبت خود بیعت نہیں کی تھی چنانچہ قاصد نے بصرہ پہنچ کر سارا حال ام المومنین سے عرض کر دیا اب بموجب قرار داد کے حاکم بصرہ کو لازم تھا کہ وہ شہر چھوڑ کر چلا جائے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر کے لڑائی کا حکم دے دیا لیکن چند گھنٹوں میں ہی اس نے شکست کھائی اور خود زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا طلحہؓ اور زبیر اس کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن ام المومنین نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بھی رسول اللہ صلعم کا صحابی ہے چنانچہ آپ نے حاکم بصرہ کو رہا کر دیا ؛

اتنے میں جناب امیر علیہ السلام بھی بصرہ میں آ پہنچے جب طلحہؓ اور زبیر کو جناب امیر علیہ السلام کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھی مقابلہ کے لئے نکلے صف بندی ہو جانے کے بعد جناب امیر علیہ السلام نے اپنی فوج کو مخاطب کر کے ایک پرجوش

تقریر کی اور آخیر میں فرمایا کہ جو لوگ قتل عثمانؓ میں شریک رہ چکے ہیں میں اِن کے نام جانتا ہوں بہتر ہے کہ وہ خود بخود مجھ سے الگ ہو جائیں ورنہ میں خود اِن کو نکال دوں گا چنانچہ اس نرالے حکم کے سنتے ہی بقول بعض پانچ سو اور بقول بعض ایک ہزار آدمی جو قتل عثمانؓ میں شریک تھے دم بخود ہو گئے اور مجبوراً ان کو جناب امیر علیہ السلام کی فوج سے نکلنا پڑا ان کا خیال تھا کہ جناب علی رضؓ ہم سے محبت کرتے ہیں مگر اس نرالے حکم نے ان کے اوسان خطا کر دیئے مالک اشتر جن کا اسم گرامی کئی بار آ دیر آچکا ہے انہی لوگوں میں تھے۔ جناب امیر علیہ السلام کے اس حکم سے ان کو بڑا فکر پیدا ہوا اور سوچنے لگے کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔ اگر یہ لوگ آپس میں صلح کرلیں گے تو یقیناً ہمیں قصاص عثمانؓ میں قتل کردیں گے افسوس ہے کہ ہم نے جناب امیر علیہ السلام کی اس قدر خدمات انجام دی ہیں جن کا کوئی ٹھکانا نہیں لیکن اس کے صلے میں ہمیں یہ انعام ملتا ہے۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے ہمیں اپنا دشمن سمجھ کر نکال دیا جب امیر علیہ السلام نے ہی ہمیں اپنا دشمن سمجھا تو جو شخص قتل عثمانؓ کا قصاص مانگتے ہیں وہ ضرور ہمیں اپنا دشمن تصور کریں گے آخر کار اسی پریشانی اور گھبراہٹ کی حالت میں انہوں نے یہ تجویز کی کہ چپ چاپ کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں۔ لیکن مالک اشتر نے کہا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے لئے اس وقت سب سے بہتر وہی چارہ کار ہیں یا تو ہم علیؓ کو قتل کردیں۔ اس سے طلحہؓ و زبیر خوش ہو جائیں گے اور ہم بچ رہیں گے یا کوئی ایسی تجویز ہو کہ فریقین میں صلح نہ ہونے پائے۔ اور جب لڑائی ہو۔ تو چپ چاپ علیحدہ تماشہ دیکھیں اور جب ہمیں کسی فریق کی مغلوبیت معلوم ہو جائے۔ تو اسوقت فریق مغلوب کا ساتھ دیں۔ تاکہ وہ ہمارا ممنون احسان ہو۔ اور ہم پر کسی قسم کی زد نہ آنے پائے۔ مالک اشتر کی زبان سے یہ الفاظ سنکر دوسرے لوگوں نے کہا۔ کہ ہمیں سردست علی کرم اللہ وجہہ پر ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ہم نے ایسا کیا۔ تو بعد میں طلحہؓ و زبیر حضرت علی کا قصاص ہم سے طلب کریں گے۔ اور ہمیں ضرور قتل کرادیں گے۔ البتہ دوسری تجویز بہتر معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ سارے کے سارے علیحدہ صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے اور تجویزیں کرنے لگے۔ اور کسی طرح

ان میں صلح نہ ہونے پائے ۔
پہلا دن تو ترتیب اور صف بندی میں صرف ہو گیا۔ دوسرے دن بھی صلح صفائی کی گفتگو ہوتی رہی۔ لیکن نتیجہ نہ نکلا۔ تیسرے دن جناب امیر علیہ السلام نے حضرت طلحہؓ اور زبیر کو طلب فرمایا۔ اور کہا کہ ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے سے جنگ آزما ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ہم تو ایک ہی دین و ملت میں ہیں اور ایک دوسرے کے رشتہ دار ہیں حضرت طلحہؓ بولے کہ تم نے جناب عثمانؓ کو شہید کرایا ہے یہ تمہارا قصور ہے۔ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ ایک فضول اور جھوٹا شک تمہارے دلوں میں پڑ گیا ہے اس کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ تم دونوں خدا سے دعا کریں کہ یا الہٰی جس نے عثمانؓ کو شہید کرایا یا کیا یا اس سے خوش ہوا اس پر لعنت بھیج حضرت طلحہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش ہو گئے پھر حضرت زبیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ آپ کو وہ حدیث یاد نہیں ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ اے زبیرؓ اس دن سے ڈر جب تو علی پر فوج کشی کرے گا۔ اور تو ناحق پر ہوگا۔ حضرت زبیرؓ نے یہ الفاظ سنتے ہی سر جھکا لیا۔ اور کہا کہ واللہ مجھے یہ حدیث یاد ہوتی۔ تو ہرگز یہاں تک نہ آتا۔ میں بھول گیا تھا۔ اب میں قسم کھاتا ہوں۔ کہ تم سے جنگ نہیں کروں گا۔ یہ کہہ کر واپس خدمت ام المؤمنین میں حاضر ہوئے۔ اور سارا واقعہ کہہ سنایا اور کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں۔ کہ علی کے مقابلہ پر نہیں نکلوں گا۔ لیکن طلحہ رضا اور جناب ام المؤمنین نے سمجھا بجھا کر ان کو راضی کر لیا۔ لیکن لڑائی ہوتے ہوتے رک گئی اور پھر صلح کی گفتگو شروع ہوئی ۔

قاتلان حضرت عثمان رضؓ جو چپ چاپ علیحدہ صف بندی کئے ہوئے تھے۔ وہ سخت ہراسان ہو رہے تھے۔ جوں جوں لڑائی میں توقف ہوتا جاتا تھا۔ ان کے حوصلے پست ہوتے جاتے تھے۔ ان کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ اگر صلح ہو گی۔ تو اس شرط پر ہو گی۔ کہ قاتلان عثمان رضؓ کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا۔ کہ فریقین میں صلح نہ ہونے دی جائے اور خود لڑائی کا میدان گرم کر دیں تیسرا دن ختم ہونے پر رات کے وقت وہ لوگ تین حصوں پر منقسم ہو گئے

اور رات کے اندھیرے میں ام المومنین رض کی فوج پر حملہ کر دیا حضرت طلحہ رض و زبیر رض اور دوسرے سرداران فوج نے سمجھا کہ یہ حملہ علی نے کیا ہے۔ اُس نے عہد کو توڑ ڈالا۔ اور دغا دے کر ہم پر شبخون مارا ہے چنانچہ انہوں نے بھی حضرت علی کے لشکر پر حملہ کر دیا ادہر تو اُن لوگوں نے یہ آگ لگائی اور دوسری طرف مالک اشتر حضرت علی رض کی خدمت میں دوڑے دوڑے آئے اور کہا کہ اے امیر المومنین دیکھا۔ یہ لوگ غدار ہیں آپ نے خواہ مخواہ ہمیں اپنا دشمن تصور کر کے نکال دیا تھا اجازت عطا فرمائیں تاکہ آپ کے قدموں پر نثار ہوں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اجازت دے دی کچھ آدمی حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں گئے۔ اور کہا کہ علی نے آپ کو دھوکا دیا ہے ایک طرف تو اُس نے آپ کو صلح کا پیغام دیا اور کہا کہ میں خونریزی نہیں چاہتا اور خود ہی عہد توڑ کر آپ کی فوج پر شبخون مارا چنانچہ ام المومنین نے بھی لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اور خود غرض لوگوں نے دھوکے اور فریب کے ساتھ مسلمانوں کی آپس میں لڑائی کروا دی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دوران لڑائی میں صلح کی پھر کوشش کی اور مسلم ابن عبداللہ کو قرآن دے کر طلحہ رض اور زبیر کے پاس بھیجا۔ لیکن چونکہ وہ رات والے شبخون سے بدظن ہو گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس کوشش کو بھی فریب سمجھا۔ اور مسلم بن عبداللہ کو قتل کر دیا آخرکار اس طرح دھوکے اور فریب سے لڑائی کا میدان گرم ہو گیا فریقین داد شجاعت دیتے اور قتل ہوتے جاتے تھے۔

ام المومنین اونٹ پر سوار ہو کر قلب لشکر میں کھڑی فوج کا دل بڑھا رہی تھیں دوسری طرف جناب امیر علیہ السلام اپنے لشکر کو حوصلہ دے رہے تھے۔ عین جنگ میں ام المومنین نے فرمایا کہ اے فرزندو کون تم میں سے اپنے رسول پاک کی حرم محترم کے اونٹ کی مہار سنبھالے گا اس آواز کے سنتے ہی کعب بن سعد دوڑ کر ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ اے مادر مہربان آپ کا غلام خدمت گزاری کو حاضر ہے یہ کہا اور اونٹ کی مہار پکڑ لی پھر ام المومنین نے کعب کو قرآن شریف دے کر حکم دیا۔ کہ قرآن شریف کو بلند کر کے اہل کوفہ سے کہو کہ اپنے خدا کی کلام پاک کی عزت و حرمت کریں

اور خواہ مخواہ مسلمانوں کے گلے نہ کاٹیں۔ قاتلان عثمان کو پھر خطرہ ہوا کہ اگر علی کی فوج نے کعب کے ان الفاظ کو سن لیا تو وہ ہتھیار رکھ دیں گے۔ ان کی صلح ہو جانے پر ہماری شامت آجائے گی چنانچہ مالک اشتر نے بڑھ کر کعب بن سعد پر البیا تلا ہوا ہاتھ رسید کیا۔ کہ وہ شہید ہو گیا۔ اس کے بعد کعب کا دوسرا بھائی یہ پیغام دینے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن مالک اشتر کی تلوار سے وہ بھی شہید ہو گیا پھر تیسرا بھائی آیا۔ لیکن وہ بھی مالک اشتر کی ہاتھ سے شہید ہو گیا ابن زبیر نے یہ حال دیکھ کر مالک اشتر پر حملہ کیا۔ مگر زخمی ہو گئے۔ اور مالک اشتر حضرت علی رضہ کی فوج میں جا ملا۔

لڑائی کی شدت اور مقتولین کی کثرت کو دیکھ کر جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی فوج کو پکارا اور کہا۔ کہ افسوس ہے یہ لڑائی ہم کو اپنے مسلمان بھائیوں اور رشتہ داروں سے پیش آگئی نہیں معلوم اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ اس لئے لازم ہے کہ تم کسی کو جان سے مت مارو تعاقب نہ کرو۔ مال نہ لوٹو خود کسی پر حملہ نہ کرو۔ اگر وہ تم پر حملہ کریں تو البتہ ترکی بہ ترکی جواب ضرور دو۔ جب حضرت طلحہ رضہ و زبیر رضہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہ الفاظ سنے تو انہوں نے بھی یہی منادی اپنی فوج میں کرا دی۔ اسی اثنا میں جب کہ منادی ہو رہی تھی حضرت طلحہ رضہ کے ایک تیر آکر لگا۔ اول اول تو انہوں نے پرواہ نہ کی لیکن بکثرت خون بہنے کے باعث ناطاقتی نے آدبایا۔ اور میدان سے باہر نکل گئے۔ اور وہیں جان شیریں جان آفریں کے سپرد کی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ٥ جب حضرت زبیر نے حضرت طلحہ رضہ کو میدان میں نہ دیکھا۔ تو کچھ گھبرا گئے۔ اور میدان سے واپس پلٹے۔ لیکن عمرو بن جرموز نے تعاقب کر کے بے خبری میں زبیر رضہ پر وار کیا اور سر کو تن پر سے جدا کر کے خدمت امیر المومنین میں حاضر ہوا آپ زبیر رضہ کے سر کو دیکھ کر سناٹے میں آ گئے عمرو بن جرموز اپنی بہادری کی ڈینگیں مار رہا تھا کہ آپ کی زبان سے نکلا اے عمرو بن جرموز تجھ کو دوزخ کی بشارت دیتا ہوں عمرو بن جرموز نے کہا کہ آپ بھی اُمت کے لئے ایک عجیب بلا ہیں۔ اگر تمہاری موافقت کریں اور تمہارے دشمنوں کو قتل کریں تو ہم بھی دوزخی ہیں اور اگر

تم سے منہ پھیریں اور تمہارے دشمنوں سے مل جائیں یا الگ رہیں۔ تو بھی ہم کو دوزخی بناتے ہو۔

جب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضہ نے طلحہ اور زبیر کو میدان میں نہ دیکھا تو بڑی حیران ہوئیں اور آخر کار صفوں کو چیر کر خود فوج کو لڑانے لگیں۔ جب اہل بصرہ نے دیکھا کہ ام المومنین خود میدان قتال میں مردانہ وار کھڑی ہیں۔ تو اپنے رسول پاک صلعم کی محبوب ترین زوجہ ام المومنین کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہو گئے اور جانیں نثار کرنے لگے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ حال دیکھا تو ان کو بڑا فکر پیدا ہوا اور مالک اشتر سے فرمایا۔ کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو۔ کہ کسی طرح جناب ام المومنین کا اونٹ قتل کر دیا جائے ورنہ یہ لڑائی ہرگز ختم نہ ہوگی۔ اور تمام لشکر ایک ایک کرکے ام المومنین کے قدموں پر نثار ہو جائے گا۔ مالک اشتر ان الفاظ کو سن کر دوڑ کر اونٹ کے پاس پہنچا اور مہار پکڑنے والے کو قتل کر دیا لیکن دوسرے لوگ قتل ہونے کی پرواہ نہ کرکے ایک ایک کرکے آتے اور ام المومنین کے قدموں پر نثار ہو جاتے آخر کار مالک اشتر نے اونٹ کو تلوار ماری جس کی ضرب سے وہ زخمی ہو کر گر پڑا ام المومنین کے بھائی محمد بن ابو بکر نے جب اونٹ کو گرتے دیکھا تو دوڑ کر سنبھالا دینے کے لئے آگے بڑھا اور کجاوے میں ہاتھ ڈال کر ام المومنین کو اٹھایا۔ آپ کے بدن مبارک کو ہاتھ لگنا تھا۔ کہ غضب میں آگئیں۔ اور فرمایا۔ کہ وہ ہاتھ جلے جس نے اس جسم کو چھوا۔ جس کو سوائے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی نے آج تک نہیں چھوا۔ یہ غضب آلود الفاظ سن کر محمد بن ابو بکر رضہ نے عرض کیا کہ اے بہن گھبرائیں نہیں۔ میں آپ کا بھائی محمد بن ابو بکر رضہ ہوں دعا کرو کہ یہ ہاتھ دنیا میں جلے عاقبت میں نہ جلے۔ ام المومنین نے ان الفاظ کو سنکر خدا کا شکر کیا۔ اور فرمایا۔ شکر ہے۔ تو سلامت ملا۔ اس کے بعد آپ کو دوسرے اونٹ پر سوار کر دیا گیا اور شہر میں لائے اس طرح سے اس خونریز جنگ کا خاتمہ ہوا۔ جناب امیر علیہ السلام کے بائیس ہزار لشکر میں سے تین ہزار آدمی اور ام المومنین کے تیس ہزار میں سے تیرہ ہزار آدمی مقتول ہوئے۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد لوگوں نے مال غنیمت کو تقسیم کرنا چاہا۔ لیکن امیرالمومنین نے غضب آلود ہو کر فرمایا یہ مال مقتولین کے وارثوں کو دے دو۔ مسلمانوں کا مال مسلمانوں کو لینا حرام ہے اس کے بعد آپ ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ کہ یا ام المومنین اللہ تعالےٰ سے دعا کریں۔ کہ وہ اپنی مہربانی سے ہمارے تمہارے گناہ معاف کرے۔ ام المومنین نے جواب دیا۔ آمین اللہ تعالےٰ ہمارے گناہوں کو بخشے۔ اس کے بعد آپ نے ام المومنین کو عورتوں کے رسالہ کے ہمراہ جن کو مردانہ لباس اس لئے زیب تن کرایا گیا تھا کہ مبادا راہ میں کوئی مکروہ امر پیش نہ آئے۔ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ میں بھیج دیا ؛

جنگِ صفین

جنگ جمل سے پیشتر جناب امیر علیہ السلام معاویہ رضؓ سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ لیکن جب آپ کو طلحہ زبیر اور ام المومنین حضرت عائشہ کے بگڑ کر بصرہ کی طرف جانے اور قصاص عثمان لینے کے لیئے لڑائی کا ارادہ معلوم ہوا تو آپ نے معاویہؓ کے فتنے سے پہلے اس فتنہ کا دبانا ضروری خیال کیا۔ اب جب کہ جنگ جمل سے فراغت ہوئی تو آپ نے شام کا رخ کیا۔ تاکہ معاویہ کا انسداد کیا۔ جائے معاویہؓ کو بھی حضرت علیؑ کی لشکر کشی کی اطلاع ہوئی بس پھر کیا تھا اس نے تو پہلے ہی اہل شام کو قصاص عثمان رضؓ طلب کرنے کے لئے دیوانہ بنا رکھا تھا فوراً لشکر لے کر آگے بڑھا۔ لشکر معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش ۲۵ ہزار سوار اور پیادوں پر مشتمل تھا جو عمرو بن العاص کے غلام وردان کی ماتحتی میں تھا اور سارے لشکر کی سپہ سالاری عمرو بن العاص، وزیر معاویہ کے سپرد تھی خود امیر معاویہ جرار لشکر لئے سب کے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اگرچہ اہل شام بڑے لاؤ لشکر اور غرور و تکبر کے ساتھ جناب امیر علیہ السلام سے قصاص عثمان طلب کرنے کے لئے آرہے تھے لیکن جوں ہی انہوں نے ہاشمی تلوار کو دیکھا۔ تو جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اور مقابلہ سے جی چرانے

لگے۔ جب معاویہؓ کو اس حال کی خبر ہوئی تو بہت پیچ و تاب کھایا۔ اور دروان کو معزول کر کے فن حرب کے ایک بڑے ماہر ابو الاعورا سلمی کو مقدمتہ الجیش کا سپہ سالار مقرر کیا چنانچہ ابو الاعور اسلمی اپنی ماتحت فوج کو لے کر بڑھا۔ اور فرات کے کنارے امیر علیہ السلام کے ہراول دستہ سے جا ٹکرایا لیکن دو تین جھڑپوں کے بعد ہی جی چھوڑ بیٹھا۔ رات کو جب فریقین نے آرام کیا تو ابو الاعور نے چوری چوری فرات کے کنارے سے کوچ کر کے مقام صفین میں جا ڈیرا لگایا۔ اور امیر معاویہ رضہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے مرعوب ہو کر نہیں چھوڑا بلکہ وہ تنگ اور ناموزوں مقام تھا۔ اور غنیم کو مزید کمک پہنچ جانے پر ہمیں کثرت نقصان کا اندیشہ تھا صفین کا مقام ایک وسیع مقام ہے اور ایسی جگہ پر میرا مقام ہے۔ کہ غنیم پانی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ معاویہ رضہ نے خوش ہو کر ابو الاعور کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی دوسرے دن جب صبح ہوئی تو امیر المومنین نے اہل شام کو مقابلے پر نہ دیکھ کر خود بھی ان کے تعاقب میں کوچ کا حکم دیدیا اور ابو الاعور کے بالمقابل ڈیرہ جا لگایا پانی کی دقت کو محسوس کر کے مالک اشتر نے عرض کیا۔ کہ امیر المومنین آرام کا وقت نہیں ہے بہتر ہے کہ اسی وقت حریف کو پیغام جنگ دیدیا جائے امید ہے کہ غنیم بالضرور مرعوب ہو کر پیچھے ہٹ جائے گا اور ہمیں پانی کی دقت نہ ہو گی لیکن امیر المومنین نے مالک اشتر کی رائے کو ناپسند کر کے معاویہ رضہ کی طرف پیغام بھیجا کہ میں پانی کی اوچھی لڑائی کرنے نہیں آیا ہوں۔ اس لئے دریا کے پانی کو آزاد رکھنا چاہیئے امیر معاویہ رضہ نے سرداروں سے مشورہ کیا۔ اگرچہ عام سرداروں نے پانی کو آزاد نہ کرنے کی رائے دی لیکن عمرو بن العاص نے بڑے زور کے ساتھ اس رائے کی تردید کی۔ جسکو حضرت معاویہ رضہ نے تسلیم کر کے ابو الاعور کے نام پانی کی آزادی کا حکم بھیج دیا ؞

دوسرے دن امیر المومنین نے معاویہ رضہ سے لڑائی کو باز آنے اور بیعت کرنیکا پیغام بھیجا۔ لیکن معاویہ نے صاف انکار کر دیا۔ مجبور اجناب امیر علیہ السلام نے صف بندی کا حکم دیدیا اور یکم ذوالحجہ ۳۶ھ کو لڑائی شروع ہو گئی سارا مہینہ جنگ میں صرف ہو گیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور طرفین کے بیشمار آدمی مارے گئے۔ اور

محرم ۳۷ھ ہجری میں بوجہ حرمت محرم الحرام لڑائی بند کر دی گئی - اور دونو لشکر آمنے سامنے پڑے رہے - اگرچہ اس توقف کے دوران میں بھی جناب امیر المومنین نے صلح کی کوشش کی - مگر افسوس کہ کچھ نتیجہ نہ نکلا - جوں جوں نرمی برتی جاتی تھی - حریف زیادہ آنکھیں دکھاتا تھا - محرم کا مہینہ ختم ہوتے ہی آپ نے معاویہ رض کے پاس پھر پیغام بھیجا سفیر نے ایک تیز و تند تقریر کی اور معاویہ رض کو تو اس کے منہ پر آزادی کے ساتھ بہت کچھ سخت سست کہا جس سے معاویہ رض کو بڑا رنج پیدا ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے علی کرم اللہ وجہہ سے کوئی پرخاش نہیں ہے ہیں صرف حضرت عثمان رض کا قصاص ان سے طلب کرتا ہوں یہی لڑائی کی اصل وجہ ہے اگر ان کو قتل عثمان رض سے انکار ہے اگر شہادت عثمان رض میں ان کا کوئی دخل نہیں ہے تو انہوں نے قاتلان عثمان رض کو اپنے ہاں پناہ کیوں دی ہے چونکہ امر واقعہ اس کے خلاف ہے اس واسطے ہمارا یقین ہے کہ شہادت عثمان رض حضرت علی رض کی ایما سے ہوئی اگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے - تو قاتلان عثمان رض کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم ان کو قتل کر کے قصاص عثمان رض سے سبکدوش ہوں اگر علی کرم اللہ وجہہ قاتلان عثمان رض کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے تو صلح ہرگز نہ ہوگی کیونکہ صلح کی صرف یہی ایک شرط ہے سفیر نے جواب دیا - کہ قاتلان عثمان رض میں تم حضرت عمار یاسر کا نام بھی لیتے ہو - ایسے جلیل القدر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے گناہ تمہارے حوالے نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر کوئی کسی قسم کا ثبوت نہیں ہے - لیکن معاویہ رض نے یہ کہکر سفیر کو واپس کر دیا کہ عثمان رض کے مقابلہ میں عمار بن یاسر کی کوئی حقیقت نہیں ہے جناب امیر رض کے سفیر ناکام واپس آئے - تو مجبوراً آپ نے صف بندی کا حکم دیدیا اور یکم صفر ۳۷ھ ہجری کو میدان کارزار پھر گرم ہو گیا ٭

سات روز تک انفرادی جنگ ہوتی رہی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا آخر کار جناب امیر المومنین نے ایک اجتماعی اور فیصلہ کن حملے کا ارادہ کیا اور فوج کے سامنے ایک نہایت برجستہ تقریر کی - اور یک لخت حملہ کرنے کا حکم دیدیا - شامیوں نے بھی جان توڑ مقابلہ کیا خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی لیکن کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوا

دوسرے دن سورج نکلتے ہی پھر لڑائی شروع ہو گئی عمرو بن العاص نے لشکر امیر المومنین کے دائیں بازو کو کمزور دیکھ کر ساری طاقت اسی طرف خرچ کر دی جس سے ہاشمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے جب جناب امیر علیہ السلام نے میمنہ کو بے ترتیب اور پیچھے ہٹتے دیکھا۔ تو قلب اور میسرہ کی فوج کو حکم دیا تاکہ وہ میمنہ کو امداد دیں لیکن قلب اور میسرہ کی افواج نے آپکے اس حکم کی ہرگز تعمیل نہ کی آپ اس حالت کو دیکھ کر جلال میں آگئے اور تلوار سونت گھوڑے سے اتر کر تن تنہا شیر ببر کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے اور دشمن کی صفوں میں ایک تزلزل برپا کر دیا ذوالفقار حیدری نے شامیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا آپ کے تینوں صاحب زادے حسنؑ حسینؑ اور محمد بن حنفیہ بھی اپنے باپ کی معیت میں فوراً تلواریں علم کرکے پاپیادہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور ہاشمی تلوار کے وہ جوہر دکھائے کہ شامی لوگ انگشت بدنداں رہ گئے ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا باپ بیٹوں کی اس جرأت نے جناب امیر علیہ السلام کے تھکے ہوئے مردہ لشکر میں از سر نو جان ڈال دی مالک اشتر نے اس حال کو دیکھا تو تلوار علم کرکے زرہ کو پھینک اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح شامیوں پر جا پڑا بس پھر کیا تھا۔ امیر المومنین کی سپاہ کے دلوں میں ایک تازہ جوش بھر گیا اور اس قدر تندی اور تیزی سے اہل شام پر حملہ کیا جسکی وہ تاب نہ لاکر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اور افراتفری کے عالم میں ان کو کچھ سدھ بدھ نہ رہی اور ایک دوسرے پر گرنے لگے معاویہ بھی گھبرا گیا اور فرار ہونے پر مجبور ہوا ؎

عمار یاسر۔ مالک اشتر حسنین علیہ السلام بڑھ بڑھ کر تلواریں مارتے تھے۔ اور شامی افواج کا صفایا کر رہے تھے اثنائے جنگ میں حضرت عمار یاسرؓ سے پانی طلب کیا کسی نے آپ کو دودھ پلا دیا۔ عمارؓ نے دودھ دیکھ کر فرمایا غالباً میرا آخری وقت آگیا ہے یہ کہا اور دودھ پی کر خود عمرو بن العاص پر حملہ کیا لیکن شامیوں نے گھبرا کر آپ کو شہید کر دیا عمار کا شہید ہونا تھا کہ لشکر معاویہ میں سے ایک شخص نے تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ اور کہا کہ توبہ معاذ اللہ ہم تو باغیوں سے ہیں۔ عمرو بن العاص نے سبب پوچھا تو اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی وہ حدیث یاد آگئی ہے جس میں آپ نے حضرت عمار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے اور تمہاری آخری خوراک دودھ ہوگا۔ آج جناب سرور کائنات صلعم کی حدیث پوری ہوئی جس سے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ہم فی الحقیقت جناب امیرالمومنین سے باغی ہیں معاویہ رض نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ باغی خود علی کرم اللہ وجہہ ہیں جو عمار کو ہم پر چڑھا لائے اس لئے وہی ان کے قاتل ہیں اس شخص نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اگر یہ درست ہے۔ تو بدر واحد وغیرہ کی تمام لڑائیوں کے واقعات مدنظر رکھو کہ ان لڑائیوں میں جو مسلمان شہید ہوئے ان سب کا الزام آنحضرت صلعم پر عائد ہوگا حالانکہ یہ ٹھیک نہیں ہے معاویہ رض اس جواب سے خاموش ہو گیا اور جب امیرالمومنین کو عمار کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو آپ بہت متالم ہوئے اور معاویہ رض کو آواز دیکر فرمایا۔ کہ ناحق مسلمانوں کا خون نہ کراؤ اور تم خود مجھ سے لڑ کر فیصلہ کر لو۔ لیکن معاویہ نے آپکے مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ کی اتنے میں رات سر پر آگئی اور فریقین اپنے اپنے مقام پر واپس آگئے اسی طرح رات پڑ جانے کے باعث شامی افواج پھر کچھ عرصہ کے لئے سنبھل گئیں اور اگلے دن پھر گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی اور چند گھنٹوں میں ہی شامی افواج کا صفایا ہو گیا بقیۃ السیف نے بے تحاشا راہ فرار اختیار کی اپنی فوج کی یہ بدترین حالت دیکھ کر معاویہ رض نے عمرو بن العاص سے کہا کہ کیا اب ہم یہیں ذوالفقار حیدری کے شکار بنیں گے یا کوئی تدبیر بچاؤ کی ہو سکے گی عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ بالکل نہ گھبرائیں میرے پاس آخری تجویز ہے جس سے نہ صرف ہمارا ہی بچاؤ ہو سکتا ہے بلکہ بغیر جنگ کے ابھی افواج علوی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ معاویہ رض نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو کیا اس تدبیر پر اس وقت عمل کرو گے جبکہ ہمارا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا عمرو بن العاص نے اپنی فوج کو حکم دیدیا کہ وہ قرآن مجید کو نیزوں پر باندھ کر بلند کریں چنانچہ اسی کی فوراً تعمیل ہوئی۔ جب علوی رض فوج نے قرآن شریف کو نیزوں پر دیکھا تو فوراً تلوار کو نیام میں ڈال لیا اور چپ چاپ جہاں تھے وہیں کھڑے ہو گئے۔ جناب امیر علیہ السلام نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ شامی لڑائی تو کر چکے اب مکر

قریب پر تل گئے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم بے پرواہ ہو کر میدان میں ڈٹے رہو درحقیقت
معاویہ رض شکست پا چکا ہے اب کوئی دم کی کسر ہے لیکن آپ کی افواج نے ہتھیار
اٹھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم قرآن شریف کی پناہ لینے والوں سے تلوار نہیں اٹھا
سکتے اگرچہ جناب امیر علیہ السلام نے بہتیرا سمجھایا کہ تلوار ہاشمی کے خوف سے
یہ مکر کیا گیا ہے تم اس کی پرواہ نہ کرو لیکن فوج نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ
اگر آپ نے اب ہمیں حملہ کرنے کا حکم دیا یا آپ نے تلوار اٹھائی۔ اور شامیوں پر
حملہ کیا تو ہم پہلے آپ کا کام تمام کریں گے البتہ وہ لوگ جو قتل عثمان رض میں شریک
رہ چکے تھے اور جو لوگ صلح کی صورت میں اپنے بچاؤ کی صورت نہیں دیکھتے تھے
باوجود اس کے کہ شامی لوگوں نے قرآن پاک کو نیزوں پر بلند کیا ہوا تھا۔ اپنے
سردار مالک[۱] اشتر کی ہمراہی میں ابھی تک تلوار چلا رہے تھے جناب امیر رض
نے پھر سمجھایا کہ ان لوگوں کے فریب میں آکر لڑائی سے ہاتھ نہ اٹھاؤ لیکن فوج نے
صاف صاف جواب سنا دیا اور کہا کہ آپ فوراً مالک اشتر کو بھی واپس بلائیں ورنہ
آپ کی بھی خیر نہیں ہوگی ناچار آپ نے مالک کو واپس بلا بھیجا لیکن مالک نے
واپسی سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ موقع واپسی کا نہیں ہے شامی شکست پا چکے ہیں۔
آپ نے پھر کہلا بھیجا کہ اگر تم واپس نہیں آؤ گے اور تلوار نیام میں نہ کرو گے۔ تو یہ لوگ
میرا کام تمام کر دیں گے چنانچہ مالک اشتر مجبوراً واپس آیا اور اہل عراق سے (انکار کرنے
والے زیادہ تر اہل عراق ہی تھے) کہا کہ تم لوگ بڑے بے وقوف ہو کہ ایسے وقت میں
جبکہ غنیم کا صفایا ہو چکا ہے اور وہ ہمت ہار بیٹھا ہے ہتھیاروں کو رکھ رہے ہو۔
عراقی لوگ اس تقریر سے برافروختہ ہو گئے اور مالک اشتر رض پر حملہ کرنے کے لیے جھپٹے
لیکن جناب امیر علیہ السلام نے بیچ میں دخل دیکر معاملہ رفع دفع کر دیا۔
علوی فوج نے قرآن شریف کو نیزوں پر دیکھ کر تلوار کو نیام میں ڈالکر اہل شام سے

---

[۱] اس امر کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ مالک اشتر نے اپنے دوسرے ہمراہیوں کی طرح
تلوار کیوں نیام میں نہیں ڈالی ہم اس پر کچھ رائے زنی نہیں کرنا چاہتے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو اہل شام نے جواب دیا کہ ہم صلح چاہتے ہیں ہم اپنی طرف سے عمرو بن العاص کو ثالث مقرر کرتے ہیں تم لوگ بھی کسی کو اپنا ثالث بنا لو۔ دونوں ثالث آپس میں سمجھوتہ کریں اور فریقین اس پر صدق دل سے عمل کریں۔ چنانچہ علوی فوج نے عبداللہ ابن عباس کو ثالث مقرر کیا۔ لیکن شامیوں نے کہا عبداللہ ابن عباس اور علی کرم اللہ وجہہ میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کسی اور کو ثالث مقرر کرو پھر علوی فوج نے مالک اشتر کو ثالث مقرر کیا لیکن شامیوں نے کہا کہ وہ قتل عثمانؓ میں شریک رہ چکے ہیں۔ اس لیئے ہم اس کو منظور نہیں کرتے آخر بڑی ردوکد کے بعد ابوموسیٰ اشعری کو علوی فوج نے اپنا ثالث مقرر کیا جس کو اہل شام نے تسلیم کر لیا اگرچہ جناب امیر المؤمنین نے اس کا ثالث بننا پسند نہ کیا ؂

جب فریقین کے ثالث مقرر ہو چکے تو صلح نامہ لکھا جانے لگا کاتب آپ نے بسم اللہ کے بعد ابھی یہی الفاظ لکھے تھے کہ یہ صلحنامہ امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضؓ امیر شام کے درمیان ہے لیکن عمرو بن العاص نے کہا کہ ہم جناب علی کرم اللہ وجہہ کو امیر المؤمنین تسلیم نہیں کرتے البتہ امیر عراق تسلیم کرتے ہیں اس لئے بجائے امیر المؤمنین کے امیر عراق کا لفظ لکھو اگرچہ کاتب نے امیر المؤمنین کا لفظ کاٹنا گوارا نہ کیا لیکن خود جناب امیر علیہ السّلام نے امیر المومنین کے لفظ کو محو کر دیا اور فرمایا یہ واقعہ بعینہٖ صلحنامہ حدیبیہ کے مطابق ہے میں نے آنحضرت صلعم کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ تحریر کیا تھا جس پر مشرکین نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ تسلیم نہیں کرتے محمد بن عبداللہ لکھو میں نے رسول اللہ کا لفظ محو کرنا گوارا نہ کیا لیکن خود جناب رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے کہ یا علیؓ ایک دن تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ خود رسول اللہ کے لفظ کو محو کر دیا تھا غرض صلحنامہ لکھا گیا جس میں یہ قرار پایا کہ فریقین کے ثالث ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص آٹھ ماہ تک سوچ بچار اور عامۃ الناس سے مشورہ لے کر جو فیصلہ کریں گے وہ علی ابن ابی طالب اور معاویہؓ بن ابی سفیان کو منظور و قبول ہوگا۔ یہ صلح نامہ لکھنے کے بعد فریقین اپنے اپنے

مقام پر واپس آگئے اور اس خونخوار مہیب جنگ کا خاتمہ ۹ صفر المظفر ۳۷ھ کو ہو گیا اس جنگ میں فریقین کے تقریباً چالیس ہزار آدمی مقتول ہوئے۔ آخرکار آٹھ ماہ کے بعد ماہ ذوالقعدہ میں بمقام دومتہ الجندل میں دونوں ثالث اور فریقین کے چار سو آدمی جمع ہوئے ثالثوں نے اپنے گھر پر یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ علی رضؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ اور مشورہ عام سے کسی تیسرے آدمی کو خلیفہ مقرر کیا جائے جب ثالثوں کی آپس میں بحث دیر ہو چکی۔ تو جلسہ عام میں دونوں ثالث آئے عمرو بن العاص سے تقریر کرنے کو کہا گیا لیکن اس نے کہا میں موسیٰ اشعری جیسے لائق اور قابل شخص سے پہلے بولنے کی جراءت نہیں کر سکتا ہے چنانچہ ابو موسیٰ اشعری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا۔ اب مشورہ عام سے۔ کسی تیسرے کو امیر المومنین بنانا چاہئے ابو موسےٰ یہ تقریر کر کے بیٹھ گیا۔ اور عمرو بن العاص کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ کہ حضرت علی رضؓ کے ثالث نے علی رضؓ کو تو معزول کر دیا میں بھی علی رضؓ کو معزول کرتا ہوں اور اس کی جگہ اصل حقدار خلافت معاویہؓ کو امیر کرتا ہوں اس تقریر کے سنتے ہی ابو موسےٰ سناٹے میں آ گئے اور عمرو بن العاص کو بہت کچھ سخت سست کہا کہ مکار تو نے مجھ میں خلوت میں کیا اقرار کیا تھا۔ اور اب کیا تقریر کی لیکن عمرو بن العاص نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر چپ چاپ دمشق میں آگیا۔ عداوت ویسی کی ویسی رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہوا ۞

دارالخلافت کی تبدیلی

جنگ صفین سے فراغت پاکر آپ نے کوفہ کا رخ کیا اور انتظام مملکت میں مصروف رہے اسی اثناء میں آپ نے مدینہ طیبہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافت بنا لیا اور مدینہ طیبہ سے گھر بار چھوڑ کر کوفہ میں آ رہے یہ تبدیلی کوئی اتفاقی تبدیلی نہیں تھی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کوفی اور اس کے گرد و نواح کے لوگ درحقیقت

تلوار کے یار تھے اگر ان لوگوں کو تلوار کے نیچے رکھا جاتا تھا تو یہ امن امان اور چین سے رہتے اور تابعداری کرتے تھے اور اگر ذرا سی نرمی برتی جاتی تو جھٹ فتنہ و فساد برپا کر دیتے تھے چونکہ مدینہ طیبہ کوفہ سے بہت دور تھا اور ان لوگوں کے ہر وقت آمادہ فساد رہنے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ نے مصلحت اسی میں دیکھی۔ کہ مدینہ طیبہ کی بجائے کوفہ کو دار السلطنت بنایا جائے

جنگِ نہروان

جنگ صفین کے بعد فریقین کے مقرر کردہ ثالث جب کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور عداوت جوں کی توں برقرار رہی تو کوفی لوگوں نے جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ معاویہ نے آپ سے بہت دغا بازی کی ہے اس لیے اس سے لڑنا چاہیے آپ تیاری کریں ہم آپ کے قدموں پر جانیں نثار کرنے کو تیار ہیں لیکن آپ نے فرمایا میں اب ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ معاویہ سے جنگ نہ کرنے کا عہد کر چکا ہوں اگر اس وقت جبکہ شامی لوگوں نے فریب کے ساتھ تلوار سے مرعوب ہو کر نیزوں پر قرآن مجید کو بلند کیا تھا۔ تم میری بات کو مانتے اور تلوار کو نیام میں نہ ڈالتے تو معاویہؓ یہ دغا بازی نہ کر سکتا۔ مگر افسوس کہ تم نے میری بات کو نہیں مانا جب آپ نے جنگ سے انکار کیا تو یہ لوگ خود آپ سے برگشتہ ہو گئے اور بعد مشورہ یہ فیصلہ کیا کہ علیؓ خدا کے حکم کو نہیں مانتے اور دغا باز معاویہؓ کو سزا نہیں دیتے اس لیے حکم خدا کے موجب احاکم بدیہی کافر ہیں۔ اور ان کا قتل واجب ہے چونکہ یہ لوگ کھلم کھلا کوفہ میں جناب امیر علیہ السلام سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لیئے ایک ایک دو دو کر کے نہروان کی طرف چلے گئے اور جناب امیر علیہ السلام سے مخالفت کا اظہار کرنے لگے اور بالآخر جب کافی جمعیت ہو گئی تو بغاوت کا اعلان کر کے لوٹ مار مچا دی آپ نے ان کو لکھ بھیجا۔ کہ اگر تم نے محض اس خیال سے میری مخالفت کی ہے اور باغی ہو گئے ہو کہ میں نے معاویہؓ کے ساتھ لڑنے سے انکار

کردیا تو آپ بھی معاویہ رضؓ کے ساتھ لڑنے کو تیار ہوں۔ مگر انہوں نے اس خط کے جواب میں لکھ بھیجا کہ (حاکم بد دہن) آپ ہمارے خیال کے مطابق کافر ہو چکے ہیں اس لئے جب تک آپ اعلانیہ توبہ نہ کریں ہم آپ کو مدد نہیں دے سکتے ساتھ ہی اس کے آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جب علی رضؓ معاویہ رضؓ سے جنگ کی خاطر کوفہ سے نکلے تو ہم کوفہ کو لوٹ لینگے چنانچہ آپ نے سب سے پہلے ان خارجیوں کو قتل کر کے امن و امان بحال کر دیا جن جن لوگوں نے ان میں سے توبہ کی اور عقائد بد سے باز آگئے ان کو چھوڑ دیا ٭

بنی اُمیّہ کے توڑ جوڑ اور امیرؑ کی سادگی

ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ شہادت عثمان رضؓ کی اطلاع ملتے ہی امیر معاویہ رضؓ جناب امیر المومنین سے برگشتہ ہو گیا تھا اور قتل عثمان رضؓ کا قصاص لینے کے لئے بیتاب تھا چنانچہ ایک طرف تو وہ روزانہ شہادت عثمان رضؓ کے قصے کو رنگ آمیزی کے ساتھ اہل شام کو سنا سنا کر انتقام لینے پر برانگیختہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف اندر ہی اندر عمال جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ ساز باز کرنا شروع کر دیا جس نے اُس کو امداد دینے یا الگ رہنے کا وعدہ کیا اس کو تو چھوڑ دیا۔ لیکن جس عامل نے ذرہ بھر بھی امیر علیہ السلام کی موافقت کا دم بھرا اس کی مخالفت پر تل گیا مصر میں آپ نے محمد بن ابوبکر رضؓ کو عامل بنا کر بھیجا چونکہ اس طرف سے جناب امیر علیہ السلام کو کافی امداد کی توقع ہو سکتی تھی اس لئے سب سے پہلے معاویہ رضؓ نے مصر کو ہی تاکا۔ اور اپنے کارکن وہاں بھیج کر محمد بن ابوبکر رضؓ کے برخلاف معاویہ رضؓ بن خدیج سے بغاوت کرا دی (یہ معاویہ بن خدیج اسی کنانہ کا باپ تھا جس نے جناب عثمان رضؓ کو شہید کیا تھا) اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل اسی معاویہ بن خدیج کا بیٹا تھا لیکن اس نے معاویہ امیر شام کی سازش سے محمد بن ابوبکر رضؓ عامل مصر سے قتل عثمان رضؓ کا قصاص طلب کیا۔ اور ملک میں بغاوت برپا کر دی

جب معاویہ امیر شام کو کامیابی کی کچھ جھلک معلوم ہوئی۔ تو اس نے فوراً معاویہ بن خدیج باغی کی امداد کے واسطے عمرو بن العاص کو کچھ فوج دیکر بھیج دیا۔ چنانچہ ان دونوں کی عامل مصر محمد بن ابو بکرؓ کے ساتھ جنگ ہوئی۔ جس میں بوجہ امداد نہ پہنچ سکنے کے محمد بن ابو بکر عامل امیر المؤمنین کو شکست ہوئی۔ اور شہید ہو گئے اس طرح مصر کا علاقہ بھی معاویہؓ امیر شام کے تسلط میں آگیا جب جناب امیر علیہ السلام کو اس حال کی خبر ہوئی۔ تو محمد بن ابو بکر کی امداد کے واسطے فوج بھیجی۔ مگر شومئے قسمت سے نہ پہنچ سکی۔ اور معاویہ امیر شام نے اپنی حکمت عملیوں سے اس کمکی فوج کو راہ میں ہی روک کر منتشر کر دیا۔ جن میں سے اکثر آدمی شہید ہو گئے۔ اور باقی واپس دار الخلافت کی طرف پلٹے۔ غرض امیر معاویہ نے شام میں بیٹھ کر اپنے آباؤ اجداد کی طرح جو ملکی توڑ جوڑ میں شہرۂ آفاق تھے۔ جناب امیر علیہ السلام کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

بنی اُمیہ رسول کی بات کو پہلے سوچا کرتے تھے۔ اور تدبیر میں مصروف رہا کرتے تھے۔ دنیا کی ان لوگوں کو کافی سمجھ تھی۔ کام نکالنے کے لئے ہر ممکن مکر و حیلہ کو کام میں لاتے نہ ہوتے۔ جب تک راستہ کے کانٹوں کو پہلے صاف نہ کر لیتے تھے۔ آگے قدم نہ بڑھاتے تھے۔

دوسری طرف بنی ہاشم کو ملکی توڑ جوڑ سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ ہر کام میں مکر و حیلہ سے پرہیز کرتے۔ اور محض ذات خداوندی پر بھروسہ رکھتے تھے۔ ان کا خیال تھا۔ کہ خاندان رسالت میں سے ہونے کے باعث عوام الناس میں ہماری عزت ہے اس لئے مکر و حیلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت بنی ہاشم کی لوگوں کے دلوں میں عزت تھی۔ بنی اُمیہ سے لوگ ناراض تھے۔ لیکن بنی اُمیہ کی زبردست تدبیریں جن پر ان کو بہت کچھ ناز تھا۔ عامۃ الناس کو بنی ہاشم سے جدا کر دیتی تھیں۔ اور ان کا کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ جس طرح امیر معاویہ اپنے اسلاف کی طرح حکمت عملی میں پورے ماہر تھے۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام بھی اپنے اسلاف کی طرح کھرے اور توڑ جوڑ سے متنفر تھے مکر و حیلہ کو گناہ سمجھتے۔ اور حق کا ساتھ دیتے تھے۔ اور باطل کی پیروی کرنے والوں

کو فوراً سرزنش کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جناب امیر علیہ السلام نے جنگ جمل میں ان اشخاص کو جو قتل عثمانؓ میں شریک رہ چکے تھے۔ نکال دیا تھا۔ اور مالک اشتر جیسے شخص کو جس نے جناب امیر علیہ السلام کی بے شمار خدمات انجام دی تھیں۔ باوجود مالک کی عرض و معروض کے کسی صوبے کا عامل مقرر نہیں فرمایا۔ کیونکہ قتل عثمانؓ میں اس کی شرکت آپ کو معلوم تھی؛

جناب امیر علیہ السلام کی شہادت

جنگ نہرواں میں جو خارجی لوگ مفرور ہو کر طعمہ ذوالفقار ہونے سے بچ رہے ان میں سے تین آدمی عبدالرحمن ابن ملجم۔ برک ابن عبد۔ اور عمرو بن ابی بکیر کسی نہ کسی طرح کوفہ میں آگئے۔ گو بظاہر اسلام کی حالت میں نظر آتے تھے۔ لیکن اپنے عقیدے کے مطابق خارجی اور از روئے اسلام منافق تھے۔ ان تینوں بد بختوں نے یہ صلاح کی کہ اس خلافت کے قضیہ نامرضیہ نے ہزاروں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ ہزاروں خاندان بے چراغ ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے۔ مگر ابھی تک یہ قضیہ فیصل ہونے میں نہیں آتا چونکہ یہ سارا فساد علیؓ معاویہؓ اور عمرو بن العاص کا ہے۔ اس لئے جب تک ان تینوں کو تلوار کے گھاٹ نہ اتارا جائے مسلمان اسی طرح خاک و خون میں تڑپتے نظر آئیں گے اور امن و امان قائم نہیں ہو گا۔ اس لئے انہی کا قصہ پاک کرنا چاہیئے چنانچہ ان تینوں شخصوں نے ایک ایک کا قتل اپنے اپنے ذمے لے لیا۔ اور طے ہو گیا۔ کہ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ بروز جمعہ صبح کے وقت ان تینوں کو قتل کر دیا جائے۔ چونکہ معاویہؓ دمشق میں جناب علی کرم اللہ وجہہ کوفہ میں اور عمرو بن العاص مصر میں تھا۔ اس لئے تینوں نے اپنے اپنے منزل مقصود کی راہ لی۔ برک بن عبداللہ دمشق کو معاویہؓ کی طرف اور عمرو بن ابی بکیر مصر کو عمرو بن العاص کی طرف روانہ ہوا؛

عبدالرحمان ابن ملجم کوفہ میں ہی رہا۔ کیونکہ جناب امیر علیہ السلام اسی جگہ تھے جب مقررہ دن آیا۔ تو ہر ایک نے رات کو مسجد میں ہی قیام کیا۔ تاکہ جب دمشق میں

معاویہ کوفہ میں علیؑ اور مصر میں عمرو بن العاص صبح کی نماز پڑھانے کیلئے آگے بڑھیں تو فوراً وار کردیں اب پہلے دمشق کی سنئے! جب امیر معاویہؓ آگے بڑھے تو برک نے اپنا وار کیا مگر وار اوچھا پڑا۔ امیر معاویہؓ آگے نکل چکے تھے۔ لوگوں نے فوراً اس کو گرفتار کر لیا دریافت کرنے پر اس نے سارا راز بیان کر دیا۔ اور کہا۔ آج علیؓ اور عمرو بن العاص قتل ہو گئے ہونگے۔ افسوس کہ تو بچ رہا معاویہؓ علاج معالجہ سے تندرست ہو گیا۔ مصر میں یہ گزری کہ مقررہ دن پر عمرو بن العاص بیمار تھے وہ خود تو نہ آئے۔ اور دوسرے آدمی کو اپنی جگہ بھیج دیا لیکن عمرو بن ابی بکیر نے نماز پڑھانے والے کو عمرو بن العاص سمجھکر شہید کر ڈالا۔ اگرچہ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر لوگوں نے گرفتار کر لیا چنانچہ اگلے دن قصاص میں اس کو بھی عمرو بن العاص نے قتل کروا دیا۔ کوفہ میں ابن ملجم رات بھر مسجد میں رہا۔ جب صبح کیوقت جناب امیر علیہ السلام امامت کیواسطے آگے بڑھے تو شقی ازل ابن ملجم نے بڑھکر وار کیا جس سے آپ بری طرح مجروح ہو گئے۔ لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا۔

اگرچہ زخم کاری تھا۔ اور ابن ملجم نے آپ کو شہید کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی آپ نے حکم دیا کہ میرے قاتل کی خدمت کرو۔ اگر میں زندہ رہا تو خواہ میں اس سے انتقام لوں یا نہ لوں میرا اختیار ہے لیکن اگر میں انتقال کر گیا۔ تو قصاص میں اس کو قتل کر ڈالنا چونکہ تلوار زہر آلود تھی۔ اور زخم بھی کاری لگا تھا۔ اس لئے آپ جانبر نہ ہو سکے اور ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو بروز ہفتہ رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ کہ کوفہ میں ایک خوبصورت عورت قطام نامی رہا کرتی تھی۔ بہت سے لوگ اس کی خواستگاری کیلئے آئے۔ لیکن وہ کسی کو پسند نہ کرتی تھی اور اگر کسی کو پسند کرتی تھی۔ تو مہر اس قدر گراں طلب کرتی تھی کہ وہ حق مہر ادا کرنے کی کوئی شخص بھی آپ میں جرأت نہ پاتا تھا حق مہر یہ تھا۔ تین ہزار درم ایک غلام ایک لونڈی جناب علی کرم اللہ وجہہ کا سر مبارک عبدالرحمان ابن ملجم المرادی قاتل جناب امیرؑ اس عورت پر عاشق ہو گیا۔ اور اس نے معشوقہ کے فرمان کے موجب زہر آلود تلوار سے آپ کو شہید کر دیا۔ آپکی عمر میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ کوئی تریسٹھ کوئی چونسٹھ پینسٹھ اور کوئی ستاون یا اٹھاون بتاتا ہے واللہ اعلم بالصواب

عمرو بن العاص کا ذکر خیر

ہم خلافت حضرت عثمانؓ سے لیکر جناب امیر علیہ السلام کی شہادت تک کے تمام واقعات

کو غائر نظروں سے دیکھتے ہیں تو ہر چھوٹے بڑے فساد کی تہ میں عمرو بن العاص کا ہاتھ در پردہ کام کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ دوسرے بنی اُمیہ بھی شریک نظر آتے ہیں لیکن قدر زیادہ گہری نظر ڈالنے سے عموماً ابتدا انہی کی طرف سے معلوم ہوتی ہے۔ ہم سوائے اسکے کہ ان کے کارناموں کو ناظرین پر ظاہر کر دیں اور کچھ نہیں لکھ سکتے۔ کیونکہ جہاں ان کے کارناموں کی یہ تفصیل ہے وہاں ان کے احسانات بھی ہیں۔

جناب امیرؑ کو دھوکا دیکر خلافت حضرت عثمانؓ کو دلانا۔ مخالفت حضرت عثمانؓ پر سب سے پہلے آمادہ ہونا۔ اور ان سے درشتی کیساتھ مسجد نبویؐ میں پیش آنا۔ جناب عثمانؓ کے شہید کر دینے کی سب سے پہلے رائے دینا۔ شہادت عثمانؓ کے بعد معاویہؓ کے پاس پہنچنا اور واقعات کو رنگ آمیزی سے معاویہؓ کے سامنے بیان کرنا حالانکہ معاویہؓ جانتے تھے کہ سب سے پہلے انہی نے قتل عثمانؓ کی رائے دی۔ وزیر معاویہ بنکر مصر میں محمد بن ابوبکرؓ کو شکست دینا قصاص عثمانؓ کے لئے امیر علیہ السلام سے جنگ کرنا ہزیمت کی صورت میں جبکہ میدان صفین میں مجسم موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے۔ قرآن شریف کو نیزوں پر بلند کر کے امیرؑ کو دھوکا دینا اور پھر ثالث مقرر ہو کر ابو موسیٰ اشعری ثالث جناب امیر علیہ السلام کو دھوکا دینا۔ یہ سب کارنامے انہی کے ہیں

جناب امیر علیہ السلام کے اقوال

اگرچہ آپ کے لاتعداد حکیمانہ اور فلسفیانہ اقوال کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ لیکن تاہم تبرکاً آپ کے چند کلمات حکمت کو مختصراً ہدیہ ناظرین کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص انصاف کرنا چاہے اسکو ہر چہ بر خود نپسندی بر دیگراں مپسند پر عمل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ وہ جب تک اس مقولے پر عمل نہیں کریگا۔ انصاف نہیں کر سکیگا

۲۔ فرماتے ہیں کہ غصّہ اور پیاس کی شدّت جمائی کی شدت قے نکسیر بول و براز اور ذکر اس کی رقت کسالت اور نیند کا غلبہ یہ سب باتیں شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں +

(۳) فرماتے ہیں کہ انسان کو گناہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے سے کوئی امید نہ رکھنی چاہیئے۔ جو بات نہ آتی ہو۔ اسکے پوچھنے میں شرم نہ کرنی چاہیے +

۴۔ عالم کو لازم ہے۔ کہ اگر اس سے کوئی کچھ پوچھے تو سائل کا جواب دینے میں ہرگز دریغ نہ کرے اور کچھ چھپا نہ رکھے لیکن اگر عالم سائل کا جواب دینے سے عاری ہو تو کہہ دے کہ خدا بہتر جانتا ہے

۵- فقیہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے نا امید نہ کر دے اور گناہوں کی اجازت نہ دے۔ عذاب الٰہی سے اس کے بندوں کو نڈر نہ کر دے ؛

(۶) جو نسبت انسان کے سر اور جسم میں ہے وہی نسبت انسان کے صبر اور ایمان میں ہے۔ سر گیا۔ تو جسم گیا۔ صبر گیا تو ایمان گیا ؛

(۷) فرماتے ہیں۔ کہ جس پڑھنے میں غور و فکر کو دخل نہ ہو۔ وہ پڑھنا نہیں ہے اسی طرح جو علم انسان اچھی طرح نہ سمجھے وہ علم نہیں کہلاتا ؛

(۸) آپ کا ارشاد ہے۔ کہ عزم سوء ظن ہے ؛

(۹) فرماتے ہیں۔ کہ محبت ایک ایسی چیز ہے۔ جو بعید کو قریب کر دیتی ہے اور عداوت اس کے برخلاف قریب کو بعید کر دیتی ہے۔

(۱۰) آپ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے۔ جس سے اگر کچھ پوچھا جائے اور وہ نہ جانتا ہو۔ تو صاف صاف اپنی لاعلمی ظاہر کر دے ؛

ان کے علاوہ آپ کے بیشمار اقوال ہیں۔ جنکے درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ؛

آپ کے مختصر قضایا

آپ کے اقوال کی طرح آپ کے قضایا بھی بے شمار ہیں خلفائے ثلاثہ آپ کی ذات مقدس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مغتنمات میں سے جانتے تھے۔

(۱) خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ایک مجنون مگر حاملہ عورت کو بالزام زنا پیش کیا گیا۔ جناب عمرؓ نے اس عورت کے قتل کا حکم دیدیا لیکن جناب امیر علیہ السلام مانع آئے اور فرمایا کہ یا امیر المومنین کیا آپ کو فرمان رسول فراموش ہو گیا ہے۔ کہ تین شخصوں پر قلم اٹھا لیا گیا۔ یعنی تین شخصوں پر حد شرع جاری نہیں ہو سکتی اول مجنون جبتک کہ تندرست نہ ہو جائے دوسرے لڑکا جبتک کہ بالغ نہ ہو۔ اور تیسرے سویا ہوا جبتک کہ بیدار نہ ہو۔ یہ سنتے ہی حضرت فاروق اعظمؓ نے اس عورت کو بری کر دیا۔ اور فرمایا اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا ؛

۲- ایک اور مقدمہ ایک عورت کا عدالت فاروقی میں پیش ہوا۔ الزام یہ تھا کہ اس عورت نے نکاح کے بعد چھ ماہ میں بچہ جنا ہے اس عورت پر بھی الزام زنا دے کر رجم کئے جانے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جناب علی المرتضےٰ آڑے آئے اور فرمایا کہ یا امیر المومنین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بچہ کا حمل اور

دودھ چھوڑانا تیس مہینوں کے بعد ہے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ بچہ کا دودھ دوسال کے بعد چھوڑانا چاہیئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حمل کی مدت چھ ماہ بعد بھی ہے۔ چنانچہ عورت کو بری کیا گیا۔ ۲۔ ایکدفعہ ایک حاملہ مگر زانیہ عورت عدالت فاروقی میں بالزام زنا پیش ہوئی اور اپنے جرم زنا کا اقرار بھی کرتی تھی۔ چنانچہ سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب اسکو سنگسار کرنے کے لئے لے جا رہے تھے۔ تو اثناء راہ میں جناب علی کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ہوئی۔ دریافت حالات پر جناب علی رضہ نے فرمایا کہ یا امیرالمؤمنین اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن جو بچہ اس کے پیٹ کے اندر ہے۔ اس پر آپکا حکم لگاتے ہیں۔ وہ بغیر قصور کے سزا پاتا ہے۔ پھر فرمایا کیا آپنے اس عورت کو دھمکایا بھی تھا حضرت عمر رضی نے فرمایا۔ کہ ہاں پھر جناب علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اسکو چھوڑ دو۔ کیونکہ بعد تشدد اور جبر کے قصور کا اقرار کرنے والے پر حد شرع جاری نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ عورت کو چھوڑ دیا گیا۔ اور حضرت عمر رض نے فرمایا۔ کہ عورتیں علی ابن ابیطالب جیسا جننے سے عاجز ہیں۔

(۳) ایکدفعہ تین شخص سترہ اونٹ لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا امیرالمؤمنین یہ سترہ اونٹ ہمارے مشترکہ منافع کے ہیں ان میں نصف حصہ ایک شخص کا ہے تیسرا حصہ دوسرے اور نواں حصہ تیسرے کا ہے ہم اپنا اپنا نفع تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ براہ کرم ایسی صورت میں تقسیم کر دیں کہ کسی اونٹ کو ذبح یا بیچ کر تقسیم نہ کیا جائے اور ہر ایک اپنا اپنا حق حاصل کرے آپنے اپنے غلام قنبر کو حکمدیا۔ کہ ان اونٹوں کو ایک قطار میں کھڑا کر دو اور ایک طرف اپنا اونٹ لاکر بھی انہی میں کھڑا کر دو۔ جب حسب الحکم تعمیل ہو چکی۔ تو آپ نے پہلے شخص کو بلا کر فرمایا۔ کہ تم اپنا نصف حصہ ان اونٹوں میں سے لیلو۔ چنانچہ اس نے نو اونٹ علیحدہ کر لئے۔ پھر تیسرے کو فرمایا۔ کہ تم اپنا نواں حصہ لیلو۔ چنانچہ اس نے اپنے حصے کے دو اونٹ لے لئے۔ پھر قنبر کو حکم دیا۔ کہ تم اپنا اونٹ لے جاؤ۔ تینوں سائل خوش ہو کر چلے گئے۔ اور اپنا اونٹ اپنے ہی پاس رہا۔

تمام شد

نوشتہ بندہ غلام محی الدین ولد نور احمد قریشی ساکن موضع مردیکے تحصیل وزیر آباد بقلم خود

خاتم النبیین } یعنی سوانح حیات رسول مقبول مصنفہ مولانا نذیر احمد صاحب سیماب بی اے مبلغ اسلام

اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت رضاعت اخلاق وعادات نبوت دیگر معجزات اور وفات نہایت تحقیقی اور مدلل حالات کیساتھ درج کئے گئے ہیں۔ آپکے کیرکٹر کی وہ معراج کمال اور حسن خلق کا وہ نمونہ دکھایا گیا ہے جس نے مخالفین کے سر جھکا دیئے ہیں۔ غرضیکہ تمام ضروری حالات کے دریا کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ عبارت سلیس و عام فہم ہے بجا موزوں اور مناسب اشعار کے استعمال نے انداز بیان کو از حد دلچسپ اور مؤثر بنا دیا ہے۔ اکثر جگہوں پر حالات اس قدر دردانگیز اور رقت خیز ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تقریباً تمام واقعات کا حوالہ قرآن شریف و حدیث شریف سے دینے کی کوشش کی گئی ہے کتابت و طباعت عمدہ کاغذ چکنا عمدہ

الصدیق } یعنی سوانح عمری حضرت ابوبکر صدیق رضی مصنفہ مولینا نذیر احمد سیماب بی اے منشی فاضل اس کتاب میں حضرت ابوبکر علمبردار اسلام یعنی خلیفہ اول کی زندگی کے حالات پیدائش سے لیکر وفات تک نہایت صحت و صفائی سے درج کئے گئے ہیں۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت عہ

سیرۃ الفاروق } یعنی سوانح عمری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ

مصنفہ از جناب نذیر احمد سیماب بی۔ اے منشی فاضل اس کتاب میں حضرت عمر رض علمبردار اسلام خلیفہ دوم کی زندگی کے حالات نہایت صحت و صفائی سے درج ہیں۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں قیمت ؏

جب کبھی آپ کتاب کی ضرورت ہو ہمیشہ پنجاب کے قدیم رعایتی کتب خانہ شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار طلب کریں۔

ذوالنورین سوانح حیات حضرت عثمان رض مصنفہ جناب نذیر احمد سیماب بی اے منشی فاضل اس کتاب میں حضرت عثمان علمبردار۔ اسلام خلیفہ سوم کی زندگی کے حالات نہایت صحت و صفائی سے درج ہیں۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور چار رنگ کے بلاک کا سرورق اس کی خوبصورتی کو دوبالا کرتا ہے۔ قیمت ۱۰/

سیف اللہ یعنی سوانح عمری حضرت خالد بن ولید سپہ سالار اسلام۔ مصنفہ جناب نذیر احمد سیماب بی اے منشی فاضل اس کتاب میں حضرت خالد بن ولید کی شجاعت اور بہادری کا سچا فوٹو کھینچا گیا ہے صحیح حالات کیساتھ دلچسپی کا خیال رکھا گیا ہے۔ کتابت نہایت عمدہ ولایتی چکنے کاغذ پر چھپی ہوئی ہے اور چار رنگ کے بلاک کا سرورق اسکی خوبصورتی کو دوبالا کرتا ہے۔ ہاتھوں ہاتھ بک رہی ہے۔ آج ہی اپنا آرڈر لکھ کر منگوائیے ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا قیمت عہ

تذکرۃ الاولیا اردو یہ کتاب شیخ فریدالدین صاحب عطار کی لکھی ہوئی ہے۔ پہلے فارسی زبان میں تھی جس سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن اب اس کو شہرت دینے کیلئے زرکثیر خرچ کرکے اردو میں ترجمہ کرایا گیا ہے ہر مسلمان کیلئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ تمام اولیاء اللہ کے مفصل حالات درج ہیں قیمت صرف عہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز بازار کشمیری لاہور

اسد اللہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

PRICE 2-4-0